بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیرِ قادری

الموسوم

تفسیرِ کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

﴿مقدمہ، ۱سورہ فاتحہ، ۲سورہ بقرہ ابتدائی ۳۶ آیتیں﴾

حصہ سوم

از

شیخ الاسلام سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۱۷۔۱۳۸۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

مقدمہ، تفسیر [۱] سورہ فاتحہ و [۲] سورہ بقرہ (ابتدائی [۳۶] آیتیں)

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷ـ۱۳۸۴ھ

سورۂ بقرہ (مدنی)

پیرو مرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزاءِ خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین ودنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآں میں شریک

خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصرالحق

الحمدللہ رب العالمین

اظہارِ تشکر

روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ
حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصر کو
ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

الحمد لله الذی وفقنا لخدمة القرآن الکریم وکلامه القدیم
وکتابه الحکیم والصلاة والسلام علی حبیبه الرؤف الرحیم ونبیه نبی الرحمة
خاتم النبیین وامام المرسلین الموصوف بالخلق العظیم سیدنا وشفیعنا
وقرة اعیننا ومولانا محمد النبی الامی المبعوث الی کافة الناس بالدین
القویم والفضل الجسیم وعلی آله واصحابه واتباعه اولی لتعظیم و
التکریم الهادین الی الصراط المستقیم صلاة وسلاما دائمین متلازمین
الی یوم یدخل فیه المؤمنون فی جنات النعیم۔ اما بعد
برادران دین کی خدمت میں عرض ہے کہ علم تفسیر اشرف علوم ہے۔ کیونکہ کسی
علم کا شرف اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور علم تفسیر کا موضوع چونکہ قرآن کریم ہے
اور قرآن کریم کلام اللہ ہے تو جو شرف اور فضیلت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مقدس کلام
کو دوسروں کے کلام پر حاصل ہے۔ کلام اللہ کی تفسیر کو بھی دوسروں کے کلام کی تشریح پر
حاصل ہوگی۔ لہذا علم تفسیر تمام علوم سے اشرف، اعلیٰ اور افضل
ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مقدمہ

اصول تفسیر

۱۔ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے تفسیر کے حسب ذیل اصول ہیں اور اسی کے لحاظ سے تفسیر کے مدارج معلوم ہوتے ہیں: — ایک یہ کہ قرآن کریم کی ایک آیہ کریمہ کی تفسیر قرآن کریم ہی کی دوسری آیت یا آیات کریمہ سے ہوتی ہو۔ جیسا کہ اہل علم کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے: — القرآن یفسر بعضہ بعضاً۔ قرآن کریم کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصہ کی تفسیر کیا کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے: — ان علینا بیانہ۔ قرآن کریم کا بیان (اس کی توضیح و تشریح و تفسیر) ہمارے ذمہ ہے۔" ایسی بہتیری مثالیں ہیں جن میں قرآن کریم کے بعض معانی و مطالب کو دوسری آیات کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ لہذا تفسیر کا یہ درجہ بھی تمام تفاسیر سے اشرف و اعلیٰ ہوگا۔

۲۔ قرآن کی تفسیر حدیث شریف سے دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی تفسیر حضور اقدس رسالتمآب مہبط وحی و کتاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی یوم الحساب کی حدیث شریف سے ہوتی ہو اور آپ نے آیات کریمہ کے معانی و مطالب کو اپنے کلام معجز نظام سے بیان فرمایا ہو۔ جیسا کہ باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: — وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لہم

الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ (نحل) اور نہیں آتاری
ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن کریم) مگر اسواسطے کہ آپ واضح کریں ان کے آگے ان امور کو
جن میں انھوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور (اسواسطے کہ) ہدایت اور رحمت ہو اس قوم کے
حق میں جو (ہماری باتوں پر) یقین رکھتے ہیں"۔ یعنی قرآن کریم کو آپ پر اتارنے کا مقصد
ہی یہ ہے کہ منکرین کی اختلافی باتوں کو آپ اپنے بیان سے وضاحت کرکے ان کی تشفی فرمائیں
اور آپ کا بیان ایمان والوں کے حق میں ان کی ہدایت اور رحمت کا سامان مہیا کرے۔
جا بجا، موقع بہ موقع، حسب ضرورت قرآن کریم کے معانی و مطالب جو بیان فرمائے
احادیث شریفہ کی کتابوں میں وہ سب محفوظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ احادیث
شریفہ بھی قرآن کریم کی تفسیر ہیں۔ یہ تفسیر کا دوسرا درجہ ہے۔

٣۔ قرآن کریم کی تفسیر ائمہ دین اور فقہائے کرام کے اقوال سے

تیسرا اصول تفسیر کا یہ ہے کہ جس آیۂ کریمہ کی تفسیر معلوم نہ ہو اس کو اہل استنباط و اجتہاد کے سامنے پیش کیا جائے
وہ اپنے تبحر علمی کی بدولت اس کی تفسیر بتادیں گے جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:۔
ولو ردّوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ
منہ۔ اور اگر یہ لوگ (جو قرآن کریم کی تفسیر سے واقف نہیں) اس کو حضور رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یا اولی الامر (اہل علم) کے پاس پیش کریں تو

جو لوگ استنباط کی لیاقت رکھتے ہیں وہ اس کو حل کر دیں گے۔ اس سے صحابۂ کرامؓ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین مراد ہیں۔ ان کی تفاسیر اور اقوال کتب احادیث اور کتب فقہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں دیکھ لیا جائے۔ نیز باری تعالیٰ شانہ کا یہ بھی ارشاد ہے: — فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اہل علم سے دریافت کر لیا کرو اگر تم خود نہیں جانتے ہو"۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین جو خیر القرون میں تھے اگرچہ ان کا عہد منقضی ہو چکا لیکن ان سلف صالحین کے اقوال کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کو پڑھکر قرآن کریم کی تفسیر معلوم کر لیا کریں۔

قرآن کی تفسیر علمائے دین کے اقوال سے

جن لوگوں میں اتنی استعداد بھی نہ ہو تو اہل علم جو بفضل خدا ہر زمانے میں موجود رہیں گے یہی اولی الامر ہیں شرع شریف کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہے ان سے پوچھ لیا کریں۔ اگلے زمانہ میں حکومت بھی اہل علم کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء کہ علمائے کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں۔ اس حدیث شریف کی بموجب زمام حکومت اہل علم کے تفویض ہوتی تھی۔ بعد کو یہ صورت نمودار ہوئی ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ با اینہمہ اہل علم کی حکومت میں تزلزل نہ آیا۔ عوام پر پادشاہوں کی حکومت تھی تو پادشاہوں پر اہل علم کی حکومت رہی۔ شدہ شدہ یہ صورت بھی بعض جگہ برقرار نہ رہ سکی۔

مسلمانوں کی بادشاہت بھی ختم ہوئی تو دار ومدار اسی پر رہ گیا کہ تفسیرِ قرآن کریم ہو یا دینی امور کی رہبری۔ وہ بالکلیہ علمائے امت کے دوش پر ہے۔ یہ طریقہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ اور اللہ کی زمین پر شرع شریف کی حکومت برقرار رہے گی۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن کریم کے تحفظ کا کفیل ہے

قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لیا ہے تو اس کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کا کفیل بھی حق جل وعلا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہ لحافظون یقیناً ہم ہی نے نصیحت والی کتاب (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" چنانچہ زمانہ شاہد ہے کہ قرآن کریم کے نزول اجلال پر چودہ سو سال گزر چکے مگر اللہ کا کلام معجز نظام اسی شان کے ساتھ بغیر کسی کمی یا زیادتی اور بغیر کسی تبدل وتغیر کے جوں کا توں باقی وبرقرار ہے۔ یہی نہیں بلکہ احادیث شریفہ اور صحابۂ کرام تابعین عظام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے اقوال جو در اصل قرآن کریم کی جیتی جاگتی تفاسیر ہیں وہ بھی موجود ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ وفضلہ وکرمہ۔ یہ فضیلت ومنقبت امت مرحومہ کی خصوصیات سے ہے جس کی نظیر بلکہ اس کا عشر عشیر بھی امم سابقہ میں سے کوئی امت پیش نہیں کر سکتی۔ یہ ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ اس پر اللہ جل شانہ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اور اس کی قدر دانی امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے

تفسیر ہذا میں حتی الامکان اصول مصرحۂ بالا کا لحاظ رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ واللہ الموفق وعلیہ التکلان۔ وھو یھدی السبیل۔

قرآن محبوب رب العالمین قرآن کریم اللہ سبحانہ تعالی کا محبوب ترین کلام ہے۔ ہمارے امام ہمام حضرت احمد بن حنبلؒ نے جناب باری تعالی شانہ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا پروردگار عالم! بندہ آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہے تو اس کی کیا تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہماری کتاب قرآن کریم کی تلاوت کیا کرے۔ پھر عرض پرداز ہوئے کہ سمجھ کر پڑھا کرے یا بے سمجھے بھی؟ ارشاد ہوا۔ سمجھ کر ہو یا بے سمجھے" مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تلاوتِ کلام پاک جاری رکھنی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص تو فہم قرآن کریم کی استعداد نہیں رکھتا اور سمجھنے والے بھی بعض اوقات اس طرف دھیان نہیں رکھ سکتے مگر اللہ سبحانہ کا لطفِ عمیم ہے کہ ہر دو فریق اپنے اپنے مدارج کے اعتبار سے تقرب الٰہی حاصل کر سکتے ہیں اور یہ بھی ظاہر تر ہے کہ بے سمجھ اور سمجھدار برابر نہیں ہو سکتے۔ تراجم و تفاسیر کی اشاعت کا مقصدِ اولیں یہی ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے معانی و مطالب پر عبور ہو اور اس سے خیر دارین حاصل کریں۔ لہذا سمجھدار لوگ اگر سمجھ بوجھ کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تو بے سمجھ کو کم از کم اتنا غور کرنا چاہئے کہ توجہ کے ساتھ دیکھ بھال سے پڑھا کریں تاکہ تلاوت میں غلطی نہ ہونے پائے۔ ہمارے پیرو مرشد شیخ الشیوخ حضرت مولانا حافظ میر شجاع الدین حسین

قدس سرہ العزیز کشف الخلاصہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

معنی گر سمجھے تو اس میں دل لگائے ورنہ سوچے لفظ، تا غلطی نہ آئے

غلط طریقہ سے تلاوت کی مذمت حدیث شریف ہے:۔ رُبَّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنہ۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں میں کتنے ایسے بھی ہیں جن پر قرآن لعنت کرتا ہے"۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ صحیح طریق پر تلاوت نہیں کر سکتے وہ تلاوت ہی چھوڑ دیں بلکہ ان کو چاہئے کہ صحیح طریق پر پڑھنا سیکھیں۔ نماز ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہے اور بغیر قرأت نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ صحیح طریقہ پر قرآن پڑھا کریں۔ نہ جانتے ہوں تو سیکھیں۔ کم از کم ادائے نماز کی حد تک (قدر ما یجوز بہ الصلاۃ) سیکھنا اور صحیح طور پر پڑھنا ہر ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ موجودہ حالت بہت افسوسناک ہے کہ دنیوی علوم تو خوب سیکھ رہے ہیں مگر قرآن کریم کی طرف سے سخت غفلت برتی جا رہی ہے۔ اللہ سبحانہٗ توفیق دے۔ آمین۔

فضائلِ تلاوت تلاوت قرآن کریم کے فضائل بے شمار ہیں۔ علمائے کرامؒ نے اس بارے میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مختصراً اس قدر عرض ہے کہ جو لوگ ہمیشہ مشغول تلاوت رہتے ہیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ان کی ثنا و تعریف فرمائی ہے۔

ارشاد باری ہے: ۔ یتلون آیات اللہ آناء اللیل کلام اللہ کی آیات کی وہ لوگ رات کی (ابتدائی، درمیانی اور انتہائی) گھڑیوں میں تلاوت کرتے رہتے ہیں۔" حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات نے ارشاد فرمایا: ۔ لاحسد الا فی اثنتین رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ آناء اللیل وآناء النھار۔ (بخاری شریف و مسلم شریف) رشک و حسد جائز نہیں مگر دو باتوں میں۔ ایک یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی کو دولت قرآن سرفراز فرمائی اور وہ رات دن کی ابتدائی، درمیانی اور آخری ساعات میں اس کی خدمت کے لئے کمربستہ رہا کرتا ہے۔ (اور دوسرا وہ کہ اس کو مال و دولت دی ہے اور وہ اس کو راہ خدا میں رات دن مستحقین پر خرچ کرتا جاتا ہے)" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے: ۔

من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا ۔

(ترمذی شریف) جو کوئی شخص اللہ پاک کی کتاب کا ایک حرف بھی پڑھ لیتا ہے تو اس کو ایک نیکی ملتی ہے۔ اور ایک ایک نیکی کرنے پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" دوسری حدیث شریف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ۔ لا اقول الم حرف، الف حرف، ولام حرف، ومیم حرف ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک ہی حرف ہے (اور اس کے پڑھ لینے پر صرف دس ہی نیکیاں ملیں گی)

بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔" (لہٰذا الم
کے پڑھنے پر تیس نیکیاں ملیں گی۔) بعض علمائے کرام نے یہاں تک فرمایا کہ الم
سے اَلَمْ تَرَ یا اَلَمْ یَجْعَل کا ابتدائی کلمہ الم مراد ہے۔ اس پر تیس نیکیاں
لکھی جائیں گی۔ اور اگر کوئی الٓمّٓ پڑھے جس سے سورۂ بقرہ وغیرہ کی ابتدا ہوئی اور
جو حروف مقطعات کہلاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک حرف جدا جدا الف،
لام، میم پڑھا جاتا ہے تو الف کے کہنے پر تیس اور لام کہنے پر تیس اور میم کہنے پر تیس
نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اس طرح الٓمّٓ پڑھنے والے کو ۹۰ نیکیاں ملیں گی۔ اب اندازہ
کیجئے کہ تلاوت قرآن کریم کی کیسی فضیلت ہے؟ اگر اس کے معانی پر بھی نظر رہے اور
مطالب پر بھی غور کیا جائے تو کیسی فضیلت حاصل ہوگی؟ اور ایک ایک معنی کے سمجھنے
اور ایک ایک مطلب پر غور کرنے کا کتنا اجر ہوگا اور کتنی نیکیاں ملیں گی اندازہ نہیں
کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر کی اشاعت کا یہی مقصد ہے کہ برادران
باتمکین تلاوت کے ساتھ ساتھ معانی و مطالب پر بھی غور کیا کریں۔ واللہ الموفق۔

دعا کرنے والوں پر تلاوت کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔۔۔

یقول الرب سبحانہ وتعالیٰ من شغلہ القرآن و ذکری عن مسألتی

اعطیتہٗ افضل ما اعطی السائلین وفضل کلام اللّٰہ علی سائر الکلام کفضل اللّٰہ علی سائر خلقہ۔ (ترمذی شریف) پروردگار سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن یا میرے ذکر نے جس کو مجھ سے مانگنے کا موقع نہ دیا یعنی تلاوت و ذکر میں مشغول رہ کر کوئی شخص دعا نہ کر سکا تو مانگنے والوں اور دعا کرنے والوں کو جتنا دیتا ہوں اس سے بہتر اس شخص کو دوں گا۔ اور اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ سبحانہٗ کی فضیلت اس کے تمام مخلوقات پر ہے"

نورانیت اس گھر کی جہاں تلاوت ہوتی ہو

حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- البیت الذی یقرأ فیہ القرآن یتراءی لاھل السماء کما تتراءی النجوم لاھل الارض۔ (بیہقی) جس گھر میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہو وہ گھر ساکنان افلاک کو ایسا نورانی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ ساکنان زمین کو آسمان کے تارے درخشاں نظر آتے ہیں" حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- اقرؤا القرآن فانہ یأتی یوم القیامۃ شفیعا لاصحابہ۔ (مسلم شریف) قرآن کریم کو پڑھو اور اس کی تلاوت کیا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اہل قرآن کا شفیع بن کر آئے گا" اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- نوّروا منازلکم

بالصلاۃ وقراءۃ القرآن۔ (ترمذی شریف) نماز اور تلاوت قرآن پاک سے اپنے گھروں کو نورانی بناتے رہو" اس سے ام المومنین کی حدیث مندرجہ بالا کی تائید ہوتی ہے۔ نیز حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ افضل عبادۃ امتی قرآءۃ القرآن۔ (ترمذی شریف) قرآن کریم کی تلاوت، میری امت کی افضل ترین عبادت ہے"

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا خوان نعمت ہے

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کل مؤدب یحب ان تؤتی مأدبتہ ومأدبۃ اللہ القرآن فلا تھجروہ۔ (ترمذی شریف) ہر دسترخوان بچھانے والا (دعوت دینے والا) یہ چاہتا ہے کہ سب دعوتی اس کے دسترخوان پر آئیں اور اللہ سبحانہ کا دسترخوان، قرآن کریم ہے (جس پر بے شمار الوان نعمت چنے گئے ہیں) لہٰذا اس کو نہ چھوڑو" حضرت عبیدہ مکیؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یا اھل القرآن لا توسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ آناء اللیل والنھار وأفشوہ وتدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون (ترمذی شریف) اے قرآن والو! قرآن کریم کو پس پشت نہ ڈالو، اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یعنی جیسی کہ اس کی تلاوت کرنی چاہیے۔

رات اور دن کی ابتدائی، درمیانی اور آخری ساعات ہیں۔ اور اس کو پھیلاؤ (اس کی اشاعت کرتے رہو) اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس میں غور و فکر کیا کرو تاکہ تمہاری نجات ہو" حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے: - اهل القرآن اهل الله - قرآن کریم کے دلدادہ لوگ ہی اللہ والے ہیں"

سلف صالحین کا شوق تلاوت

سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو تلاوت قرآن کا شوق و رغبت اور شغف کس درجہ تھا اس کا اندازہ واقعات ذیل سے کیا جا سکتا ہے: -

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب، رات دن میں روزانہ قرآن کریم کے آٹھ آٹھ ختم کیا کرتے تھے چار رات میں اور چار دن میں۔ بعض رات دن میں چار، بعض تین، بعض دو، بعض صرف ایک۔ جیسا کہ حضرت جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم فرمایا تھا۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں ہے کہ آپ رمضان شریف میں روزانہ نفل نمازوں میں رات کو ایک اور دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے اور تراویح میں پورے مہینہ میں ایک۔ اس طرح مہینے بھر میں (۶۱) ختم فرماتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ سلف صالحین کے ذاتی اور شخصی اعمال تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے انکے روزانہ اوقات میں وسعت اور برکت عطا فرمائی تھی، رضی اللہ عنہم مگر شرع شریف نے اپنے متبعین کو جو سہولت بخشی ہے اور اس کو بھی مستحب قرار دیا ہے اس کی وضاحت احادیث شریفہ مندرجہ ذیل سے ہوتی ہے۔

شریعت مطہرہ کی تسہیل و تیسیر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں:۔ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ القرآن فی شھر قلت انی اجد قوۃ قال اقرأہ فی عشر قلت انی اجد قوۃ قال اقرأہ فی سبع ولا تزد علی ذلک۔ (بخاری شریف و مسلم شریف) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم (کا ختم) مہینہ میں (ایک دفعہ) کیا کرو۔ (یعنی روزانہ ایک پارہ) میں نے عرض کیا کہ میں اپنے میں اس سے بھی زیادہ پڑھنے کی طاقت پاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ دس دن میں (ایک ختم) کیا کرو۔ (یعنی روزانہ تین پارے) میں پھر عرض پرداز ہوا کہ میں اس سے بھی زیادہ کی قوت پاتا ہوں۔ اس پر ارشاد مبارک ہوا کہ سات دن میں ایک ختم کیا کرو۔ (یعنی روزانہ ایک منزل) اس پر مزید اضافہ نہ کرنا۔" حضرت سعید بن المنذرؓ فرماتے ہیں:۔ قلت یا رسول اللہ اقرأ القرآن فی ثلاث قال نعم ان استطعت۔ (امام احمدؒ ابوعبید) میں نے

عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا میں تین تین دن میں قرآن کریم کا ختم کیا کروں؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں کر سکتے ہو اگر تم سے ہو سکے“ ان ہر دو احادیث شریفہ کے منجملہ ایک میں عبداللہ بن عمروؓ کو روزانہ ایک منزل سے زیادہ نہ پڑھنے کی ہدایت اور سعید بن المنذرؓ کو روزانہ دس پارے پڑھنے کی اجازت ہر ایک کے حالات کی بنا پر ہے جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذریعہ وحی واقف تھے۔ لہٰذا ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

تلاوت عہد صحابہ کرامؓ میں علامہ سیوطیؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے:۔ ویلیہ من ختم فی اربع ثم فی خمس ثم فی ست ثم فی سبع وھذا اوسط الامور واحسنھا وھو فعل الاکثرین من الصحابۃ وغیرھم (اتقان) (حضرت سعید بن المنذرؓ ہی ایک ایسے صحابی ہوئے ہیں جو تین دن میں ایک ختم فرمایا کرتے تھے ورنہ) ان کے قریب قریب بعض اصحاب وہ تھے جو چار دن میں، بعض پانچ دن میں بعض چھ میں اور بعض سات دن میں قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے ایسا عمل اکثر صحابہ کرامؓ اور تابعین وغیرہم کا تھا۔ یہ تلاوت کا اوسط درجہ اور احسن طریقہ ہے“ کیونکہ اتنی مقدار تلاوت سمجھ بوجھ کر آسانی کے ساتھ جاری رکھی جا سکتی ہے۔ حضرت مکحول تابعیؒ فرماتے ہیں:۔

کان اقویاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأون القرآن فی سبع وبعضھم فی شھر وبعضھم فی شھرین وبعضھم فی اکثر من ذالک

(ابن ابی داؤد) حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوی تر اصحاب ایسے بھی تھے جو قرآن کریم کو ایک ہفتہ میں ختم کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض ایک مہینہ میں ختم کرتے اور بعض دو مہینے یا اس سے زیادہ مدت میں ایک ختم کیا کرتے"

ائمہ دینؒ کے اقوال فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفیؒ سے اس سے بھی زیادہ سہولت مروی ہے چنانچہ فقیہ موصوف لکھتے ہیں:۔ ینبغی للقاری ان یختم فی السنة مرتین ان لم یقدر علی الزیادة۔ (بستان) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کے لئے سزاوار یہ ہے کہ (کم از کم) سال بھر میں دو ختم کیا کرے۔ اگر اس سے زیادہ پڑھنے پر قادر نہ ہو" اس کی تائید میں امام حسن بن زیاد لولویؒ کی روایت نقل کی ہے:۔ عن ابی حنیفةؓ انہ قال من قرأ القرآن فی کل سنة مرتین فقد ادی حقہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض علی جبریل فی السنة التی قبض فیھا مرتین۔ (بستان) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؓ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کریم کو ہر سال دو دفعہ بھی ختم کیا تو اس نے اس کا حق ادا کر دیا۔ کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس سال جس میں آپ کی وفات شریف عمل میں آئی دو دفعہ پورا قرآن کریم سنایا تھا" فقیہ حنفی ابو البرکات نسفیؒ نے اپنی مشہور و معتبر کتاب کنز الدقائق میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ حافظ قرآن کو چاہیے کہ

کم از کم چالیس دن میں ایک ختم کیا کرے۔ ہمارے امام حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔ یکرہ تاخیر ختمہ اکثر من اربعین یوما بلا عذر لان عبد اللہ ابن عمرؓ سأل النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی کم تختم القرآن قال فی اربعین یوما (ابوداؤد شریف) بغیر کسی عذر کے ختم قرآن کو چالیس دن سے زیادہ مدت تک تاخیر میں ڈالنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کتنے دنوں میں ختم فرمایا کرتے ہیں؟ ارشاد ہوا چالیس دن میں۔" امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:۔ المختار ان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص فمن کان یظہر لہ بدقیق الفکر لطائف ومعارف فلیقتصر علی قدر یحصل لہ معہ کمال فہم ما یقرأ وکذلک من کان مشغولا بنشر العلم او فصل الحکومات او غیر ذلک من مہمات الدین والمصالح العامۃ فلیقتصر علی قدر لا یحصل بسببہ اخلال بما ہو مرصد لہ ولا فوات کمالہ وان لم یکن من ہؤلاء المذکورین فلیکثر ما امکنہ من غیر خروج الی حد الملل او الہذرمۃ فی القراءۃ۔ (اتقان) مذہب مختار یہ ہے کہ ختم قرآن کی مدت، لوگوں کے مشاغل اور دیگر مصروفیات کے اعتبار سے جداگانہ ہے۔ دقیق النظر باریک بین اصحاب جن پر لطائف ومعارف منکشف ہوتے ہیں ان کو

اسی حد پر بس کر دینا چاہیئے کہ ان کے کمال فہم میں فرق نہ آنے پائے۔ اسی طرح جو بزرگ اشاعتِ علم یا فصلِ خصومات وغیرہ مہمات اور مصالح عامہ میں مشغول ہوں ان کو بھی اس حد پر بس کر دینا چاہیئے جس سے ان کے مشاغل خلل پذیر نہ ہونے پائیں اور جن سے جو فرائض متعلق ہیں ان کی ادائگی فوت نہ ہو۔ ان کے سوا دوسرے اشخاص حتی کہ حد تک تلاوت میں زیادہ حصہ لے سکتے ہیں اس میں بھی اس کا لحاظ رہے کہ طبیعت اکتا نہ جائے۔ اور نہ محض مقدار معینہ کو ختم کرنے کی خاطر تیز روی اور زود خوانی سے کام لیں بلکہ سمجھ سمجھ کر باطمینان خاطر مشغول تلاوت رہیں۔ بہرحال تلاوت قرآن کریم روزانہ کتنی مقدار میں ہونی چاہیئے شرح شریف میں اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی گئی بلکہ اس کو افراد امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، خواہ روزانہ ایک منزل ہو یا ایک جزو، یا ایک سورہ، یا ایک رکوع، حتیٰ کہ اگر کوئی روزانہ ایک آیہ کریمہ ہی پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ اس کا شمار غافلین میں نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے:۔ بلّغوا عنّی ولو آیۃ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری طرف سے قرآن کریم کی تبلیغ کیا کرو اگرچہ کم از کم ایک آیۃ ہی کیوں نہ ہو" مگر مشورہ یہ ہے کہ روزانہ اس کا سلسلہ جاری رہے۔ اور سال بھر میں کم از کم دو ختم کیا کرے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ ہاں حافظ قرآن کو کم از کم چالیس دن میں ایک ختم ضرور کرنا سزاوار ہے۔ ورنہ بھول جانے کا اندیشہ ہے

قرآن کریم کو یا اس کے کسی جزو کو یاد کرکے بھول جانا یا پڑھنا سیکھ کر پھر بھول جانا گناہ کبیرہ ہے حدیث شریف میں تاکید فرمائی گئی ہے: — تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی بیدہ لھو اشد تفلتا من الابل فی عقلھا (بخاری شریف، مسلم شریف) قرآن کریم کا تحفظ کیا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے قرآن اس سے بھی جلد (لوگوں کے سینہ سے) نکل جاتا ہے جس طرح اونٹ بندھن سے نکل بھاگتا ہے۔"

یہ بھی آیا ہے: — عرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القرآن او آیۃ اوتیھا رجل ثم نسیھا۔ (ابو داؤد شریف) مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں دیکھا کہ کسی کو کوئی سورت یا آیت قرآن کریم کی عنایت ہوئی تھی پھر وہ اس کو بھول گیا۔" یہ ہدایت خوب یاد رہے۔

و باللہ التوفیق۔

آدابِ تلاوت یہ امر مسلم ہے کہ کسی کتاب کو پڑھنا صاحبِ کتاب سے معنوی طور پر ہم کلام ہونا اور ان کی ہم نشینی سے مشرف ہونا ہے لہٰذا صاحبِ کتاب کی منزلت کو پیش نظر رکھنا اور ان کا پاس ادب ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کی مقدس کتاب ہے۔ کوئی کتاب اس کی ہمسری نہیں کر سکتی جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا بڑا ہی سعادت مند ہے اللہ سبحانہ کا

وہ سعید بندہ جو روزانہ کلام پاک کی تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہو۔ تلاوت کلام پاک بھی اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے ہم کلامی اور بارگاہ قدس میں معنوی حاضری ہے۔ لہذا پاس ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا از بس ضروری ہے۔ نظر براں قارئین کرام کی آگاہی کے لئے چند ضروری آداب و احکام بیان کئے جاتے ہیں ہمیشہ ان کو پیش نظر رکھا جائے۔

۱۔ **طہارت قاری** ۔ جن لوگوں پر غسل واجب ہے ان کے لئے اس حالت میں قرآن کریم کو بغیر غلاف کے ہاتھ لگانا یا زبانی تلاوت کرنا حرام ہے۔ البتہ وہ بغیر ہاتھ لگائے دیکھ سکتے اور دل ہی دل میں اس پر غور کر سکتے ہیں، زبان سے نہیں پڑھ سکتے۔ اور جو بے وضو ہوں وہ زبانی پڑھ سکتے ہیں لیکن بغیر غلاف کے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ مستحب یہ ہے کہ زبانی تلاوت بھی با وضو کیا کریں۔ اور مسواک بھی کر لیں۔ حدیث شریف ہے :۔ ان افواھکم طرق للقرآن فطیبوھا بالسواک (ابن ماجہ، بزار) یقین جانو کہ تمہارے منہ قرآن کریم کی راہیں اور گزرگاہیں ہیں لہذا ان کو مسواک سے پاک صاف کرلو"

۲۔ **طہارت مکان** ۔ جس جگہ تلاوت کی جاتی ہو وہ مقام پاک صاف ہو، مسجد سب سے افضل ہے۔ بخور جلانا یا خوشبو کا استعمال کرنا مستحسن ہے۔ نجس اور گندہ مقامات میں تلاوت نہ کریں۔ جیسے حمام، غسل خانے اور مسالخ وغیرہ۔

۳۔ **توجہ الی القبلہ** مستحب ہے کہ تلاوت کے وقت قبلہ رو رہیں۔ دو زانو ہو کر

خشوع وخضوع سکون وخاطر جمعی کے ساتھ بیٹھیں۔ باوقار رہیں۔ بے ضرورت اِدھر اُدھر نہ دیکھیں اور غیر ضروری باتیں نہ کریں۔ دل میں یہ تصور رہے کہ میں باری تعالیٰ شانہ کے حضور میں حاضر اور حق تعالیٰ شانہ سے ہم کلام ہوں۔

۴۔ **تعوذ**۔ تلاوت سے پہلے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھیں۔ ارشاد باری ہے:۔ واذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم اور جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو شیطان رجیم کے شر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔" اگر دوران تلاوت میں کسی سے بات چیت کی گئی یا تلاوت کو روک کر کوئی کام کرنا پڑا تو مستحب یہ ہے کہ دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ کا اعادہ کر لیا جائے۔

۵۔ **تسمیہ**۔ اسی طرح آغاز تلاوت پر تعوذ کے بعد بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ کلّ امرذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللّٰہ فھو ابتر۔ جس کسی قابل لحاظ کام کی ابتدا بسم اللّٰہ سے نہ کی جائے وہ دم بریدہ (ناقص) رہ جاتا ہے۔" نیز ہر سورت شریفہ کی ابتدا میں بھی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے جیسا کہ مصاحف مبارکہ میں قرآن کریم کی ہر سورت شریفہ کے آغاز پر تسمیہ یعنی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم مکتوب ہے۔ البتہ سورۂ برأت میں چونکہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم مکتوب نہیں ہے۔ اس لئے یہاں بسم اللّٰہ نہ پڑھیں لیکن اگر تلاوت کی ابتدا سورت

برائت ہی سے ہو رہی ہو تو یہاں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے۔ البتہ اگر سورۂ برائت سے ابتدا نہ ہو بلکہ سورۂ انفال ختم کر کے اس کے ساتھ ہی سورت برائت شروع کی جا رہی ہے تو بسم اللہ نہ پڑھیں۔

۶۔ **تفخیم** ۔ یعنی قرآن کریم کو مردانہ شاندار آواز سے پڑھیں جیسے کوئی حاکم اعلیٰ حکم دے رہا ہو۔ یا خطیب خطبہ دے رہا ہو۔ سُر کی باریک آواز سے نہ پڑھیں جس سے آواز میں زنانہ پن ظاہر ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ نزل القرآن بالتفخیم (حاکم) قرآن شاندار لہجہ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔"

۷۔ **قراءت بالجہر یا بالسر** ۔ قرآن کریم کی تلاوت بالجہر یعنی دوسروں کو سنائی دینے والی آواز سے پڑھیں یا بالسر یعنی صرف اپنے آپ کو سنائی دے اور دوسروں کو سنائی نہ دے سکے دونوں طریقوں سے موقع و محل کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

ما اذن اللہ لشیئٍ ما اذن لنبیٍّ حسن الصوت یتغنّی بالقرآن یجھر بہ

(بخاری شریف و مسلم شریف) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی چیز سے لطف اندوز ہونے کی اتنی اجازت نہیں دی جتنی کہ ایک نہایت ہی خوش آواز نبی کو قرآن (اللہ کی کتاب) دوسروں کو سنائی دینے والی آواز سے پڑھتے ہوئے لطف اندوز ہونے (اور دوسروں کو اس کا لطف اٹھانے کا موقع دینے) کی اجازت دی ہے۔" یہ حضرت داؤد علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف

اشارہ ہے کہ جب آپ اللہ کی کتاب (زبور شریف) کی تلاوت بالجہر فرماتے تو اطراف کے پہاڑ گونج جاتے اور تاثیر کا یہ عالم ہوتا کہ ہوا اور پانی کی روانی بند ہو جاتی، پرندے اس کو سننے کی خاطر اپنی پرواز چھوڑ دیتے اور ہمہ تن گوش ہو کر محو سماعت ہو جاتے۔ ارشاد باری ہے واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق۔ والطیر محشورۃ کل لہ اواب۔ اور (اے نبی کریم!) ہمارے ایک قوت والے بندے داؤدؑ کو یاد کیجیے وہ تھے (ہمیشہ) رجوع (بحق) رہنے والے۔ ہم نے پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا جو ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کرتے۔ اور پرندوں کو (بھی تابع کر دیا تھا) جو جمع ہو کر (تسبیح خداوندی میں مشغول اور) سب ان کے آگے رجوع رہتے" یہ قرأت جہریہ کا بیان ہوا۔ قرأت سریہ کی فضیلت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: الجاھر بالقرآن کالجاھر بالصدقۃ والمسر بالقرآن کالمسر بالصدقۃ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) سنائی دینے والی آواز سے قرآن کو پڑھنا، علانیہ خیرات کرنے والے کے مانند ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا پوشیدہ طور پر خیرات کرنے والے کی طرح ہے" ظاہر ہے کہ علانیہ خیرات پر چھپی خیرات کو فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: — ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقرآء فھو خیر لکم۔ اگر تم علانیہ خیرات دیا کرو تو یہ بھی اچھی بات ہی ہے اور اگر پوشیدہ طریقہ

اختیار کرو اور محتاجوں کو دیتے رہو تو یہ صورت تمھارے لیے بہت ہی اچھی ہے "

ان دونوں قسم کی روایات کے مدنظر امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جہاں ریا و نمود کا اندیشہ ہو یا مسجد وغیرہ میں نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو یا لوگ کسی کام میں مشغول ہیں یا سونے والوں کی نیند خراب ہوتی ہو تو تلاوت آہستہ کرنا افضل ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقراءۃ فکشف الستر وقال الا ان کلکم مناج لربہ فلا یؤذین بعضکم لبعض ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراءۃ (ابوداؤد) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد شریف میں معتکف تھے صحابہؓ کرام کی آواز سماعت فرمائی کہ زور زور سے تلاوت کر رہے ہیں۔ آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا کہ تم سب اپنے پروردگار سے مناجات کر رہے ہو لہذا کوئی کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور نہ تلاوت میں اپنی آواز دوسروں کی آواز پر بلند کرے " اور جہاں ایسا اندیشہ نہ ہو تو بالجہر تلاوت افضل ہے کہ سامعین کو بھی اس کا اجر ملتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ خود قاری کا دل بھی بیدار رہتا ہے، اور اپنے پڑھے ہوئے پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نیند دفع ہوتی ہے۔ اور طبیعت میں چستی پیدا ہوتی اور تلاوت کا شوق بڑھتا ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ حصہ تلاوت کا بالجہر اور کچھ بالسر ہونا چاہیے، آہستہ

پڑھتے پڑھتے طبیعت اکتا جاتی ہے تو جہر سے مدد لے اور اگر جہر سے پڑھتے پڑھتے تھک جائے تو آہستہ تلاوت جاری رکھ کے تکان دفع کرے۔ بہر حال موقع ومحل کا لحاظ کرکے حسب صوابدید عمل کرے۔

۸۔ **قرأت فی المصحف**۔ یعنی تلاوت کے وقت مصحف شریف کو سامنے رکھ کر اس میں دیکھتے ہوئے تلاوت کریں۔ اگرچہ تلاوت کرنے والا حافظ قرآن ہو۔ اس میں ایک فائدہ ہے کہ دیکھ کر پڑھنے سے کسی غلطی کا احتمال نہیں رہتا اور نہ کوئی حصہ چھوٹنے پاتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مصحف شریف میں نظر کرنا بھی عبادت ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ معانی ومطالب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ زبانی پڑھنے میں یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ حضرت اوس ثقفیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ قراءۃ الرجل من غیر المصحف الف درجۃ وقراءتہ فی المصحف تضاعف الفی درجۃ۔ (طبرانی بیہقی) انسان کا مصحف شریف میں دیکھے بغیر (محض زبانی) پڑھنا ہزار درجہ فضیلت رکھتا ہے اور مصحف شریف میں دیکھتے ہوئے پڑھنا دو ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے۔" یعنی اس کا اجر دگنا ہے۔ یہ بھی آیا ہے:۔ فضل قراءۃ القرآن نظرا علی ما یقرأ ظاھرا کفضل الفریضۃ علی النافلۃ۔ (ابو عبید) قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت اسکو زبانی پڑھنے پر ایسی ہے جیسی کہ فریضہ کی فضیلت نفل پر ہے۔ نیز حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من سرہ ان یحب اللہ ورسولہ فلیقرأ فی
المصحف۔ (بیہقی) جس کو مسرت ہو اس بات کی کہ اس کو خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت
حاصل ہو تو اس کو مصحف شریف میں دیکھ کر تلاوت کرتے رہنا چاہیے"۔ اور حضرت ابن مسعودؓ
نے یہ بھی فرمایا: ادیموا النظر فی المصحف (بیہقی) ہمیشہ مصحف شریف میں نظر کرتے
رہو"۔ ہاں اگر کوئی قرآن کریم کے حفظ کے سلسلہ میں دَور کرتے ہوں تو وہ زبانی پڑھ سکتے ہیں
یا اس کے بغیر بھی زبانی تلاوت کرنا چاہیں تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ بیان مذکور صرف
فضیلت کی حد تک ہے۔

۹۔ ترتیل۔ یعنی قرآن کریم کو سمجھ سمجھ کر اس طرح پڑھنا کہ ایک ایک کلمہ اور اس کا
ایک ایک حرف صاف صاف ادا ہو۔ یہ جب ہوتا ہے کہ حروف کے مخارج اور ان کے صفات
معلوم ہوں اور ان کو صحیح طریقہ پر ادا کیا جائے۔ حروف اور کلمات ایک دوسرے میں
خلط ملط نہ ہونے پائیں۔ جو کچھ پڑھا جا رہا ہے وہ کھلے طور پر صاف صاف سمجھ میں آئے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ربانی ہوا: ورتل القرآن ترتیلا۔
قرآن شریف کو کھول کھول کر صاف صاف پڑھئے"۔ ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: انھا نعتت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءۃ
مفسرۃ حرفاً حرفاً۔ (ابوداؤد) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت شریفہ کو

ام المومنین نے اس طرح تبلایا کہ ایک ایک حرف صاف طور پر سمجھ میں آرہا تھا۔“ حضرت انسؓ سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت شریفہ کی کیفیت دریافت کی گئی کہ آپؐ قرآن کریم کو کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: کانت مدًّا ثُمَّ قرأ

بسم اللہ الرحمن الرحیم یمدّ اللہ ویمدّ الرحمن ویمدّ الرحیم۔

(بخاری شریف) مد کیا کرتے تھے (حروف مدہ کو) جو واوٗ، الف، اور یاء ہیں۔ دراز کرکے پڑھا کرتے تھے۔ پھر (مثال کے طور پر) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر تبلایا کہ اللہ اور رحمٰن (کا الف) دراز کرکے پڑھا کرتے اور رحیم (کی یاء کو بھی) دراز فرماتے۔“ یعنی الف کو دو فتحات کے برابر اور یاء کو دو کسرات کے برابر (اسی طرح واوٗ کو دو ضموں کی مقدار دراز فرماتے۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ ترتیل کا طریقہ قراء کرام سے سیکھنے کی ضرورت ہے تا معلوم ہو کہ ہر حرف کا مخرج کیا ہے اور اس کے صفات کیا کیا ہیں ۔ اور اس کو صحیح طور پر ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ت اور ط میں، ث اور س و ص میں، ح اور ہ میں، خ اور ق میں، ع اور ہمزہ میں کیا فرق ہے اور ان میں سے ہر ایک کو نیز ز اور ذ و ض و ظ میں کس طرح فرق کرنا چاہئے یہ کسی قاری سے سیکھے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ مخارج اور صفات کا سیکھنا ضروری ہے۔ اس کے سوا بھی چند قواعد ہیں ان کا سیکھ لینا بھی مستحسن ہے

اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ چند روز کی توجہ سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ جملہ (۲۸) حروف ہیں اگر کوئی روزانہ ایک حرف کا مخرج اور اس کے صفات ہی سیکھ لے تو مہینہ بھر کے اندر ہی واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ قراء کرام کی کمی نہیں، دکن میں ہمارے عروس البلاد حیدرآباد کو فی زمانہ قراء کرام کی مرکزیت حاصل ہے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۱۰۔ **تدبّر و تفکر**۔ یعنی قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اس کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرنا۔ یہ کام علمائے کرام کا ہے۔ نیز ان اصحاب کا جو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ تلاوت کلام پاک کا یہی مقصود اعظم اور مطلوب اہم ہے۔ اس سے شرح صدر ہوتا اور دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ عز اسمہ کا ارشاد ہے: ــــ

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدّبّروا آیاتہ و لیتذکّر اولوا الالباب۔

(قرآن کریم) وہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور جو عقل مند ہیں وہ اس سے نصیحت لیں" دوسری جگہ ارشاد ہوا: ــ افلا یتدبّرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا۔ کیا یہ لوگ قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل لگا دیے گئے ہیں" کہ اس کی برکت اور نصیحت ان کے دلوں میں اترنے ہی نہیں پاتی؟ اور ایسی بیسیوں آیات ہیں جن کے ذریعہ دعوت غور و فکر دی گئی اور ایسوں کو سراہا گیا ہے۔

آیات کریمہ میں غور و فکر کا طریقہ

آیات کریمہ میں غور و فکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آیۂ کریمہ کے معنی و مطالب پر غور کرتے رہیں اور ان میں جو امر و نواہی آئیں ان کو دل سے قبول کریں اور سوچیں کہ ہم ان کی تعمیل کس حد تک کر رہے ہیں؟ اگر کسی جگہ رحمت کا بیان آئے تو اس سے خوش ہوں اور اس کی درخواست کریں۔ اور اگر عذاب کا ذکر ہو تو اس سے ڈرتے رہیں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈیں' باری تعالیٰ کی تنزیہ بیان ہو رہی ہے تو خود بھی تنزیہ کا اقرار کریں۔ عظمت باری کا بیان ہو تو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کو پیش نظر رکھیں۔ کوئی دعا ہو تو تضرع و زاری کا اظہار کریں اور اسکے طالب ہوں۔

حضور اقدسؐ کی قرأت سے سبق

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔ صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فافتتح البقرۃ فقرأھا ثم النساء فقرأھا ثم آل عمران فقرأھا یقرأ مترسلاً اذا مر بآیۃ فیھا تسبیح سبح واذا مر بسؤال سأل واذا مر بتعوذ تعوذ (مسلم شریف) ایک رات حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ساتھ میں نے نماز (تہجد) پڑھی۔ آپ نے (سورۂ فاتحہ ختم کرکے) سورۂ بقرہ شروع فرمایا پھر (پہلی رکعت میں) اس کو ختم فرما دیا۔ پھر (دوسری رکعت میں) سورۂ نساء پڑھنا شروع کیا اس کو بھی ختم فرمایا۔ (دوسرے

دوگانے ہیں) سورۂ آل عمران شروع کیا اس کو بھی ختم فرمایا۔ آپ کی قرأت دھیرے دھیرے ہوتی تھی۔ جب کسی آیت میں تسبیح ہوتی تو آپ سبحان اللہ فرماتے۔ اور کسی درخواست کی تلقین ہوتی تو آپ درخواست فرماتے۔ کہیں پناہ مانگنے کا بیان ہوتا تو آپ اللہ سبحانہٗ کی پناہ لیتے۔" حضرت عوف بن مالکؓ کا بیان ہے:۔ قمت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لا یمر بآیۃ رحمۃ الا وقف وسأل ولا یمر بآیۃ عذاب الا وقف وتعوذ (ابوداؤد' نسائی' وغیرہما) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک رات (تہجد کے لئے) میں اٹھا۔ تو آپ نے (نماز کے لئے) قیام فرمایا (اس میں) آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی (حالت یہ تھی کہ) آپ کوئی آیت کریمہ پڑھتے جس میں رحمت کا بیان ہوتا تو آپ توقف فرماتے اور اس کی درخواست کرتے۔ (اسی طرح) کوئی آیت عذاب ہوتی تو اس پر بھی وقفہ فرماتے اور پناہ مانگتے۔" نوافل میں آپ کا یہ عمل تھا۔ ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ فرض نمازوں میں ایسا عمل مقتدیوں پر گرانی کا موجب ہوتا ہے اور گرانی پیدا کرنا مکروہ ہے۔

چند مخصوص سورتوں کی قراءت کا ادب

ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من قرأ والتین والزیتون فانتھی الی آخرھا فلیقل بلی وانا علی ذلک من الشاھدین

ومن قرأ لا اقسم بیوم القیامۃ فانتھی الی آخرھا الیس ذلك بقادر علی
ان یحیی الموتی فلیقل بلی ومن قرأ والمرسلات فبلغ فبای حدیث
بعدہ یؤمنون فلیقل آمنا باللہ ۔ جو کوئی والتین والزیتون کی سورت
پڑھے اور اس کے آخر میں (الیس اللہ باحکم الحاکمین پر) پہنچے (جس میں یہ سوال ہوا
ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کیا تمام حاکموں کا حاکم اعلیٰ نہیں ہے؟) تو اس کا یوں جواب دینا
چاہئے بلی وانا علی ذلك من الشاھدین ۔ کیوں نہیں اور میں بھی اس پر گواہی
دینے والوں سے ہوں ۔ اور جو سورۂ لا اقسم بیوم القیامۃ پڑھے اور اس کی آخری
آیۂ کریمہ الیس ذلك بقادر علی ان یحیی الموتی پر پہنچے (جس میں دریافت فرمایا
جا رہا ہے کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟) تو اس کو جواباً یوں کہنا چاہئے :۔
بلی ۔ کیوں نہیں؟ (پوری طرح قادر ہے) ۔ اور جو سورۂ والمرسلات پڑھے اور اسکی
آخری آیت فبای حدیث بعدہ یؤمنون پر پہنچے (جس میں استفسار فرمایا جا رہا
ہے کہ یہ لوگ پھر کس بات پر ایمان لائیں گے؟) تو جواب میں یوں کہنا چاہئے :۔
آمنا باللہ ۔ ہم تو اللہ سبحانہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے" اسی طرح سورۂ فاتحہ کے ختم پر
آمین کہے ۔ بعض روایات میں آمین تین دفعہ کہنا بھی آیا ہے ۔ ایک روایت میں
رب اغفرلی آمین کہنا بھی وارد ہوا ہے اگر تلاوت خارج نماز کی جا رہی ہو تو ان

روایات کی بموجب بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ بقرہ کا اختتام چونکہ سورۂ فاتحہ کی طرح دعا پر ہوا ہے اس کے ختم پر بھی آمین کہیں۔

۱۱۔ تکریر۔ دوران تلاوت میں کسی آیہ کریمہ کے پڑھنے سے دل پر اثر ہو اور اس کو بار بار پڑھنے کو جی چاہے تو مضائقہ نہیں کہ اس کو دھرا یا جائے۔ جیسے سورۂ بقرہ کے آخر پر واعف عنا واغفر لنا وارحمنا کو عام طور پر دہرایا جاتا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام بآیۃ یرددھا حتی اصبح ان تعذبھم فانھم عبادک۔ (نسائی شریف وغیرہ) حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ (تہجد میں سورۂ مائدہ کی آیہ کریمہ) ان تعذبھم فانھم عبادک پر پہنچے تو اس کو بار بار دہراتے رہے تا آنکہ صبح ہو گئی۔" اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ (بار الہا!) اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دینا چاہیں تو وہ آپ کے بندے ہی ہیں (جو چاہیں ان کے ساتھ سلوک فرما سکتے ہیں) اور اگر آپ ان کو بخش دیں (تو یہ بھی آپ کی رحمت و مغفرت سے بعید نہیں) کیونکہ آپ سب پر غالب اور حکمت والے ہیں۔"

۱۲۔ تضرع وزاری۔ تلاوت قرآن کریم کی حالت میں تضرع وزاری سے کام لینا بھی مستحب ہے۔ کیونکہ کتنے احکام و اوامر ہیں جن کی ہم نے خلاف ورزی

ہوئی۔ اور ایسے کتنے نواہی ہیں جن کا ارتکاب کیا گیا۔ ان میں سے جن اوامر و نواہی وغیرہ کا بیان فرمایا جا رہا ہے ان کی تلاوت کرتے ہوئے فطری امر ہے کہ رقت طاری ہو گی اسی طرح اگلی اقوام پر جو عذاب نازل ہوا اس کو پڑھ کر بے اختیار آنسو رواں ہوں گے۔ ایسے مواقع پر اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالینی مستحب ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو زاری پسند ہے اور زاری کرنے والوں کی ثنا فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے:— اذا تتلی علیھم آیات الرحمن خرّوا سجّدا و بکیّا۔ جب ان پر (خدا سے) رحمن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں" سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:— یخرّون للاذقان یبکون و یزیدھم خشوعا۔ (آیات اللہ پڑھ کر) وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے جاتے ہیں اور ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا جاتا ہے" صحیحین کی حدیث شریف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کریم سنانے کی فرمائش فرمائی۔ انھوں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچے:— فکیف اذا جئنا من کلّ امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلآء شھیدا۔ یعنی وہ وقت کیسا ہوگا جبکہ ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ لائیں گے اور آپکو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے؟

تو ابن مسعودؓ نے حضور اقدسؐ کی طرف نظر کی کیا دیکھتے ہیں :۔ فاذا عیناہ تذرفان۔ اس وقت چشمان مبارک رواں تھیں" حضرت سعد بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ انّ ھذا القرآن نزل بحزن وکآبۃ فاذا قرأتموہ فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ (بیہقی فی الشعب) یقین جانو کہ یہ قرآن حزن اور درد کو لئے ہوئے اترا ہے۔ لہذا جب تم اس کی تلاوت کرو تو روتے جاؤ۔ پھر اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ" ایک حدیث شریف میں آیا ہے :۔ احسن الناس قرأۃ من اذا قرأ القرآن قرأ یتحزن۔ (طبرانی) سب لوگوں میں اچھی قراءت اس کی ہے جو قرآن کریم پڑھتا ہے تو محزون ہو کر پڑھتا ہے"

۱۳۔ حسن الصوت یعنی قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔ حدیث شریف ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ زیّنوا القرآن باصواتکم (ابن حبان وغیرہ) قرآن کریم کو اپنی (خوش آوازی) سے زینت دو" اور دوسری حدیث شریف ہے :۔ حسنوا القرآن باصواتکم فانّ الصوت الحسن یزید القرآن حسنا۔ (دارمی) قرآن کریم میں اپنی اچھی آوازوں سے حسن پیدا کرتے رہو کیونکہ خوش آوازی قرآن کریم کے حسن میں اضافہ کرتی ہے" اور ایک حدیث شریف ہے :۔ حسن الصوت زینۃ القرآن۔ (بزاز وغیرہ) خوش آوازی

قرآن کی زینت اور آراستگی ہے"۔ اس بارے میں احادیث صحیحہ بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ اگر کسی کی آواز اچھی نہیں ہے تو جتنا ہو سکے خوش آوازی پیدا کرنے کی کوشش کرے بھونڈے اور کریہ آواز سے قرآن کریم کی تلاوت مناسب نہیں۔ حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔ ؎

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

تحسین صوت کا طریقہ تحسین صوت کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے مجالس میں شریک ہوا کرے جس میں قراء خوش الحان اپنی قراءت سناتے ہیں یا کسی خوش الحان قاری سے ملاقات ہو تو ان سے سنتا رہے۔ چند روز کے فیضان صحبت سے یہ دولت انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہو جائے گی۔ سیکھنے سے ہر کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کوشش کرے کہ تلاوت کلام پاک عربی لہجہ کے ساتھ ہوا کرے۔ حدیث شریف ہے:

اقرأوا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل الکتابین واهل الفسق فانه سیجیئ اقوام یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والرهبانیة لایجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من یعجبهم شانهم۔ (طبرانی بیہقی) قرآن کریم کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں سے پڑھا کرو اور یہود و نصاریٰ اور اہل فسق کے لہجوں سے بچتے رہو کیونکہ ایسی اقوام بھی آئینگی

جو گانے والوں اور جوگیوں کی طرح، قرآن کریم کو اتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھا کریں گی۔ قرآن ان کے حلق کے نیچے بھی اترنے نہ پائے گا۔ ان کے دل، اور ان کے دلدادہ لوگوں کے دل، ایسی ہی قرارت پر فریفتہ رہیں گے"۔ راگنیوں اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھنے میں زبر کی جگہ الف، زیر کی جگہ یاء اور پیش کی جگہ واؤ پیدا ہوجاتا ہے اور زیادہ کشش سے مد کی صورت آجاتی ہے جس سے معنی بدلتے بلکہ بگڑ جاتے ہیں اور نماز ہی فاسد ہوجاتی ہے اور بعض صورتوں میں کفر لازم آتا ہے نعوذ باللہ منہ۔ اس سے بچنا چاہیے۔ عربی لہجہ اور عرب کے طریق پر پڑھنا چنداں مشکل نہیں۔ فی زمانہ ریڈیو کی ایجاد سے گھر بیٹھے اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ممالک عربیہ اور تمام اسلامی ممالک سے روزانہ صبح و شام قرارت قرآن کریم نشر ہوتی ہے بلکہ یوروپین ممالک بھی مسلمانوں کی خاطر اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ اوقات معین ہیں۔ ان معینہ اوقات میں پانچ دس منٹ قرآن کریم سنتے رہیں تو ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ مقامی طور پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی خوش الحان قاری سے سنا کریں۔ یا مجالس قرارت منعقد کر کے مستفید ہوں۔

۴۔ تلاوت کے اوقات ۔ قراءت قرآن کریم کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ جب چاہیں یہ سعادت حاصل کرسکتے ہیں لیکن افضل تر یہ ہے کہ تلاوت نماز میں ہو یہ شرف و امتیاز حفاظ کے لئے ہے۔ یہ نہ ہوسکے تو رات میں، رات کے بھی نصف اخیر میں۔ نیز

نیز مغرب وعشا کے درمیان بھی مستحب ہے۔ تلاوت دن میں ہو تو فجر کے بعد یہ اوقات فضیلت کے ہیں۔ اس کے علاوہ جب چاہیں پڑھیں۔ کوئی تحدید نہیں۔ دنوں کے اعتبار سے عرفہ کا دن، جمعہ، دوشنبہ، پنجشنبہ اور عشرات (یعنی دہے) کے لحاظ سے رمضان شریف کا آخری دہا، اور ذی الحجہ کا پہلا دہا۔ اور مہینوں کے اعتبار سے شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ یعنی رمضان شریف کا مہینہ جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔" حضرت جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت شریف تھی کہ آپ شب جمعہ سے تلاوت آغاز فرماتے اور شب پنجشنبہ میں ختم فرماتے۔ (ابن ابی داؤد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔ اذا وافق ختم القرآن اول اللیل صلت علیہ الملائکۃ حتی یصبح وان وافق ختمہ اول النھار صلت علیہ الملائکۃ حتی یمسی۔ (دارمی) قرآن کریم کے ختم کا اتفاق، اول شب میں ہو تو فرشتے صبح ہونے تک اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر دن کے اول وقت میں اس کا اتفاق ہو تو شام ہونے تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔" لہذا ان اوقات کو بھی غنیمت جانیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے:۔ یستحب الختم فی الشتاء اول اللیل وفی الصیف اول النھار۔ موسم سرما میں قرآن کریم کا ختم اول شب میں، اور موسم گرما میں دن کے اول وقت مستحب ہے۔" اس کا بھی خیال رکھنا

مناسب ہے۔ حضرت انسؓ کی عادت تھی کہ آپ جب قرآن کریم کا ختم فرماتے تو اپنے اہل و عیال کو جمع فرماتے اور دعا کرتے۔ (طبرانی) حضرت حکم بن عتیبہؒ فرماتے ہیں:۔ ارسل الیّ مجاهد وعنده ابن ابی امامة وقالا انا ارسلنا الیك لانا اردنا ان نختم القرآن والدعاء یستجاب عند ختم القرآن (ابن ابی داؤد) امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے آدمی بھیجکر مجھے بلوایا اس وقت ان کے پاس ابن ابی امامہ بھی موجود تھے۔ جب میں آیا تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو اس لئے بلوایا کہ ہم قرآن کریم ختم کر رہے ہیں (اس مبارک موقع پر آپ بھی شریک رہیں کیونکہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے" حضرت مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے:۔ کانوا یجتمعون عند ختم القرآن ویقول عنده تنزل الرحمة۔ (ابن ابی داؤد) صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے ختم کے موقع پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس موقع پر رحمت نازل ہوتی ہے" سلف صالحین ختم کے دن روزہ بھی رکھتے تھے۔ یہ بھی سنت ہے کہ قرآن کریم جب ختم ہو تو دوسرے ختم کا آغاز کر دے۔ حدیث شریف ہے:۔ احب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل۔ (ترمذی شریف وغیرہ) "اللہ سبحانہ تعالیٰ کو وہ عمل بہت ہی پسندیدہ ہے کہ ایک کو ختم کر کے ساتھ ہی دوسرا شروع کر دے" فارغ ہو کر نہ بیٹھ جائے۔ اس کا طریقہ اس حدیث شریف میں بتلایا گیا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ

قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثمّ قرأمن البقرۃ الی واولئک ھم المفلحون ثم دعا بدعاء الختمۃ ثم قام۔ (دارمی) حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی عادت شریفہ تھی کہ تلاوت فرماتے ہوئے جب آپ قل اعوذ برب الناس کی تلاوت بھی فرمالیتے تو دوسرا سلسلہ سورۂ فاتحہ سے آغاز فرماتے اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کریمہ واولئک ھم المفلحون تک پڑھتے پھر ختم قرآن کی دعا پڑھ کر برخاست فرماتے"

۱۵۔ دعا بوقت ختم تلاوت۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ختم کرے تو خاتمہ پر دعا کرے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا ارشاد مبارک ہے:۔ من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ (طبرانی) جس نے قرآن کریم ختم کیا اس کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے" حضرت مجاہد کا قول بھی اوپر مذکور ہوچکا ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی اور رحمت نازل ہوتی ہے۔ یہ تو پورا قرآن ختم کرنے کی صورت میں ہے۔ باقی تلاوت قرآن کریم جب کبھی کی جاتی ہے سنت یہ ہے کہ دعا کریں اور فاتحہ مروجہ پڑھا کریں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ختمی مآب مہبط وحی وکتاب علیہ صلوات اللہ وسلامہ الی یوم الحساب کا ارشاد گرامی ہے:۔ من قرأ القرآن وحمد الرب وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستغفر ربہ فقد

طلب الخاير مكانه ۔ (بیہقی) جس نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کی بے شک اس نے بر موقع ہر قسم کی بھلائی مانگ لی۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ فاتحہ و اخلاص سے بہتر اور کونسی حمد و ثنا ہو سکتی ہے پھر اس کے ساتھ درود شریف بھی پڑھے اور استغفار کرے یعنی دعائے مغفرت کرے تو اس کی قبولیت میں کیا کلام رہا۔ فاتحہ مروجہ بھی یہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

اللّٰھم صلّ علی سیّدنا ومولانا محمّد وعلی آل سیّدنا ومولانا محمّد کما صلّیت علی سیّدنا ابراھیم وعلی آل سیّدنا ابراھیم انّک حمید مجید اللّٰھم بارک علی سیّدنا ومولانا محمّد وعلی آل سیّدنا ومولانا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل سیدنا ابراھیم انّک حمید مجید السلام علیک ایّھا النبیّ الکریم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ۔ اشھد ان لآ الٰہ الّا اللہ

وحدہ لاشریک لہ واشہد ان سیدنا محمدا عبدہ
ورسولہ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبسیدنا
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا ورسولا وبالقرآن
اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین کلھم اخوانا
اللھم لک الحمد علی ذلک خلقتنی وعلی ذلک
احییتنی وعلی ذلک احیینی وعلی ذلک امتنی وعلی
ذلک ابعثنی وانت راض عنی بکرمک یا اکرم الاکرمین
وبرحمتک یا ارحم الراحمین ۔ آمین ثم آمین ۔

ربِّ یسّر ولا تعسّر وتمّم بالخیر یا فتاح وبک نستعین

سورۂ فاتحہ

مکۂ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں سات آیتیں ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اسمائے شریفہ

سورۂ فاتحہ کے اسمائے شریفہ بکثرت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ احادیث شریفہ میں جتنے اسماء سورۂ فاتحہ کے وارد ہوئے ہیں اور کسی سورۃ شریفہ کے وارد نہیں ہوئے۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔ وقد وقفت لھا علی نیف وعشرین اسما وذلک یدلّ علی شرفھا لانّ کثرۃ الاسماء دالّۃ علی شرف المسمیٰ۔ میں جہاں تک واقف ہو سکا اس کے نام بیس سے زاید ہیں اور یہ اس کے شرف اور فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ ناموں کی کثرت ان کے مسمیٰ کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ وہ اسمائے شریفہ حسب ذیل ہیں:۔

فاتحۃ الکتاب، فاتحۃ القرآن، امّ الکتاب، امّ القرآن، قرآن عظیم، سبع مثانی، وافیہ، کنز، کافیہ، اساس، نور، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر، سورۃ الحمد الاولیٰ، سورۃ الحمد القصریٰ، راقیہ، شفاء، شافیہ، صلاۃ، سورۃ الصلاۃ، سورۃ الدعاء، سورۃ السوال،

سورۃ تعلیم المسئلہ، سورۃ التفویض، سورۃ المناجات ــــ بعض اہل علم نے سورۂ فاتحہ کے (۵۵) اسمائے شریفہ بتلائے ہیں ۔ واللہ اعلم۔

سورۂ فاتحہ مکیہ ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ، مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اور حضرت ابو ہریرۃ رض سے بھی اسی طرح مروی ہے۔لیکن امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ اور اکثر صحابۂ کرام رض سے مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ بعض اصحاب کا قول ہے کہ سورۂ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوا ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ منورہ میں۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی چند آیات کریمہ مکہ مکرمہ میں اور چند مدینۂ منورہ میں نازل ہوئیں۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہ آخری دو اقوال، روایات بالا میں تطبیق دینے اور دونوں کو جمع کرنے کے سلسلہ میں ہیں لیکن اکثر روایات اس سورت شریفہ کے مکی ہونے کے باب میں ہیں ۔ اسی بنا پر مصاحف شریفہ اور کتب تفاسیر میں عام طور پر سورۂ فاتحہ کو مکیہ لکھا ہے لہٰذا ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ! واللہ اعلم۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل ومناقب

سورۂ فاتحہ تمام کتب الٰہیہ کا جامع ہے سورۂ فاتحہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ اور اس بارے میں احادیث شریفہ بکثرت وارد ہوئی ہیں از انجملہ ہم یہاں چند روایات نقل کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — الحمد للہ رب العالمین ام القرآن وام الکتاب
والسبع المثانی ۔ (بخاری، دارمی، ابوداؤد، ترمذی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ)
سورۃ الحمد، اصل قرآن، اصل کتاب، اور سات آیات والی سورت ہے جو (ہر دوگانہ میں)
دو دفعہ پڑھی جاتی ہے۔" یعنی کوئی رکعت اس سے خالی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے
کہ سورۂ فاتحہ بطور متن کے ہے اور پورا قرآن کریم گویا اس کی شرح ہے۔ حضرت حسن بصریؒ
فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: — من قرأ الفاتحة فكأنما
قرأ التوراة والانجيل والزبور والفرقان ۔ (ابوعبید) جس نے سورۂ فاتحہ
پڑھا گویا اس نے توریت، انجیل، زبور اور فرقان حمید کو پڑھ لیا۔" اور حضرت حسن بصریؒ
نے یہ بھی فرمایا: — انزل الله مائة واربع كتب اودع علومها اربعة منها
التوراة والانجيل والزبور والفرقان ثم اودع علوم التوراة والانجيل
والزبور الفرقان، ثم اودع علوم القرآن المفصل، ثم اودع المفصل
فاتحة الكتاب فمن علم تفسيرها كان كمن علم تفسير جميع الكتب المنزلة ۔
(بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں۔ پھر ان کے تمام مضامین چار
کتابوں، توریت، انجیل، زبور اور فرقان حمید میں ودیعت فرمائے۔ پھر توریت، انجیل،
زبور کے مضامین و معانی فرقان حمید میں ودیعت رکھے۔ پھر اس کے تمام علوم مفصلات میں

(یعنی طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل ہیں) ودیعت کئے۔ پھر مفصلات کو سورۂ فاتحہ میں سمو دیا۔ اس کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر دریافت کرلی گویا اس نے تمام آسمانی کتابوں کی تفسیر معلوم کرلی۔" بعض اصحاب نے یہاں تک لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے تمام مضامین تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں سمو دئے گئے ہیں اور پوری تسمیہ شریفہ کے جملہ مضامین بسم اللہ کی با، بلکہ اس کے نقطہ میں مندرج و مندمج ہیں اس میں بظاہر مبالغہ نظر آتا ہے لیکن غور و فکر سے کام لیا جائے تو اس میں مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عرض فقیر اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ درخت نام ہے جڑوں، تنہ، شاخوں، پتوں پھول، پھل کا جس میں پوست، رنگ، بو، ذائقہ، افعال و خواص، سایہ، خنکی وغیرہ سامان مسرت سب کچھ ہے اور وہ پیدا ہوتا ہے تخم سے۔ اور تخم کے بارے میں کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ مذکورۃ الصدر تمام چیزیں اس میں مندرج و مندمج ہیں۔ اسی طرح انسان جس میں گوشت، پوست، ہڈی، رگ پٹھے، دل، دماغ، جگر، آنتیں، جلد، بال، خون، بلغم سودا، صفرا، حرارت، برودت، رطوبت، یبوست، حواس خمسہ ظاہری اور حواس باطنی اور سب سے بڑھ کر روح، اور کیا کیا صفات اس میں ودیعت فرمائے گئے ہیں جن کی بدولت کائنات سفلی و علوی کا ادراک کرتا اور خداداد عقل و فہم کے ذریعہ

علم و حکمت کے دریا بہاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو انسان کا نقطۂ آغاز قطرۂ آب ہے۔ حضرت باب مدینۃ العلم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں: ؎

دواءُک فیک وما تبصر ودآؤک منک وما تشعر

وتزعم انّک جرم صغیر وفیک انطوی العالم الاکبر

(اے انسان!) تیری دوا اور علاج تجھی میں ہے اور تیری بیماری بھی تجھی سے پیدا ہوئی ہے۔ تو خیال کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے حالانکہ تجھ میں ایک بڑا عالم سما گیا ہے۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ انسان پر ہی کیا موقوف و منحصر ہے۔ کائنات کے ایک ایک ذرے کا یہی حال ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

سورۂ فاتحہ کی عظمت و مرتبت

حضرت ابوسعید بن المعلّیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ کنت اصلّی فدعانی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فلم اجبہ فقال الم یقل اللہ استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم ثم قال لاعلّمنّک اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان تخرج من المسجد فاخذ بیدی فلما اردنا ان نخرج قلت یا رسول اللہ انّک قلت لاعلّمنّک اعظم سورۃ فی القرآن قال الحمد للہ ربّ العالمین ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ۔

(امام احمدؒ بخاریؒ دارمیؒ ابوداؤدؒ نسائیؒ ابن جریرؒ ابن حبانؒ ابن مردویہؒ بیہقیؒ) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آواز دی (چونکہ میں نماز میں تھا اس لئے) آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہہ سکا۔ (فوراً نماز ختم کرکے حاضرِ خدمت ہوا تو) ارشاد فرمایا کیوں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے کہ جب تم کو خدا اور رسول طلب فرمائیں تو تم ان کی دعوت کو قبول کیا کرو۔ (میں نے عرض کیا بے شک یہی حکم ہے) پھر ارشاد ہوا میں تم کو قرآن کریم کی ایک سورت بتاؤں گا جو بڑی ہی باعظمت ہے پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے میں نے اس سورۃ کی یاددہی کی۔ فرمایا الحمد للہ رب العالمین، (یعنی وہ سورت سورۂ فاتحہ ہے) یہی سبع مثانی اور باعظمت قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔"

سورۂ فاتحہ جیسا کوئی سورہ کتب الٰہیہ میں نہیں

حضرت اُبَی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما انزل اللّٰہ فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثل امّ القرآن وھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیت وھی مقسومۃ بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل۔ (دارمیؒ ترمذیؒ بروایت حسن، نسائیؒ عبداللہ بن احمدؒ ابن الضریسؒ ابن جریرؒ ابن خزیمہؒ حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کوئی سورت نازل نہیں فرمائی نہ توریت شریف میں نہ انجیل مقدس میں، نہ زبور پاک میں اور نہ خود فرقان حمید میں،

الیسی جوامّ القرآن (سورۂ فاتحہ) کے مثل ہو۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا اور (حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) یہ سورت شریفہ (فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم شدہ ہے۔ اور میرے بندے کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کو وہ مانگے" یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنے والے کو میں اس کی منہ مانگی مراد دوں گا۔

سورۂ فاتحہ نور ہے اور اس کا ایک ایک حرف مقبول ہے

حضرت حبرالامہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: —

بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس عندہٗ جبریل اذ سمع نقیضا من السماء من فوق فرفع جبریل بصرہ الی السماء فقال یا محمدؐ ھذا ملك قد نزل ولم ینزل الی الارض قط قال فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسلّم علیہ فقال ابشر بنورین قد اوتیتھما ولم یوتھما نبی قبلك فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ لن تقرأ حرفا منھما الا اوتیتہ۔

(مسلم، نسائی، ابن حبان، طبرانی، حاکم) ایک وقت حضور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام بھی تھے۔ ایسے میں ایک آواز اوپر سے کوئی چیز ٹوٹ کر گرنے کی سی سنائی دی فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی نظر اٹھا کر دیکھا اور عرض کیا اے سراپا حمد کئے ہوئے نبی! یہ ایک فرشتے کے اترآنے کی آواز ہے جو کبھی زمین پر اترا نہ تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ فرشتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ اور کہنے لگا آپ کو بشارت ہو کہ آپ کو دو نور ایسے دئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دئے گئے۔ ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیات (آمن الرسول سے ختم سورۃ تک) ان دونوں کا ایک ایک حرف پڑھتے جائیے اور اس کا صلہ لیتے جائیے۔"

سورۂ فاتحہ سے بچھو کاٹے کا علاج

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ وثلاثین راکبا فنزلنا بقوم من العرب فسألنا هم ان یضیفونا فابوا فلدغ سید هم فاتونا فقالوا فیکم احد یرقی من العقرب فقلت نعم انا ولکن لا افعل حتی تعطونا شیئا قالوا فانا نعطیکم ثلاثین شاۃ فقال فقرأت علیها الحمد سبع مرات فبرأ فلما قبضنا الغنم عرض فی انفسنا منها فکففنا حتی اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرنا ذلک له فقال اما علمت انها رقیۃ اقتسموها واضربوا الی معکم بسهم۔ (ابو عبید، امام احمدؒ، بخاری، مسلمؒ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس سواروں کی ہماری ایک جمعیت کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ ہم عرب کی ایک قوم میں اترے اور ان سے ہم نے فرمائش کی کہ ہم کو اپنا مہمان بنالیں۔ مگر انھوں نے انکار کیا۔ اتنے میں ان کے

سردار کو بچھو کاٹا۔ اب وہ ہم سے دریافت کرنے لگے کہ تم میں کوئی بچھو کا عمل جانتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں نہ پڑھوں گا تا آنکہ تم لوگ اس کا صلہ نہ دیں۔ انھوں نے کہا ہم تیس بکریاں دیں گے۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس پر سات دفعہ سورۃ الحمد پڑھا (خدا کے فضل سے) وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ جب وہ بکریاں ہمارے قبضہ میں آ گئیں تو ان کی نسبت ہم کو تردد لاحق ہوا چنانچہ ہم نے ان سے ہاتھ روک لیا۔ تا آنکہ ہم حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ سورۂ فاتحہ عمل ہے؟ لہٰذا ان بکریوں کو آپس میں بانٹ لو اور اپنے ساتھ (اس میں) ہمارا بھی ایک حصہ لگا دو۔"

سورۂ فاتحہ تریاق ہے

[redacted] ابو سعید خدریؓ سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاتحۃ الکتاب شفاء من السم۔ (سعید بن منصورؒ، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ فاتحہ سے زہر اتر جاتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ تریاق ہے اس سے ہر قسم کا زہر باذن اللہ دفع ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت آئی ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے بچھو کا اثر دفع ہو گیا تھا۔ اس میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا

کتاب اللہ۔ (امام احمدؒ، بخاری، بیہقی) کسی عمل کی اجرت لینے کے تم لوگ زیادہ حق رکھنے ہو جو کتاب اللہ سے کیا جائے۔" ممکن ہے کہ یہ واقعہ وہی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔"

سورۂ فاتحہ سے مجنون کا علاج

حضرت خارجہ بن الصلت تمیمی اپنے چچا کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:۔ انه اتی النبی صلی اللہ علیه وسلم ثم اقبل راجعا من عنده فمر علی قوم عندهم رجل مجنون موثق بالحدید فقال اهله عندك ما تداوی به هذا فان صاحبکم قد جاء بخیر قال فقرأت علیه فاتحة الکتاب ثلاثة ایام فی کل یوم مرتین غدوة و عشیة اجمع بزاقی ثم اتفل فبرأ فاعطونی مائة شاة فاتیت النبی صلی اللہ علیه وسلم فذکرت ذلك له فقال کل فمن اکل برقیة باطل فقد اکلت برقیة حق۔ (امام احمدؒ، ابو داؤد، نسائی، ابن السنی، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) خارجہ بن الصلت کے چچا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے پھر آپ کے پاس سے لوٹ کر ایک قوم کے پاس سے گزرے تو وہاں ایک مجنون کو دیکھا کہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اُن لوگوں نے ان سے کہا کیا آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟ کیونکہ آپ کے پیغمبر صاحب بہت ساری بھلائیاں اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ

میں اس شخص پر تین دن تک روزانہ دو دفعہ صبح و شام سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرتا رہا اس طرح کہ آبِ دہن کے کچھ ریزے خارج ہو کر اس پر گرتے تھے۔ پس وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ ان لوگوں نے (خوش ہو کر) مجھے ایک سو بکریاں دے دیں۔ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور سارا قصہ عرض کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا تم ان بکریوں سے استفادہ کرو۔ اور لوگ تو جھوٹا عمل کر کے رزق کماتے ہیں اور تم نے سچا عمل کر کے اپنی روزی کمائی ہے۔"
قرآن کریم کو روزی کا ذریعہ بنانا شرعاً منع ہے مگر دوا یا علاج کی صورت ہو تو علاج کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے یہ معاوضہ علاج کا ہے قرآن کریم کا نہیں قرآن کریم کا صلہ بجز اللہ سبحانہ کے کون دے سکتا ہے

سورۂ فاتحہ سے مرگی کا علاج

حضرت ابو سلیمانؓ فرماتے ہیں:۔ مرّ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض غزوهم علی رجل قد صرع فقرأ بعضهم فی اذنه بامّ القرآن فبرأ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هی امّ القرآن وهی شفاء من کل داء۔ (ثعلبی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب کا گزر کسی غزوہ میں ایک شخص پر ہوا جو صرع (مرگی) کے مرض میں مبتلا تھا۔ ان میں سے کسی صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کے کان میں دم کیا۔ وہ اچھا ہو گیا۔ (انھوں نے یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمع ہمایوں تک پہنچایا) آپ کا ارشاد ہوا کہ سورۂ فاتحہ ام القرآن ہے اور یہ ہر مرض کی دوا ہے۔" حضرت

عبدالملک بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء۔ (دارمی، بیہقی بسند رجالہ ثقات) کتاب اللہ کا ابتدائی سورۃ (سورہ فاتحہ) ہر بیماری (کے لئے) شفا بخش ہے۔"

فاتحہ مروجہ سے ہر آفت کا دفعیہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اذا وضعت جنبک علی الفراش وقرأت فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد امنت من کل شیئ الا الموت۔ (بزار بسند ضعیف) جب تم اپنا پہلو بستر پر رکھو اور سورۂ فاتحہ و اخلاص پڑھ لو تو ہر چیز سے امان پاؤ گے موت کے سوا۔" انسان سوتا ہے تو اس کو سانپ بچھو، دشمن، درندہ، ہر چیز کا ڈر لگا رہتا ہے۔ نیز بیماری یا اور کسی آفت کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ فاتحہ مروجہ یعنی سورہ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ لینے سے ہر قسم کا خوف اور اندیشہ دفع ہوتا اور امن و عافیت کے ساتھ رات گزارنے کا موقع مل جاتا ہے اور کیا چاہئے؟ رہی موت، اس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ وہ اپنے وقت مقرر پر آکر رہے گی۔ اس سے ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟ پھر جب انسان سورۂ فاتحہ و اخلاص پڑھ کر سو رہا ہے اور اسی حالت میں اس کا وقت اخیر آپہنچا تو خاتمہ بخیر ہوا خصوصاً ایسی حالت میں کہ دیگر احادیث صحیحہ سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

سورۂ فاتحہ کا ثواب تہائی قرآن کے برابر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

فاتحۃ الکتاب ثلث القرآن۔ (عبد بن حمید فریابی) فاتحہ کتاب ایک تہائی قرآن ہے۔" حضرت ابن عباسؓ سے دوسری حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من قرأ ام القرآن وقل ھو اللہ احد فکانما قرأ ثلث القرآن۔ (طبرانی) جس نے ام القرآن (فاتحہ مروجہ) اور قل ھو اللہ احد پڑھ لیا گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھا۔" اور ایک روایت میں ہے: فاتحۃ الکتاب تعدل ثلثی القرآن (عبد بن حمید) فاتحہ کتاب، دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔" آخری دو حدیثوں کی سند بھی ضعیف بتائی گئی ہے لیکن سند کے ضعف سے حدیث شریف کا متن بھی ضعیف ہونا لازم نہیں نیز ان احادیث شریفہ میں باہم تضاد بھی نہیں۔ سورۂ اخلاص کے باب میں صحیح روایات موجود ہیں کہ وہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اور فاتحہ کتاب بھی ثلث قرآن ہونا اوپر مذکور ہوا اس اعتبار سے صرف سورۂ فاتحہ کا ثلث قرآن ہونا اور فاتحہ کے ساتھ سورۂ اخلاص بھی پڑھا جائے تو دونوں سورتیں مل کر دو ثلث قرآن کے برابر ہونا بھی ثابت ہوا۔ فاتحہ مروجہ بھی یہی ہے۔

سورۂ فاتحہ سے نظر بد کا دفعیہ

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: فاتحۃ الکتاب وآیۃ الکرسی لا یقرأھما عبد فی دار فتصیبھم فی ذلک الیوم عین انس وجن۔ (دیلمی) فاتحہ اور آیۃ الکرسی کوئی بندہ کسی گھر میں پڑھ لیتا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس دن اس

گھر والوں میں سے کسی کو انسان یا جن کی نظر بد لگ جائے" اوپر گزر چکا ہے کہ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے تو نظر بد جو وہ بھی ایک مرض ہے اس کا دفعیہ ہوجائے گا۔ بلکہ نظر لگنے ہی نہ پائے گی۔

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: —

فاتحۃ الکتاب تجزئ مالا یجزئ شیئ من القرآن ولو ان فاتحۃ الکتاب جعلت فی کفۃ المیزان وجعل القرآن فی الکفۃ الاخری لفضلت فاتحۃ الکتاب علی القرآن سبع مرات (ابو نعیم دیلمی) فاتحۃ الکتاب اتنی کفایت کرتا ہے کہ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی اتنی کفایت نہیں کرسکتا اور اگر فرض کرو کہ فاتحۃ الکتاب کو ترازو کے ایک پلے میں رکھ دیا جائے اور باقی قرآن کو اس کے دوسرے پلے میں تو فاتحۃ الکتاب کا وزن ہی باقی قرآن کریم سے ہفت گونہ بڑھ جائے گا۔"

سورۂ فاتحہ عرش اعظم کے خزانۂ زیریں سے اترا ہے

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے سورہ فاتحہ کی فضیلت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ حدثنا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا انزلت من کنز تحت العرش۔ (اسحاق بن راہویہ) اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ حدیث شریف بیان فرمائی کہ سورۂ فاتحہ خاص عرش اعظم کے تحتانی خزانے سے اتارا گیا ہے" اس کی تائید دوسری احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: —

ان اللہ اعطانی فیما من بہ علیّ انی اعطیتک فاتحۃ الکتاب وھی من کنوز عرشی قسمتھا بینی و بینک نصفین۔ (ابن الضریس، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (جن نعمتوں سے مجھے سرفراز فرمایا اور) مجھ پر جس کی جو منت رکھی ہے از انجملہ حق تعالیٰ کا مجھ سے یہ ارشاد بھی ہے کہ ہم نے آپ کو فاتحہ کتاب (سورۂ فاتحہ) جو عنایت کیا ہے وہ ہمارے عرش کے خزانوں میں سے دیا ہے پھر اس کو اپنے اور آپ کے درمیان آدھا آدھا بانٹ دیا۔" اس کی صراحت آگے آ رہی ہے۔ حضرت معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:—

اعطیت سورۃ البقرۃ من الذکر الاوّل واعطیت فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ من تحت العرش والمفصّل نافلۃ۔ (حاکم بروایت بعجو ابن مردویہ ابو ذر ہروی، بیہقی) مجھے سورۂ بقرہ اگلی کتابوں سے دیا گیا اور فاتحہ کتاب اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (خاص) عرش اعظم کے نیچے سے دی گئیں۔ اور مفصل (سورۂ حجرات سے آخر قرآن کریم تک کی سورتیں) مزید عنایت ہوئیں۔" اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— اربع انزلن من کنز تحت العرش لم ینزل منہ شیٔ غیرھن امّ الکتاب وآیۃ الکرسی وخواتیم سورۃ البقرۃ والکوثر۔ (ابوالشیخ طبرانی، ابن مردویہ، دیلمی، ضیاء مقدسی) چار چیزیں (خاص) عرش اعظم کے خزانہ زیریں سے اتاری گئی ہیں۔ سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں اور سورۂ کوثر۔" ان

روایات سے سورہ فاتحہ کی منزلت جو عنداللہ ہے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت مرحومہ پر جو عنایت خاص ہے اس کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

سورہ فاتحہ شیطان کیلئے ماتم کا سبب

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ رنّ ابلیس اربعا حاین نزلت فاتحۃ الکتاب وحاین لعن وحاین ھبط الی الارض وحاین بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (وکیع، ابن الانباری، ابوالشیخ، ابونعیم)۔ ابلیس چار دفعہ دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ (ایک دفعہ اس وقت) جب سورہ فاتحہ نازل ہوا (دوسرا اس وقت) جب وہ (حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے) ملعون قرار دیا گیا۔ (تیسرا اس وقت) جب وہ (جنت سے) زمین کی طرف اتار دیا گیا۔ (چوتھا اس وقت) جب حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے"۔ حضرت مجاہدؒ نے یہ بھی فرمایا:۔ لمّا نزلت الحمد للہ رب العالمین شق علی ابلیس مشقۃ شدیدۃ ورنّ رنّۃ شدیدۃ ونخر نخرۃ شدیدۃ قال مجاھد فمن رنّ او نخر فھو ملعون۔ (ابن الضریس) جب سورۂ الحمد نازل ہوا تو ابلیس بڑی سخت مشقت میں پڑ گیا اور دھاڑیں مار کر خوب رویا اور ناک پھلا پھلا کر خوب پھسکارے بھرتا رہا۔ حضرت مجاہد نے یہ بھی کہا کہ جو سر پیٹتا اور ناک پھلاتا ہے وہ ملعون یعنی

اللہ کی رحمت سے دور ہے۔" حضرت عبدالعزیز بن ربیعؒ فرماتے ہیں:۔ لمّا نزلت فاتحۃ الکتاب رنّ ابلیس کرنّتہ یوم لعن۔ (ابن الضریس) جب کتاب اللہ کا ابتدائی سورہ نازل ہوا تو ابلیس اسی طرح سر پیٹتا رہا جیسا کہ اس کے ملعون قرار دیے جانے کے دن سر پیٹ رہا تھا۔" اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ شیطان لعین کے حق میں ماتم کا سبب ہے۔

فاتحہ ہر وجہ سے منہ مانگی مُراد ملتی ہے

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں:۔ امّ القرآن قراءۃ ومسئلۃ ودعاء۔ (ابوعبید) سورۂ فاتحہ قراءت بھی ہے اور سوال و دعا بھی۔" حضرت عطاؒ فرماتے ہیں:۔ اذا اردت حاجۃ فاقرأ بفاتحۃ الکتاب حتی تختمها تقضی ان شآء اللہ۔ (ابوالشیخ) جب تم چاہو کہ تمہاری حاجت روا ہو تو فاتحہ کتاب پڑھ لیا کرو تا آنکہ اس کو ختم کر لو۔ خدا چاہے تو حاجت پوری ہو جائے گی۔" حضرت رجاء غنویؒ فرماتے ہیں کہ حضور رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین نے فرمایا:۔ استشفوا بما حمد اللہ بہ نفسہ قبل ان یحمدہ خلقہ وبما مدح اللہ بہ نفسہ قلنا وما ذاك یا نبی اللہ قال الحمد للہ وقل ھو اللہ احد فمن لم یشفہ القرآن فلا شفاہ اللہ۔ (ابن قانع) شفا طلب کرو اس چیز کے ذریعہ جس سے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کی حمد فرمائی ہے قبل اس کے کہ کوئی مخلوق اس کی حمد کرے اور اس چیز کے ذریعہ جس سے اللہ سبحانہ نے اپنی مدح فرمائی ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے

پیارے نبی! وہ حمد اور مدح کونسی ہے ہے؟ ارشاد فرمایا کہ وہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص ہے۔ پھر جس کو قرآن شفا نہ بخشے اللہ اس کو شفا نہ بخشے۔" مطلب یہ کہ فاتحہ مروجہ پڑھتے وقت شفا حاصل ہونے کا دل سے یقین رکھنا چاہیے جس کو اس پر یقین کامل نہیں اس کو شفا میسر نہیں۔ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا نام شفا اور شافیہ بھی ہے اور یہ بھی گزر چکا کہ فاتحہ پڑھی گئی بچھو کاٹے پر، مجنون پر، مرگی میں مبتلا پر اور زہر کے دفعیہ کے لئے نظر بد دفع ہونے کے لئے اور موت کے سوا ہر بیماری کے لئے اس میں شفا ہے۔ اگر اس سے کسی کو شفا حاصل نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے لئے شفا مقدر نہیں یا اس پر یقین نہیں یا یہ کہ موت آچکی ہے۔ اللہم احفظنا۔ آمین۔

سورۂ فاتحہ ملائکہ کی قراءت نماز

حضرت ابو المنہال سیار بن سلامہ راوی ہیں:— ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سقط علیہ رجل من المھاجرین وعمر یتھجد من اللیل یقرأ بفاتحۃ الکتاب لا یزید علیھا ویکبّر ویسبّح ثم یرکع ویسجد فلما اصبح الرجل ذکر ذلک لعمر فقال عمر لأمّک الویل الیست تلک صلاۃ الملائکۃ۔ (ابو عبید) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مہاجرین میں سے ایک صاحب مہمان ہوئے۔ رات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہجد پڑھنے لگے اس میں آپ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے اس پر کچھ اضافہ

نہ کرتے (البتہ اس سے بیشتر) تکبیر تحریمہ اور ثنا پڑھتے پھر (جب سورۂ فاتحہ ختم کرتے تو) رکوع و سجود ادا کرتے۔ (رات تمام تہجد اسی طرح پڑھتے رہے) صبح ہوئی تو ان صاحب نے حضرت عمرؓ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا افسوس کا مقام ہے، کیا (تمہیں معلوم نہیں کہ) یہ فرشتوں کی نماز ہے؟ علامہ سیوطی اس کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں:۔ فیہ انّ الملائکۃ اذن لھم فی قراءۃ الفاتحۃ فقط فقد ذکر ابن الصلاح انّ قراءۃ القرآن خصیصۃ اوتیھا البشر دون الملائکۃ وانّھم حریصون علی سماعہ من الانس (درمنثور) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ملائکہ کرام علیہم السلام کو صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت عطا ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن صلاح نے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت ایک خصوصیت ہے جو امۃ مرحومہ کو مرحمت ہوئی ہے، فرشتوں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ فرشتے اس کو انسانوں سے سننے کے دل دادہ اور فریفتہ ہیں۔"

آغاز و اختتام قرآن پر مجلس منعقد کرنے کی ترغیب

حضرت ابو قلابہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ من شھد فاتحۃ الکتاب حین یستفتح کان کمن شھد فتحا فی سبیل اللہ ومن شھد حین تختم کمن شھد الغنائم حین تقسم۔ (ابن الضریس) جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کے آغاز پر حاضر

رہتاہے جبکہ سورۂ فاتحہ پڑھا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جہاد فی سبیل اللہ میں (کوئی ملک یا قلعہ کے) فتح کے موقع پر حاضر ہوتا ہے (تو فاتحین میں اس کا نام بھی لکھا جاتا ہے) اور جو کوئی قرآن کا ختم ہوتے وقت آموجود ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غنیمت کے اموال تقسیم ہوتے وقت آموجود ہوتا ہے (تو تقسیم غنیمت میں اس کا حصہ بھی لگا دیا جاتا ہے)"۔ سلف صالحین کا یہ عمل تھا کہ آغاز کلام پاک اور ختم کے موقع پر لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا کچھ نہ ہو تو گھر والے ہی جمع ہوجاتے تھے جیسا کہ آداب تلاوت کے سلسلہ میں گزر چکا۔ فی زمانہ بھی تسمیہ خوانی اور ختم تراویح کے موقع پر اجتماعات ہوتے ہیں جو گوناگوں برکات کے موجب ہیں۔

سوتے وقت فاتحہ پڑھنے کی فضیلت

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اذا اخذ احدکم مضجعہ فلیقرأ بام القرآن وسورۃ فان اللہ یوکل بہ ملکا یھب معہ اذا ھب (ابن عساکر)

جب تم میں سے کوئی اپنی خوابگاہ میں آئے تو اس کو چاہیئے کہ سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسرا سورۃ پڑھ لیا کرے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ایک فرشتے کو مقرر فرما دیا ہے (جو رات بھر) اس کے ساتھ رہتا ہے پھر جب انسان جاگتا ہے تو فرشتہ رخصت کرتا ہے"۔ ہم جیسے والوں کے ساتھ فرشتوں کا رہنا ہماری حفاظت کے لئے ہے۔ حفاظت بھی ایسی کہ پہرے دار اور چوکیدار سے بھی ممکن نہیں۔ اسکے سوا سورۂ فاتحہ کے بیشمار برکات ہیں جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے"

یعنی شروع کرتا ہوں برکت حاصل کرتے ہوئے اور تبرک لیتے ہوئے اور مدد طلب کرتے ہوئے اللہ کے نام سے جس کا مسمی (اللہ) جملہ صفات کمالیہ کا جامع ہے جو دنیا میں تمام مخلوقات کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اور عقبیٰ میں اہل ایمان کی بطور خاص خیر چاہتا ہے۔ اس میں انسان کو تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ اپنے ہر کام کی ابتدا بسم اللہ شریف سے کیا کرے اور اللہ کے نام سے اسکی مدد کا طالب ہو تاکہ اس کام کا انجام بھی بخیر ہو۔ حدیث شریف ہے:— کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ فھو ابتر۔ جو قابل لحاظ کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ دُم بریدہ یعنی ناقص رہ جاتا ہے" لہٰذا مسلمان کے ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے ہونی چاہئے البتہ بُرے کام پر بسم اللہ نہ کہے۔ بُرا کام مسلمان کو کرنا ہی نہ چاہئے۔

بسم اللہ قرآن کریم کی ایک مستقل آیت ہے

حضرت حبر الامہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیۃ۔ (ابن الضریس) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ایک مستقل) آیت ہے"۔ یہ بھی فرمایا:— استرق الشیطان من الناس اعظم

آية من القرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ (سعید بن منصور، ابن خزیمہ) قرآن کریم کی ایک نہایت ہی باعظمت آیت کو شیطان نے لوگوں سے چرا لیا ہے۔ وہ آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے " کہ ہر نیک کام کی ابتدا میں اس کو پڑھنا چاہیے مگر شیطان بنی آدم کو اسکے پڑھنے کا موقع نہیں دیتا اس وقت پڑھو جبتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی فرماتے ہیں : ۔ لما نزلت بسم اللہ الرحمن الرحیم حلف اللہ بعزتہ وجلالہ ان لا یسمی علی شیئ الا بارك فیه ۔ (ابن مردویہ، ثعلبی) جب آیہ کریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا میری عزت و جلال کی قسم ہے کہ بسم اللہ جس کسی چیز پر پڑھی جائے اس میں برکت ہوگی " حضرت ابن عباس رضی نے یہ بھی فرمایا : ۔ اغفل الناس آیۃ من کتاب اللہ لم تنزل علی احد سوی النبی صلی اللہ علیه وسلم الا ان یکون سلیمان بن داؤد علیهما السلام بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ (ابو عبید، ابن مردویہ، بیہقی) کتاب اللہ کی ایک آیت سے لوگ غافل ہو گئے جو سوائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی پر نازل نہیں ہوئی مگر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام پر بھی نازل ہوئی تھی ۔) وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے " یہ اشارہ ہے سورۂ قصص کی آیہ کریمہ انه من سلیمان و انه بسم اللہ الرحمن الرحیم کی طرف ۔ جو جزو آیت بنا کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی ۔ اس کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے

قلم فیض رقم سے سورۂ مذکورہ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

بسم اللہ ہر سورے میں نازل ہوئی

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فی کل سورۃ۔ (واحدی) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت شریفہ میں نازل ہوئی ہے۔" یہ بھی فرمایا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ کان جابریل اذا جاء نی بالوحی اوّل ما یلقی علیّ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ (دارقطنی) میرے پاس جبرئیلؑ وحی لاتے تو سب سے پہلے مجھ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا القاء کرتے۔" حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ وفی لفظ خاتمۃ السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم زاد البزار والطبرانی فاذا نزلت عرف انّ السورۃ قد ختمت واستقبلت او ابتدأت سورۃ اخری۔ (ابوداؤد، بزار، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورتوں کا فصل اور ان کا خاتمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی سے پہچانتے تھے۔ بزار اور طبرانی کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ جب بسم اللہ نازل ہوتی تو آپ پہچان جاتے کہ ایک سورت ختم ہوئی اور دوسری شروع ہوئی۔" اسی مضمون کی متعدد روایات ہیں جو حضرات ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور سعید بن جبیر سے مروی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

بسم اللہ کے بارے میں ائمہ اربعہ کے اقوال

ان روایات اور احادیث شریفہ کے مدنظر فقہائے کرام کے اختلافات ہیں۔ اوران کے متعدد اقوال ہیں از آں جملہ صرف ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی اور حضرت امام مالک بن انس اصبحی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول مشہور یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم کی ایک مستقل آیت کریمہ ہے جو فصل کے لئے نازل ہوی ہے اس سے ایک سورت کا اختتام اور دوسری سورت کا آغاز معلوم ہوتا ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ یا اور کسی دوسرے سورے کا جزو نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی محمد بن ادریس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ اور دوسری تمام سورتوں کا جزو ہے۔ سوائے سورت براٗت کے جس پر بسم اللہ مکتوب نہیں ہے اور ہمارے امام حضرت احمد بن حنبل شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے باقی دوسری سورتوں کا جزو نہیں۔ نیز ایک مسئلہ تسمیہ کو جہری نمازوں میں بالجہر یا بالسر پڑھنے کا ہے۔ بسم اللہ جن ائمہ کے پاس فاتحہ یا کسی سورت کا جزو ہے وہ اس کو جہری نمازوں میں بالجہر پڑھتے ہیں اور جن کے پاس وہ جزو نہیں ہے وہ جہری نمازوں میں بھی بسم اللہ کو بالسر یعنی آہستہ پڑھتے ہیں۔ رہے ہر ایک کے دلائل وہ ان کی کتب فقہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں یہاں اس کی گنجایش نہیں ہے۔

یہ دو مسئلے معرکۃ الآراء مسائل سے ہیں ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جو چاہیں ان کو دیکھ لیں۔ چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تسمیہ چونکہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے اس لئے جہریہ نمازوں میں فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے۔ حضرت امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور ہمارے امام حضرت احمد بن حنبل کے پاس بھی بسم اللہ آہستہ ہی پڑھنا چاہیئے۔ حضرت امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے اس لئے جہریہ نمازوں میں جس طرح سورۂ فاتحہ بالجہر پڑھا جاتا ہے بسم اللہ بھی بالجہر پڑھیں۔ احادیث شریفہ میں دونوں طریقے وارد ہیں۔ جن کی وضاحت مختصراً حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے

ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:—

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قطعھا آیۃ آیۃ وعدھا عد الاعراب وعد بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ ولم یعد علیھم۔ (ابو عبید ابن سعدؒ ابن ابی شیبہؒ امام احمدؒ ابوداؤدؒ ابن خزیمہؒ ابن الانباریؒ دارقطنیؒ حاکم بروایت صحیحہ بیہقیؒ

خطیب، ابن عبد البر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین۔ آخر سورۃ شریفہ تک۔ ایک ایک آیتہ جدا جدا پڑھتے۔ اور ایک ایک آیتہ کو اس طرح گنتے جاتے جس طرح اعرابی گنتے ہیں (تاکہ گنوار بھی سمجھ جائیں) اور بسم اللہ کو بھی آیت شمار فرمایا۔ اور غیر المغضوب علیہم میں علیہم پر آیت شمار نہ فرمایا۔"

حضور اکرم بسم اللہ کو فرائض میں بالجہر پڑھتے تھے

حضرت ابو الطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور عمار بن یاسرؓ سے سُنا۔ وہ دونوں فرماتے تھے :۔ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یجھر فی المکتوبات ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فی فاتحۃ الکتاب۔ (بزار، دارقطنی، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جہریہ) فرض نمازوں میں فاتحہ کتاب کی قراءت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالجہر تلاوت فرماتے تھے۔" اسی طرح اور بھی متعدد روایات ہیں جو دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ جہریہ نمازوں میں سورہ فاتحہ سے پہلے تسمیہ کو بالجہر پڑھا جاتا تھا۔ یا جو لوگ تسمیہ پڑھتے ہی نہ تھے یا آہستہ پڑھتے تھے ان کو بالجہر پڑھنے کے لئے کہا جاتا تھا۔

نماز میں بسم اللہ پڑھی جاتی تھی

اس کے ساتھ متعدد احادیث شریفہ میں یہ صراحت بھی

موجود ہے کہ جہریہ نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالسر یعنی آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور سورۂ فاتحہ کو بالجہر پڑھا جاتا تھا۔ اور جو تسمیہ کو بالجہر پڑھتے ان کو آہستہ پڑھنے کے لئے کہا جاتا تھا۔ یہ احادیث بھی مختلف صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں چنانچہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسّر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم وابوبکر وعمر (طبرانی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ پڑھا کرتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی آہستہ پڑھتے تھے"

نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا نو ایجاد ہے

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے فرزند کہتے ہیں:۔ سمعنی ابی وانا اقرأ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم فقال ای بنی محدث صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم جھر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ (ابن ابی شیبہ، ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی) میرے والد نے مجھ سے سنا کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالجہر پڑھ رہا ہوں (جب میں نے نماز ختم کی تو) فرمایا کہ بیٹے! یہ طریقہ نو ایجاد ہے۔ میں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نیز ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ میں نے کسی سے بھی ان میں سے نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالجہر پڑھتے ہوں" حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ذکر

اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا اور ابن مغفلؓ مدینہ منورہ ہی میں تھے حضرت شیر خداؓ کی اقتداء کرنے کا ان کو اتفاق نہیں ہوا تھا۔

نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا بدعت ہے

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: الجھر ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قراءۃ الاعراب (ابن ابی شیبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر کے ساتھ پڑھنا اعرابیوں کی پڑھائی ہے جو آبادی سے باہر سکونت رکھنے کی وجہ سے تعلیم و تعلم سے واسطہ نہیں رکھتے۔ اور حضرت ابراہیم نخعی (جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ سے ہیں اور کبار تابعین سے ہیں) فرماتے ہیں:—

جھر الامام ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ (ابن ابی شیبہ) امام کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے" بہرحال دلائل عقلی و نقلی دونوں طرف ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے۔ ائمہ مجتہدین نے اپنی خداداد فہم و فراست سے جس حکم کو ترجیح دی مقلدین کا کام ہے کہ اپنے اپنے امام کا اتباع کریں۔ نماز سب کی ہوجاتی ہے۔ صرف فضیلت میں اختلاف ہے۔ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے سب قائل ہیں محض بالجہر اور بالسر کا اختلاف کوئی اہم اختلاف نہیں چاروں مذاہب برحق ہیں۔ یہی حال ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے دیگر اختلافات کا ہے۔

فافھم وتدبّر۔

ائمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع امت ہے

مجتہدین اور بھی تھے جن کی تقلید کی جاتی تھی مگر ان کے مذاہب ختم ہو گئے اب ان کے مقلدین باقی نہیں رہے اور نہ ان کے مذاہب مدون ہیں۔ یہ شرف ائمہ اربعہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کے مقلدین و تبعین اقطار عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے مذاہب مدون ہیں۔ ہر مذہب کے اصول و فروع پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہوئی ہیں، دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ان کتابوں میں لکھا نہ ہو۔ اگر کوئی جزئیہ بصراحت درج نہ بھی ہو تو ہر مذہب کے اصول و فروع ایسی جامعیت سے لکھے گئے ہیں کہ اس جزئیہ کا حکم علمائے دین بآسانی دریافت کر سکتے اور عامۃ المسلمین کی رہبری فرما سکتے ہیں۔ ائمہ اربعہ کی مقبولیت عند اللہ ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہ خیر القرون میں تھے اور ان کا شمار تابعین یا تبع تابعین میں ہے نیز اولیائے کرام جو ابدال و اوتاد، اقطاب اور غوث کے مدارج پر فائز ہیں اور جن کی بزرگی و للہیت تمام دنیا میں مسلم و مشتہر ہے وہ سب ان ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد تھے۔ اور ان ہی کے استنباط کئے ہوئے مسائل و احکام پر عمل کر کے قطبیت و غوثیت کے اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ انشاء اللہ۔

مذاہب اربعہ عند اللہ مقبول ہیں

چنانچہ حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی قطب ربانی سیدی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حنبلی تھے اور حضرت

خواجہ خواجگان غریب نواز خواجہ معین الدین چشتیؒ حنفی، اور حضرت شیخ المشائخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ شافعی، اور شیخ ابوالحسن شاذلیؒ مالکی تھے۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جنکی سیادت و مشیخت شہرہ آفاق اور چاردانگ عالم میں ان کی بزرگی مقبول و مسلم ہے ان حضرات کے شیوخ اور خلفاء کا بھی یہی حال ہے جن کی تعداد ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں تک پہنچتی ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔ اور ان کی امامت پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی سنت، مذاہب اربعہ سے باہر نہیں۔ وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔ اب اصل مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہاں کا۔ بہت مہربان، نہایت رحم والا۔ مالک روز جزا کا۔

الحمد للہ کی تفسیر | اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔ ہر تعریف اللہ سبحانہ کے لئے ہے۔ یعنی بہتر سے بہتر تعریفیں جو ازل سے ہوتی رہیں اور ابد تک ہوتی رہیں گی وہ درحقیقت اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ تمام کائنات اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور کائنات کے ذرّے ذرّے میں جو خوبی ہے اسی کی دی ہوئی ہے اللہ سبحانہ کی ہر عطا اور دین بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ، دراصل اسی کی ہے۔ لہٰذا کائنات میں سے جس کسی چیز کی جو تعریف بھی کی جائے وہ حقیقت میں حق سبحانہ کی تعریف ہوگی۔ اللہ سبحانہ کو حمد بہت پسند ہے اس لئے حق تعالیٰ نے خود بھی اپنی حمد فرمائی اپنا نام حمید رکھا۔ اپنی کتاب عزیز کا آغاز الحمد للہ

(ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نماز شکر ہے۔ روزہ شکر ہے اور ہر کار خیر جو تم کرتے ہو وہ بھی
شکر ہے اور افضل ترین شکر حمد ہے۔" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔

(الحمد) کلمۃ رضیہا اللہ لنفسہ واحب ان تقال (ابن ابی حاتم) حمد
ایسا کلمہ ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے پسند فرمایا (اور اس سے
خوشنودی کا اظہار فرمایا) اور چاہا کہ یہ کلمہ (ہر وقت اور ہر آن) کہا جاتا رہے۔"

کعب احبارؓ کہتے ہیں:۔ الحمد ثناء علی اللہ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) حمد
اللہ سبحانہ کی تعریف ہے۔" حضرت ضحاک امام تفسیر فرماتے ہیں:۔ الحمد رداء الرحمٰن
(ابن ابی حاتم) حمد، خدائے رحمٰن کی چادر ہے۔" یعنی چادر جس طرح تمام جسم کو از سر تا پا
ڈھانک لیتی ہے اور انسان کی زینت و زیبائش کا سبب ہوتی ہے جس سے انسان
خوش ہوتا اور لوگوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ حمد بھی خدائے رحمٰن کی خوشنودی اور امتیاز
کا سبب ہے جو اسی کو زیب دیتی ہے۔

الحمد للہ افضل ترین دعا ہے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ
حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ افضل الذکر
لآ الٰہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ۔ (ترمذی بروایت حسن،
نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی) تمام اذکار میں افضل ترین ذکر لآ الٰہ الا اللہ ہے

(ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نماز شکر ہے۔ روزہ شکر ہے اور ہر کار خیر جو تم کرتے ہو وہ بھی شکر ہے اور افضل ترین شکر حمد ہے۔" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔

(الحمد) کلمة رضیها الله لنفسه واحبّ ان تقال (ابن ابی حاتم) حمد ایسا کلمہ ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے پسند فرمایا (اور اس سے خوشنودی کا اظہار فرمایا) اور چاہا کہ یہ کلمہ (ہر وقت اور ہر آن) کہا جاتا رہے۔"

کعب احبار رضؓ کہتے ہیں:۔ الحمد ثناء علی الله۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) حمد اللہ سبحانہ کی تعریف ہے۔" حضرت ضحاک امام تفسیر فرماتے ہیں:۔ الحمد رداء الرحمٰن (ابن ابی حاتم) حمد، خدائے رحمٰن کی چادر ہے۔" یعنی چادر جس طرح تمام جسم کو از سر تا پا ڈھانک لیتی ہے اور انسان کی زینت و زیبائش کا سبب ہوتی ہے جس سے انسان خوش ہوتا اور لوگوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ حمد بھی خدائے رحمٰن کی خوشنودی اور امتیاز کا سبب ہے جو اسی کو زیب دیتی ہے۔

الحمد للہ افضل ترین دعا ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ افضل الذکر لآ اله الا الله وافضل الدعاء الحمد لله۔ (ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی) تمام اذکار میں افضل ترین ذکر لآ الٰہ الا اللہ ہے

اور تمام دعاؤں میں افضل ترین دعا الحمد للہ ہے۔" یہی وجہ ہے کہ ہر دعا کا آغاز الحمد للہ سے ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ فقال الحمد للہ الا کان الذی اعطی افضل مما اخذہ۔ (ابن ماجہ، بیہقی بروایت حسن) اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت سرفراز فرماتا ہے اور وہ اس پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ سبحانہ کی توفیق حمد ہی جو بندے کو عطا ہوئی افضل ترین قرار پاتی ہے، اس نعمت سے جس کو بندے نے لیا ہے۔" حضرت جابرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ مامن عبد ینعم علیہ بنعمۃ الا کان الحمد افضل منھا۔ (بیہقی) جس کسی بندے کو کوئی نعمت ملتی ہے (اور اس پر بندہ خدا کی حمد کرتا ہے) تو بندے کی حمد ہی (عند اللہ) اس نعمت سے افضل تر قرار پاتی ہے۔" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور خلق مجسم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ یحمد اللہ علیھا الا کان حمد اللہ اعظم منھا کائنۃ ما کانت۔ (عبدالرزاق، بیہقی) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت سرفراز فرماتا ہے اور وہ اس نعمت پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو اللہ سبحانہ کی

حمد ہی اس نعمت کے مقابلہ میں زیادہ باعظمت ہوتی ہے خواہ وہ نعمت کیسی ہی عظیم الشان ہو"۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:—

لو انّ الدنیا کلّھا بحذا فیرھا فی ید رجل من امّتی ثمّ قال الحمد للہ لکان الحمد افضل من ذلك۔ (حکیم ترمذی) فرض کرو کہ ساری دنیا اپنے ساز و سامان کے ساتھ میری امت کے کسی شخص کے ہاتھ میں دے دی جائے پھر وہ اس پر الحمد للہ کہے تو حمد ہی اس سے زیادہ تر فضیلت رکھنے والی ثابت ہوگی۔"

الحمد للہ سے میزان عمل پُر ہو جاتی ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس انور صلی اللہ علیہ العزیز الاکبر نے فرمایا:— الطھور شطر الایمان، والحمد للہ تملأ المیزان وسبحان اللہ والحمد للہ تملأ ما بین السماء والارض والصلاۃ نور والصدقۃ برھان والصبر ضیاء والقرآن حجۃ لك او علیك کل النّاس یغدو فبائع نفسه فمعتقھا او موبقھا۔ (امام احمدؒ، مسلم، نسائی) طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے، اور کلمہ الحمد للہ میزان عمل کو بھرپور کر دیتا ہے، اور سبحان اللہ و الحمد للہ آسمان و زمین کی درمیانی فضاء کو پُر کر دیتا ہے، اور نماز نور ہے، اور صدقہ دلیل روشن ہے، اور صبر روشنی ہے اور قرآن کریم دستاویز اور حجت ہے تمھارے نفع کے لئے (اگر تم اس کے مطابق عمل کرو)

یا تمہارے ضرر کے لئے ہے (اگر تم اس کا خلاف کرو)۔ ہر شخص صبح روانہ ہوتا اور اپنے نفس کو اور اپنی ذات کو بیچ ڈالتا ہے پھر وہ یا تو خود کو آزاد کرا لیتا ہے (اگر وہ راہ خدا میں فروخت کر دیتا ہے) یا اس کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے" (اگر اس کو شیطان کی راہ میں بیچ دیتا ہے) یہاں صرف الحمد للہ کہنے کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ التسبیح نصف المیزان والحمد للہ تملؤہ ولا الٰہ الا اللہ لیس لھا دون اللہ حجاب حتی تخلص الیہ۔ (ترمذی شریف) کلمۂ سبحان اللہ نصف میزان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزان عمل کو پُر کر دیتا ہے اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ (کہنے سے بندے اور) اللہ سبحانہ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا (تمام پردے اٹھ جاتے ہیں اور اس کی ہر دعا قبول ہوتی رہتی ہے) تا آنکہ تم سب سے چھوٹ کر اس کے دربار اعلیٰ میں پہنچ جاؤ"

اللہ سبحانہ کو اپنی حمد بہت محبوب ہے

حضرت اسود بن سریع تمیمیؓ فرماتے ہیں:۔ قلت یا رسول اللہ الا انشدک محامد حمدت بھا ربی تبارک وتعالیٰ قال اما ان ربک یحب الحمد۔ (امام احمدؒ بخاری فی الادب، نسائی، حاکم بروایت صحیحہ ابو نعیم بیہقی) میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کو اپنا کلام جو حمد باری تعالیٰ میں ہے نہ سناؤں؟ ارشاد ہوا۔ آگاہ رہو کہ تمہارا پروردگار حمد کو پسند

فرماتا ہے۔" ابن جریر کی روایت ہے جو وہ بھی حضرت اسود بن سریعؓ ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لیس شیئ احب الیہ من الحمد للہ ولذلک اثنیٰ علیٰ نفسہ فقال الحمد للہ۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو الحمد للہ سے زیادہ تر محبوب ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا آپ فرمائی اور فرمایا الحمد للہ یعنی ساری خوبیاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مختص ہیں۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ التأنی من اللہ والعجلۃ من الشیطان وما شیئ اکثر معاذیر من اللہ وما شیئ احب الی اللہ من الحمد (بیہقی) آہستگی اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جلدی شیطان کی طرف سے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر کوئی عذرات کو قبول کرنے والا نہیں۔ اور حمد سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو محبوب نہیں۔" ہم کو چاہئے کہ اپنی جملہ کوتاہیوں سے دربار الٰہی میں معافی چاہیں اور عذر خواہی کی ابتدا حمد باری سے کریں ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

چھینک آنے پر بھی الحمد للہ کہنا چاہئے

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ اذا عطس احدکم فقال الحمد للہ قال الملک رب العالمین فاذا قال رب العالمین قال الملک یرحمک اللہ۔ (بخاری فی الادب) جب تم میں سے کسی کو

چھینک آئے اور ساتھ ہی اس نے الحمد للہ کہا تو فرشتہ کہتا ہے رب العالمین۔ پھر جب وہ چھینکنے کے بعد الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے یرحمك اللہ۔ اللہ پاک تم پر رحم فرمائے۔" سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔ من قال عند کل عطسۃ سمعھا الحمد للہ رب العالمین علی کل حال ما کان لم یجد وجع الضرس والاذن ابدا۔ جس نے کسی دوسرے شخص کی چھینک کی آواز سنی اور یوں کہا الحمد للہ رب العالمین علی کل حال ما کان یعنی تمام تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے سزاوار ہیں ہر حال میں جو موجود ہو" تو وہ کبھی داڑھ کا درد اور کان کا درد نہ پائے گا۔" حضرت واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور علیہ صلوات الجلیل الاکبر نے ارشاد فرمایا:۔ من بادر العاطس بالحمد لم یضرہ شیئ من داء البطن۔ (حکیم ترمذی) جس نے چھینکنے کے ساتھ ہی جلدی سے الحمد للہ کہا تو اس کو پیٹ کی کوئی بیماری ضرر نہ پہنچائے گی۔" حضرت موسیٰ بن طلحہؓ فرماتے ہیں:۔

اوحی اللہ الی سلیمان ان عطس عاطس من وراء سبعۃ ابحر فاذکرنی۔ (حکیم ترمذی) اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اگر کوئی چھینکنے والا سات سمندر پار سے بھی چھینکے تو تم میری یاد کیا کرو۔" مطلب یہ ہے کہ چھینکنے والا تم سے کتنی بھی دور ہو جب اس کی چھینک کی آواز سنو تو میری یاد کیا کرو" یعنی الحمد للہ

یا یرحمك اللہ کہا کرو۔ یا ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سامعہ اس درجہ تیز اور قوی تھی کہ سات سمندر پار کی آواز بھی آپ کو سنائی دیتی تھی۔ جیسا کہ فی زمانہ ریڈیو کے ذریعہ تمام دنیا کی تقریریں بے تکلف سنائی دیتی ہیں۔

کلمۂ الحمد للہ بہترین کلمۂ شکر

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:—

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ من اھلہ فقال اللھم لك علیّ ان رددتھم سالمین ان اشکرك حق شکرك فما لبثوا ان جاؤا سالمین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ علی سابغ نعم اللہ فقلت یا رسول اللہ الم تقل ان ردّھم اللہ ان اشکرہ حقّ شکرہ فقال اولم افعل۔ (بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاص اصحاب کی ایک جمعیت روانہ فرمائی اور اللہ جل شانہ کی نذر مانی کہ بارالٰہا! اگر آپ ان لوگوں کو صحیح سالم واپس پہنچا دیں تو میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ کا شکر جیسا ادا کرنا چاہیے ادا کروں گا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں وہ سب واپس ہوئے تو حضور رسول دوجہاں علیہ صلوات اللہ الرحمٰن نے فرمایا:—

الحمد للہ علی سابغ نعم اللہ۔ "تمام تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے سزاوار ہیں کہ اس نے بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور ہر نعمت کی تکمیل فرمائی"۔ میں نے عرض کیا

یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس کے شکر کا جیسا حق ہے ادا کروں گا؟ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں نے ایسا نہیں کیا؟" مطلب یہ کہ کلمہ الحمد للہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اس کے کہنے سے ساری نعمتوں کا شکر ادا ہو جاتا ہے۔

امام باقرؒ کا ایک واقعہ حضرت امام جعفر صادق علی جدہ وعلیہ السلام فرماتے ہیں:۔

فقد ابی بغلة فقال ان ردّها اللہ علیّ لاحمد نّه بمحامد یرضاها فما لبث ان اتی بها بسرجها ولجامها فرکبها فلمّا استوی علیها رفع رأسه الی السماء فقال الحمد للہ لم یزد علیها فقیل له ذلك فقال وهل ترکت شیئا او ابقیت شیئا جعلت الحمد کله للہ عزّ وجلّ۔ (ابونعیم، بیہقی) میرے والد محترم حضرت امام باقرؒ کا خچر گم ہو گیا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو میری طرف پھیر دے تو میں اس کی ایسی حمد کروں گا جس سے وہ خوشنود ہو جائے۔ اس پر کچھ دیر نہ گزری کہ خچر اپنے زین اور لگام سمیت آ گیا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر صرف الحمد للہ فرمایا اور اس پر کوئی کلمہ اضافہ نہ کیا۔ اس پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آپ نے فرمایا کیا میں نے ادائے شکر میں کوئی کسر اٹھا رکھی؟ ساری تعریفیں اللہ عزوجل کیلئے قرار دیدیں۔"

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا:۔ یقال ان الحمد للہ اکثر الکلام تضعیفا۔ (بیہقی) کہا جاتا ہے کہ کلمۂ الحمد للہ (بظاہر نہایت ہی مختصر جملہ کلام سمجھا جاتا ہے لیکن

در حقیقت اس میں اتنی وسعت ہے کہ) چند در چند مضامین کے اعتبار سے (جو اسمیں مضمر اور پنہاں ہیں) زیادہ سے زیادہ (طول طویل) کلام کی شان رکھتا ہے"

الحمد للہ ذکر بھی ہے اور شکر بھی

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: — حمد اللہ ذکر و شکر ولیس شیئ یکون ذکرا وشکرا غیرہ۔ (ابو الشیخ بیہقی) الحمد للہ ذکر بھی ہے اور شکر بھی۔ اس کے سوا کوئی اور کلمہ نہیں ہے جو ذکر بھی ہو اور شکر بھی" یہ اس لئے کہ جو تعریف نعمت کے جواب میں ہو اس کو شکر کہتے ہیں۔ اور حمد عام ہے خواہ نعمت کے جواب میں ہو یا نہ ہو۔ اس اعتبار سے ہر شکر حمد ہوگا اور ہر حمد شکر نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں: — ان العبد اذا قال سبحان اللہ فھی صلاۃ الخلائق واذا قال الحمد للہ فھی کلمۃ الشکر التی لم یشکر اللہ عبد قط حتیٰ یقولھا واذا قال لا الہ الا اللہ فھی کلمۃ الاخلاص التی لم یقبل اللہ من عبد قط عملا حتی یقولھا واذا قال اللہ اکبر ملأ ما بین السماء والارض واذا قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ قال اسلم واستسلم۔ (ابن ابی الدنیا، ابو نعیم) یقین جانو کہ جب بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو یہ کلمہ مخلوقات کی نماز ہے۔ (کیونکہ تسبیح سے اکثر احادیث و آیات میں نماز مراد لی جاتی ہے) اور جب وہ الحمد للہ کہتا ہے تو یہ کلمہ شکر ہے۔ کوئی بندہ

اس کلمہ کے کہے بغیر اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا ہی نہیں کرسکتا۔ اور جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ اخلاص کا کلمہ ہے اس کے کہے بغیر اس کے کسی عمل کو اللہ سبحانہٗ قبول نہیں فرماتا۔ اور جب وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھر جاتی ہے۔ اور جب وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو خداوند تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بندہ مطیع و فرماں بردار ہوا اور سلامتی چاہی ہے“

ربّ کی تفسیر رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ پالنے والا تمام عالموں کا“ یعنی سب تعریفیں سزاوار ہیں اللہ کے لئے جو تمام عوالم کا پالنے والا اور ان کی تربیت فرمانے والا ہے۔ کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا اور عدم سے وجود میں لانا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اور یہ کمال اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ہی ہوسکتا ہے۔ کائنات کی کوئی ہستی یہ کمال نہیں دکھا سکتی۔ اور نہ اس کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ بفرض محال اگر کوئی اس کا ادعا بزعم خود کرے تو اس سے کہا جائے گا۔ ارونی ماذا خلقوا۔ ہمیں دکھاؤ تو ان ہستیوں نے کیا پیدا کیا؟ کیا زمین بنائی یا آسمان بنایا۔ زمین میں روئیدگی اور نبات کی صلاحیت کس نے بخشی اور آسمان میں یہ چاند، سورج اور ستارے کس نے بنائے؟ اور ان کو منور کس نے کیا؟ جب اس کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا تو ماننا پڑے گا کہ یہ سب اللہ سبحانہٗ کی خلق و ایجاد ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگا کہ مخلوقات میں جو قابل تعریف صفات ہیں

وہ ساری تعریفیں حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تعریف ہے لہذا الحمد للہ کہنا صحیح ہوا کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں۔

پھر کسی چیز کا محض وجود میں آنا ہی کافی نہیں۔ اس کے بعد ضرورت ہے اسکی پرورش اور نگرانی کی۔ نیز اس کی تربیت کی تا آنکہ جو درجہ کمال اس شئے میں جس درجہ ودیعت ہے اس پر وہ فائز ہوسکے۔ اور جو مقصد تخلیق اس شئے کا ہے حاصل ہو۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ جس خدا نے تمام عالمین کو پیدا کیا وہی ان سب کا رکھوالی' پالنے والا' تربیت کرنیوالا' اور ہر شئے کو اس کے درجۂ کمال پر پہنچانے والا ہے۔ آفرینش کے بعد سب سے پہلی احتیاج جو مخلوق کو درپیش ہوتی ہے وہ حفاظت' پرورش اور تربیت کی ہے۔ یہاں تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو اور ساری کائنات اور عوالم کو پیدا کرکے یوں ہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ سب کا نگراں و محافظ بھی ہے۔ سب کی پرورش بھی کر رہا ہے اور سب کی تربیت بھی فرما رہا ہے۔ لہذا وہ ہر طرح' ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق اور سزاوار ہے۔ چونکہ اس کی نگہداشت' پرورش اور تربیت ہر آن' ہر لحظہ جاری ہے ایک دم اس سے غافل نہیں اسلئے اس کی حمد بھی ہر آن' ہر لحظہ جاری رہنی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ ربّ العالمین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ اللہ الخلق کلہ السموٰت کلھن ومن فیھن والارضون کلھن ومن فیھن مما یعلم ومما لا یعلم

(ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔ (رب سے مراد) تمام مخلوقات کا معبود برحق۔ (اور عالمین سے مراد) تمام آسمانیں اور ان میں جس قدر مخلوق ہے اور تمام زمینیں اور جو خلائق ان میں ہیں، اور تمام مخلوقات جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہیں خواہ وہ جن کا علم ہو سکا ہے خواہ وہ جن کا علم نہ ہو سکا۔ یہ سب عوالم ہیں۔ اور اللہ سبحانہ ان سب کا پالن ہار، تربیت کنندہ، مالک، رکھوالی، معبود برحق اور آقا ہے جو ہر ایک کو اس کے درجۂ کمال تک پہنچاتا رہتا ہے۔ یہ تفسیر رب کی ہوئی۔ اور العالمین کی تفسیر کے لئے روایات ذیل ملاحظہ ہوں:—

العالمین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے رب العالمین کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا:— الجن والانس۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم بروایات صحیحہ) عالم جن اور عالم انس" حضرت مجاہدؒ اور ابن جبیرؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے (عبد بن حمید، ابن جریر) یہاں جن اور انس کو بطور تمثیل بیان فرمایا گیا ہے ورنہ کائنات کی ہر صنف ایک ایک عالم ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:— کل صنف عالم۔ (ابن جریر) مخلوقات کے اصناف میں سے ہر صنف ایک عالم ہے" حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں:— الانس عالم والجن عالم وما سوی ذلك ثمانية عشر الف عالم من الملائكة والارض اربع زوايا فی كل زاوية ثلاثة آلاف عالم

خمسمائة عالم خلقهم لعبادته ۔ (ابن جریر ابن ابی حاتم) بنی آدم ایک عالم ہیں
اور بنی جان ایک عالم ہیں اور ان کے سوا ہیجدہ ہزار عالم صرف فرشتوں کے ہیں ۔ پوری
زمین کے چار گوشے ہیں اور ہر گوشے میں ساڑھے تین ہزار عوالم ہیں جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے
اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں :۔ العالمون
الملائكة وهم ثمانون ثمانية عشر الف ملك منهم اربعمائة او
خمسمائة ملك بالمشرق ومثلها بالمغرب ومثلها بالكتف الثالث من الدنيا
ومثلها بالكتف الرابع من الدنيا مع كل ملك من الاعوان ما لا يعلم
عدده الا الله ۔ (ثعلبی) عوالم بے شمار ہیں از انجملہ ملائکہ بھی ہیں ۔ جن کے اسّی عالم
اور اٹھارہ ہزار فرشتے ہیں ۔ ان میں سے چار پانسو فرشتے مشرق اور اتنے ہی مغرب
میں متعین ہیں ۔ اور اتنے ہی دنیا کی تیسری سمت میں اور اتنے ہی چوتھی سمت میں یعنے
شمال و جنوب میں مقرر ہیں ۔ ہر فرشتے کے ساتھ ان کے اتنے اعوان و انصار ہیں جنکی
صحیح تعداد اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے
ہیں :۔ ان الله عز وجل ثمانية عشر الف عالم الدنيا منها عالم واحد ۔
(ابو الشیخ ، ابو نعیم) یقین جانو کہ خدائے عز وجل کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں ۔ ان میں سے
دنیا بھی ایک عالم ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ ما سوی اللہ کو عالم کہتے ہیں ظاہر ہے کہ

سُورۃ الفاتحہ ۸۶ الٓـمّٓ

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا جو بھی ہے وہ مخلوق ہے۔ مخلوقات بے شمار ہیں۔ ان کو اٹھارہ ہزار اصناف میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ہر صنف ایک جدا عالم ہے۔ اور اللہ عزوجل تمام عالمین کا رب ہے۔ مخلوق کا فریضہ ہے کہ اپنے خالق اور رب کو پہچانے اور اسی کی عبادت کرے۔ تمام مخلوقات اپنے خالق اور رب کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ بجز انس وجن کے۔ کہ ان میں بعض طاعت وعبادات الٰہی میں مشغول ہیں اور اکثر منحرف و غافل۔ اسی لئے ان میں رسول بھیجے گئے اور رسولوں پر اللہ کی آسمانی کتابیں اتاری گئیں اب جس نے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو بلا تفریق مانا اور ان کی اطاعت کی۔ نیز رسولوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان کے احکام وہدایات پر چلتے رہے ان کی دائمی نجات ہوئی۔ اور جنھوں نے انکار کیا وہ دائمی عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اور جن کا خدا اور رسول پر ایمان تو تھا لیکن اطاعت وفرماں برداری میں کوتاہی کی ان کا معاملہ مشیت الٰہی پر منحصر ہے چاہے ان کو بخش دے اور چاہے تو بقدر گناہ سزا دے البتہ ایمان کی بدولت دائمی عذاب سے نجات پائی۔

الرحمٰن الرحیم کی تفسیر

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ بے حد مہربان، نہایت رحم والا۔

معلوم ہے کہ رحمٰن ورحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ جو رحم سے مشتق ہیں۔ رحم کہتے ہیں رقّت قلب کو جو فاعل رحم پر احسان کی مقتضی ہوتی ہے لیکن

کبھی محض رقّت قلب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے احسان نہیں پایا جاتا۔ رحم دل انسان بہت ہیں لیکن اکثر کسی احسان پر قادر نہیں ہوتے۔ اور کبھی رحم سے مجرد احسان مراد لیا جاتا ہے، رقّت قلب کو یہاں دخل نہیں جیسے اللہ سبحانہٗ کی رحمت۔ کہ احسان ہی احسان ہے رقّت قلب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جا سکتی اللہ سبحانہٗ کی ذات اعضاء و جوارح سے منزّہ ہے۔ پھر مبالغہ کے مدارج و اعتبارات ہیں۔ رحمٰن یعنی بے حد مہربان اس اعتبار سے کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ورحمتی وسعت کلّ شیئ۔ میری رحمت ہر چیز کو شامل اور احاطہ کی ہوئی ہے حجر، شجر، حیوانات چرند، پرند، درند، حشرات، گزند، جن، ملائکہ و شیاطین، مومن کافر ملحد، زندیق، منکر، سب ہی اس کی بے حساب گوناگوں رحمتوں اور نعمتوں سے متمتع ہیں اس درجہ کہ وان تعدّوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا اگر تم سب مل کر اللہ کی نعمتوں کو صرف گننا چاہو گن نہیں سکتے“ بایں ہمہ یہ تمام رحمتیں دنیا کی حد تک ہیں۔ رحیم صیغہ مبالغہ اس اعتبار سے کہ گو اس کی رحمتیں اہل ایمان کے ساتھ مخصوص اور محدود ہیں مگر ان کی انتہا نہیں۔ ابدالآباد کے لئے ہیں۔ اور آخرت کی ہر نعمت، دنیا کی تمام نعمتوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دنیا کی بہترین رحمتیں اور نعمتیں گو درحقیقت رحمت اور نعمت ہیں لیکن بعض رنج و غم اور عذاب کی

صورت میں ہیں ۔ مثلاً بخار والوں کو تلخ دوا دی جاتی ہے ۔ بیمار کے حق میں دوا رحمت اور نعمت ہے اس اعتبار سے ع کہ داروئے تلخ ست دفع مرض ۔ مگر تلخ دوا کو فروِ حلق کرنا انسان کے لئے ناگوار ہے ، گو بظاہر یہ صورت تھوڑی دیر کے لئے سزا اور عذاب کی سی ہے لیکن اس میں بھی بے پایاں رحمت الٰہی کارفرما ہے ۔ یہ اقتضاء رحمٰن کی رحمت کا ہے ۔ رحیم کی رحمت میں رنج و غم درد و الم کا نام نہیں رحمت ہی رحمت ہے اور رحمت بھی نامحدود و بے حساب کیونکہ یہ رحمت عالم آخرت کی ہے اور آخرت کی رحمتیں دائمی اور ابدی ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی ۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے :—

رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ ۔ بہرحال ایسی ذات جو جامع صفات کمالیہ ہے اور تمام عالمین کی مالک ، رکھوالی کرنے والی ، پالنے والی ، تربیت کرنے والی ، اور ہر ایک شئی کو اس کے درجۂ کمال تک پہنچانے والی ہے ۔ پھر بے حد مہربان ، نہایت رحم کرنے والی ہے ۔ وہی ہر طرح مستحق حمد و ثنا ہے ۔ اس کی تعریف جس قدر بھی کی جائے اور جس درجہ بھی اس کو سراہا جائے کم ہے ۔ لہٰذا ہر حال میں انسان کو حمدِ الٰہی میں رطب اللسان رہنا چاہئے ۔

مالک کی تفسیر | مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ حضرت ابن عباسؓ مالک کی تفسیر میں فرماتے ہیں :— لا یملك احد معه فی ذلك الیوم حکما کملکهم

فی الدنیا و فی قولہ یوم الدین قال یوم حساب الخلائق وھو یوم القیامۃ یدینھم باعمالھم ان خیرا فخیر وان شرا فشر الا من عفی عنہ (ابن جریر ابن ابی حاتم)

اس دن اللہ سبحانہ کے ساتھ اور کوئی حکم نہ دے سکیگا (بلکہ کسی سے بھی اس دن کوئی حکم صادر کرنا ممکن نہ ہوگا) جیسا کہ یہ لوگ دنیا میں احکام صادر کرتے تھے اور ان کے احکام کی تعمیل ہوتی تھی۔ اور یوم الدین کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات سے حساب لینے کا دن ہوگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اس دن اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو ان کی جزا بھی اچھی ہوگی۔ اور اگر ان کے اعمال بُرے ہوں گے تو ان کی جزا بھی بُری ہوگی۔ مگر یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ (اپنے فضل وکرم سے) اس کو معافی مرحمت فرمائے (تو اور بات ہے)" حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابہؓ کبار سے بھی یوم الدین کی تفسیر میں یہی مروی ہے: ھو یوم الحساب۔ (ابن جریرؒ حاکم بروایت صحیحہ) کہ یوم الدین یوم الحساب ہے" جس میں ہر ایک کے اعمال کا حساب کرکے ان کی جزا دی جائے گی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: یوم یدین اللہ العباد باعمالھم۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید) یوم الدین سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ سبحانہ تعالیٰ تمام بندوں کے اعمال کی جزا دے گا" یہ تفسیر مالکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی ہوئی۔

مَلِكِ کی تفسیر | ایک قراءت یوں ہے: مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ بادشاہ ہے روزِ جزا کا" یہ قراءت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور متعدد روایات صحیحہ اس باب میں موجود ہیں۔ چنانچہ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: شکا الناس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحوط المطر فامر بمنبر فوضع له فی المصلی ووعد الناس یوما یخرجون فیه فخرج حین بدا حاجب الشمس فقعد علی المنبر فکبر وحمد اللہ ثم قال انکم شکوتم جدب دیارکم واستئخار المطر عن ابان زمنه عنکم وقد امرکم اللہ ان تدعوه ووعدکم ان یستجیب لکم ثم قال الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم ملك یوم الدین لا اله الا اللہ یفعل ما یرید اللھم انت اللہ لا اله الا انت انت الغنی ونحن الفقراء انزل علینا الغیث واجعل ما انزل قوۃ وبلاغا الی حین۔ (ابوداؤد، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ قدس میں لوگوں نے بارش کے رُک جانے (اور آثار قحط پیدا ہونے) کی شکایت کی۔ یہ سنتے ہی آپ نے منبر شریف کو (عیدگاہ میں) رکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ (لوگوں نے) اس کو عیدگاہ میں رکھ دیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا (کہ فلاں روز استسقاء کے لئے)

نکلیں۔ چنانچہ آپ اس روز عین طلوع شمس کے وقت برآمد ہوئے (اور عید گاہ پہنچکر) منبر شریف پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے تکبیر پڑھی اور اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا فرمانے لگے۔ اس کے بعد فرمایا:۔ لوگو! تم نے اپنے شہروں میں خشک سالی پھیل جانے اور موسم کے وقت مقررہ پر بارش نہ ہونے اور اس میں تاخیر ہونے کا شکوہ کیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ تم اس کو پکارو وہ تمہاری پکار سن لے گا اور تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ سب تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے سزاوار ہیں جو تمام عوالم کا پالنے والا ہے بے حد مہربان، نہایت رحم والا، پادشاہ روز جزا کا۔ اللہ کے سوا کوئی ہستی مستحق عبادت نہیں۔ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو کر گزرتا ہے (کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا) بارالہا! آپ ہی اللہ ہیں (معبود برحق) آپ کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔ آپ غنی ہیں اور ہم سب فقراء ہیں (آپ کے فضل و کرم کے محتاج) ہم پر بارش نازل کیجیے اور جو کچھ نازل ہو اس کو ہمتد عرصہ تک کفاف کرنیوالا اور ہماری قوت اور روزی کا ذریعہ بنائیے۔" حافظ ابوداؤد سجستانیؒ مصنف سنن ابوداؤد فرماتے ہیں:۔ حدیث غریب اسنادہ جید اھل المدینة یقرؤن مٰلک یوم الدین وھذا الحدیث حجة لھم۔ یہ حدیث غریب ہے یعنی دوسری کسی سند کے ساتھ نہیں آئی لیکن اس کی اسنا

(جس سے یہ حدیث شریف مروی ہے) معتبر ہے۔ اہل مدینہ کی قراءت مَلِكِ یوم الدین ہے (اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی پڑھا لہٰذا) یہ حدیث اہل مدینہ کی اس قراءت کی مؤید ہے" اس قراءت کی تائید میں اور بھی روایات ہیں۔

مالك اور ملك میں فرق

مَالِكِ اور مَلِكِ کا فرق ظاہر ہے۔ مالك کا اشتقاق مِلْك سے ہے۔ اور مَلِك کا اشتقاق مُلْك سے ہے۔ کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی اس پر ہر کس و ناکس اپنی ملکیت کا دعوی کر سکتا ہے۔ اور چیزیں کسی نہ کسی شخص کی مملوک ہو سکتی ہیں لیکن مُلْك ہر کس و ناکس کو نہیں ملتا اور نہ ہر شخص پادشاہ ہو سکتا ہے۔ پادشاہ (مَلِك) کا اطلاق ایسی ہستی خاص پر ہوتا ہے جو مُلک یعنی زمین کے بہت بڑے حصے پر اپنا اقتدار رکھتا ہو اور سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں پر اپنا فرمان نافذ کر سکتا ہو۔ اس اعتبار سے مَلِكِ یوم الدین کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ روز جزا کا پادشاہ ہے۔ یعنی اس دن تمام پادشاہتیں حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گی اور کسی کا کوئی اقتدار کسی انسان پر یا زمین کے کسی چپہ پر بھی باقی نہ رہیگا صرف اسی خدائے واحد کی پادشاہت اور حکومت ہوگی۔ کما قال تعالیٰ لمن الملك الیوم للہ الواحد القھار۔ آج پہلا مُلک اور کائنات اور اس پر اقتدار کس کو حاصل ہے؟ کسی کو نہیں صرف خدائے واحد کو

حاصل ہے جو سب پر غالب و قاہر ہے" اور مَالِكِ يوم الدين کے معنی یہ ہوئے کہ روز جزا میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہی مالک ہے۔ ساری ملکیتیں اس روز ختم ہو جائینگی نفسی نفسی کی فکر دامنگیر رہیگی دونوں قراتیں بجائے خود صحیح ہیں۔ لہذا اس اعتبار سے بھی ساری تعریفوں کا استحقاق حقیقی طور پر صرف اللہ رب العالمین ہی کو حاصل ہے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی اور روز جزا کا پادشاہ بھی ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا مالک بھی۔ تو ہم کو چاہئے کہ ہر حال میں اس کی حمد کرتے رہیں، واللہ الموفق۔

ملك کے مقابل مالك بلیغ تر ہے

عام قرات مالك يوم الدين ہی ہے اس لئے کہ مَلِكِ کے مقابلے میں مَالِكِ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ پادشاہت کو اللہ سبحانہ کی ذات سے مختص کرنے کی صورت میں پادشاہت کے سوا دیگر امور چھوٹے یا بڑے ان کی مالکیت بھی اللہ سبحانہ کی ذات سے مختص ہونا مفہوم نہیں ہوتا اور اگر مالکیت ہی ذات حق سبحانہ تعالیٰ سے مختص ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام امور خواہ مالکیت ہو یا ملوکیت سب کے سب حق تعالیٰ کی ذات سے بلا شرکت غیرے حقیقی طور پر مختص ہیں۔ واللہ اعلم۔

جب مالکیت اور ملوکیت تامہ درحقیقت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے مختص ہونا ثابت ہو چکا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کائنات، حادث، ممکن، محتاج اور مملوک ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات قدیم ازلی، ابدی، حی، قیوم، واجب، غنی اور مالک ہے۔

لہذا استحقاق عبادت بھی صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ و تقدس کو حاصل ہے اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں ہو سکتی کیونکہ مخلوق مستحق عبادت نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا دار العمل ہے اور اس کی ایک انتہا ہے اور جس دن اس کی انتہا ہو گی وہ عالم آخرت ہو گا اور عالم آخرت دار الجزا ہو گا۔ لہذا یہ عقیدہ کہ دنیا (دار العمل) کا یہ سلسلہ ہمیشہ ایسا ہی چلتا رہے گا باطل ہے۔ اس سے تناسخ کا عقیدہ باطل ہو گیا۔ جب معلوم ہو چکا کہ مستحق عبادت محض ذات حق ہے اس لئے تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم یوں عرض کرتے رہیں :۔

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ "تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں "۔

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ کی تفسیر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مختصہ کی شناخت و معرفت کرانے کے بعد جو علم الٰہیات کا لب و لباب اور خلاصہ ہے جس کی وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ استحقاق عبادت کس کو حاصل ہے اور کس کو نہیں۔ یعنی مستحق عبادت کون ہے اور کون نہیں؟ ہم کو کس کی عبادت کرنی چاہئے اور کس کی عبادت نہیں کی جا سکتی۔ تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم یوں عرض کرتے رہیں :۔ بار الٰہا! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں کیونکہ آپ ہی نے ہم کو پیدا کیا۔ آفرینش میں آپ کا کوئی شریک نہ تھا۔ ربوبیت مطلقہ آپ ہی کی ذات قدسی صفات کے ساتھ

مختص ہے۔ اس میں بھی آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ بھی آپ ہی ہیں۔ اس میں بھی آپ کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ مالک روز جزا بھی آپ ہی ہیں۔ اس میں بھی کسی کی شرکت نہیں تو ہماری عبادت کے مستحق بھی آپ ہی ہیں اس میں بھی ہم کسی کو شریک نہیں کرتے۔ امر الّا تعبدوا الّا ایاہ آپ کا حکم بھی ہم کو یہی ہے کہ تم اس الٰہ واحد خالق، رب، رحمٰن و رحیم، مالک روز جزا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔" لہذا ہم سب آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کرتے رہیں گے۔ کسی اور کی نہیں۔ گویا بندے کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کا علم اور معرفت حاصل ہو چکی جس کا بیان سورۂ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات میں گزر چکا تو اس علم و معرفت کی بدولت نعمت شہود و حضور حاصل ہو گئی اس طرح وہ بارگاہ الٰہی میں خود کو حاضر جان کر مشافہۃً ہم کلام ہو رہا ہے اور کمال عجز و انکسار کے ساتھ پوری جماعت کی طرف سے عرض پرداز ہے کہ ہم سب آپ ہی کی عبادت کر رہے ہیں کسی اور کی نہیں۔

عبادت کے معنی عبادۃ کہتے ہیں غایۃ تذلل کو۔ انتہائی ذلت و عاجزی اور کمال تواضع و انکساری کو۔ امام لغت راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ العبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منہا لانّہا غایۃ تذلل ولا یستحقّہا الّا من لہ غایۃ الافضال وھو اللہ تعالیٰ۔ اپنے عجز و انکسار اور ذلت و افتقار کے

ظاہر کرنے کو عبودیت کہتے ہیں اور عبادت اس سے بھی بلیغ تر ہے کیونکہ کمال درجہ کے تذلل کو عبادت کہا جاتا ہے اور عبادت کا مستحق وہی ہے جس کا فضل و کرم بھی کمال درجہ کا ہو (کہ اس سے زیادہ بلکہ اس جیسا فضل متصور ہی نہ ہو) اور ایسا استحقاق رکھنے والا صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہے" لہذا عبودیت اور عبادت کو ایک سمجھنا اور دونوں میں فرق نہ کرنا غلطی ہے۔ عبادت صرف حق سبحانہ تعالیٰ کی ہوگی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی اور عبودیت یعنی معمولی درجہ کے تذلل کا اظہار دوسروں کے آگے بھی ہوسکتا ہے۔ کمال درجہ کا تذلل غیر اللہ کے آگے شرک ہے۔ کیونکہ یہ غیر اللہ کی عبادت ٹھہری۔ عبودیت میں شرک نہیں لہذا جو لوگ عبودیت کو بھی عبادت قرار دیتے ہیں وہ غلطی کر رہے ہیں۔ کما لا یخفیٰ۔

عبادۃ کے مراد ی معنی | حضرت ابن عباسؓ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- ایاك نوحد ونخاف ونرجو ربنا لاغیرك (ابن جریر، ابن ابی حاتم)

یعنی اے ہمارے پروردگار مطلق ! ہم سب آپ ہی کو آپ کی ذات والا صفات میں واحد ویکتا ہونے کا دل سے یقین رکھتے اور زبان سے اقرار کرتے ہیں اور آپ ہی سے کمال درجہ کا خوف رکھتے اور آپ ہی کی کمال درجہ کی رحمت کے امیدوار ہیں نہ کہ آپ کے سوا کسی اور سے "حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ انھوں نے فرمایا :- کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی غزاۃ فلقی العدو فسمعتہ یقول یامالك یوم الدین ایاك نعبد وایاك نستعین قال فرأیت الرجال تصرع تضربھا الملائکۃ من بین یدیھا ومن خلفھا ۔ (بغوی ، ماوردی ، طبرانی ، ابو نعیم) ہم ایک غزوہ میں حضور رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ۔ دشمن سے مقابلہ ہوا تو آپ سے میں نے سنا کہ یوں فرما رہے تھے :- یامالك یوم الدین ! ایاك نعبد وایاك نستعین ۔ اے مالک روز جزا ! ہم سب آپ ہی کی عبادت کرتے اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں ۔" حضرت ابوطلحہؓ کا بیان ہے کہ یہ کلمات طیبہ حضور اقدس کی زبان مبارک سے جاری ہوئے تھے کہ میں نے دیکھ لیا کہ دشمن کی فوج پچھاڑی جارہی تھی

اور ملائکہ کرامؑ مقابلہ میں آنے والوں اور مقابلہ سے بھاگنے والوں کو مارتے جا رہے تھے۔"

عبادت کے اقسام پھر عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عبادت تسخیری اور دوسری عبادت اختیاری۔ قسم اول یعنی عبادت تسخیری غیر ناطقین کی ہے مثلاً جمادات نباتات حیوانات کی عبادت کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے وہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں ان کے ارادے اور اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں جمادات مثلاً پہاڑ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاں ٹھہرا دیا وہ اپنی جگہ پر ابتدائے آفرینش سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہی ان کی عبادت ہے۔ درخت حالت قیام میں ہیں ان میں سے بعض بحالت قیام ہیں لیکن جب ہوا چلتی ہے تو وہ رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان کی شاخیں زمین سے جا لگتی ہیں یہ ان کا سجدہ ہے۔ اور حیوانات میں سے بعض رکوع میں ہیں جیسے چارپائے کہ ان کے سر جھکے ہوئے ہیں۔ بعض سجدے کی حالت میں زمین پر سر رکھے ہوئے۔ جیسے رینگنے والے جانور۔ دوسری قسم عبادت اختیاری۔ یہ ناطقین کی عبادت ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور اسی بنا پر وہ اجر و ثواب کے مستحق قرار پاتے ہیں جبکہ ان کی عبادت خالصاً اللہ سبحانہ کے لئے اس کے حکم کے مطابق ہو۔ یہاں ایاک نعبد سے یہی اختیاری عبادت مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ۔ وما خلقت الجن

والانس الا لیعبدون ۔ میں نے جن و انس کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں اور ہمیشہ میرے بندے بنے رہیں۔ مقام غور ہے کہ تسخیری عبادت کی بجاآوری میں کائنات کا ایک ایک ذرہ ہر آن و ہر لحظہ لگا ہوا ہے بلکہ ناطقین کا ایک ایک عضو ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، ناخن اور ہر بُن مو بھی تسخیری عبادت میں مشغول و موظف ہے مگر غفلت و لاپرواہی، سستی و سہل انگاری اگر طاری ہے تو ناطقین پر ہے جن سے اختیاری عبادت مطلوب ہے۔

ایاک نستعین کی تفسیر

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ "اور تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں" یعنی ہر کام اور ہر امر میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہم آپ ہی کی مدد کے خواستگار ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ اگر تمہاری جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو تم اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ہی مدد طلب کرو۔ ظاہر ہے کہ تمام امور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ بیدہ الامر۔ "اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے" تو جب تک عون الٰہی شامل حال نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔

عون کے اقسام

عون (مدد) کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک بلاواسطہ، دوسری بالواسطہ۔ یا بالفاظ دیگر حقیقی اور مجازی۔ حقیقی اور بلاواسطہ مدد تو حق سبحانہ تعالیٰ ہی سے چاہی جائے گی۔ دعائے قنوت میں ہے۔ اللّٰھم انا نستعینک ونستغفرک

اے اللہ! یقیناً ہم آپ سے مدد طلب کرتے اور مدد کی درخواست کرتے ہیں اور آپ سے (اپنے گناہوں کی) مغفرت و بخشش کے خواستگار ہیں" یعنی حقیقی مدد (آپ ہی کے) ہاتھ ہے لہذا آپ ہی سے بلاواسطہ مدد کے طالب ہیں۔ اور حقیقی مغفرت و بخشش کے مالک آپ ہی ہیں لہذا آپ ہی سے بلاواسطہ بخشش اور مغفرت کے طلبگار ہیں۔ اور بالواسطہ مدد اس طرح جیساکہ عام محاورہ ہے: ـ کتبتُ بالقلم۔ میں نے قلم کی مدد سے لکھا" قلم بھی دیگر اشیاء کی طرح چونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اس اعتبار سے قلم کی مدد بھی حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مدد ٹھہری۔ لہذا کتبت بالقلم کہنا صحیح ہوا۔ ارشاد باری ہے: ـ اقرأ وربك الاكرم الذی علّم بالقلم علّم الانسان مالم یعلم۔ پڑھو اور تمہارا رب اکرم وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ اور اسکی وساطت و مدد سے علم سکھایا۔ سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جس کو وہ نہ جانتا تھا" استعانت کے سلسلہ میں باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ـ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ مدد طلب کرو صبر کے ذریعہ سے اور نماز کی وساطت سے" یہاں بھی حقیقی مدد تو اللہ سبحانہ کی ہے لیکن صبر اور نماز کو مددِ الٰہی کی طلب کا واسطہ گردانا گیا ہے کہ اگر صبر اور نماز کی وساطت سے مدد الٰہی کی درخواست کی جائے تو وہ اقرب الی الاجابت ہوگی۔ اسی طرح ذوالقرنین کے قصے میں ارشاد الٰہی ہوا ہے: ـ اعینونی بقوۃ

میری مدد طاقت کے ذریعہ کرو"۔ یعنی سدِّ یاجوج و ماجوج کی تیاری کے سلسلہ میں ذوالقرنین نے کہا کہ مال و متاع کے ذریعہ ہمیں تمہاری کسی امداد و اعانت کی حاجت نہیں۔ اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے سب کچھ سرفراز فرمایا ہے۔ صرف ہاتھ پاؤں کی طاقت اور قوت کے ذریعہ تمہاری امداد و اعانت مطلوب ہے۔ (اس پر بھی تمہاری خدمت کا معقول معاوضہ دیا جائے گا۔) گم گشتہ راہ کو بھی مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اس طرح کہیں:۔ اعینونی عباد اللہ۔ اے بندگان خدا! (رجال الغیب سے خطاب ہے) میری امداد و اعانت کیجئے"۔ اکثر ایسا ہوا اور ہوتا ہے کہ غیب سے کوئی وہاں آتا اور راستہ بتا دیتا ہے۔ ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند یہ بھی منجانب اللہ ہے۔

مقبولان بارگاہ سے استمداد و استعانت بہرحال استعانت بے واسطہ ہو یا بواسطہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و وسائل ہیں اور عون الٰہی کے مظاہر۔ خواہ وہ اشیاء و آلات ہوں یا مقبولان بارگاہ یعنی اللہ سبحانہ کے محبوبین و مقربین (انبیاء علیہم السلام اولیاءُ و صلحاء و شہداء وغیرہم) مومن کو چاہیئے کہ ہر حال میں اسی ذات حق پر نظر رکھے۔ اور ہر امر میں اسی کے دست قدرت کو کارکن سمجھے۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ عون الٰہی

کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یہ خیال کہ انبیاء و اولیاء سے مدد چاہنا شرک ہے باطل ہے۔ اس لئے کہ امداد و اعانت کسی کی بھی ہو در حقیقت وہ اللہ سبحانہٗ کی ہی امداد و اعانت ہے۔ البتہ امداد و اعانت جو بالواسطہ ہو اس میں کسی کو مستقل و بالذات نہ سمجھنا چاہیئے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ چلا ہم کو راہ سیدھی ؎

اھدنا کی تفسیر ذات باری تعالیٰ اور اس کے صفات محققہ کی معرفت اور شناخت کرا دینے کے بعد تعلیم دی گئی کہ ہم اسی کی عبادت کیا کریں کسی غیر کی نہیں۔ اور اپنے تمام حاجات (چھوٹے ہوں یا بڑے) کی تکمیل کے لئے اسی کی امداد و اعانت کے طلبگار رہیں۔ (خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ) از انجملہ سب سے اہم تر اور جامع ترین حاجت یہ کہ ہم سب کو سیدھی راہ چلائے۔ اگر عبادت با جماعت ادا کی جا رہی ہے تو جتنے اصحاب شریک جماعت ہیں ان سب کو سیدھی راہ پر چلانا مطلوب ہوگا۔ اور اگر ہم تنہا عبادت کر رہے ہوں تو اس سے ہمارے تمام اعضاء و جوارح (دل، دماغ، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) سب کو راہ راست پر قائم رکھنا مراد ہوگا کہ ان سے کوئی کام خلاف احکام شرع شریف نہ ہونے پائے۔ ہر امر میں اسی کی رضا و خوشنودی

شامل حال رہے۔

ھدایۃ اللہ کے اقسام اور قسم اول کا بیان ھدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک اراءۃ الطریق یعنی راستہ بتا دینا جو منزل مقصود تک جاتا ہو، دوسرا ایصال الی المطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ اور ھدایۃ اللہ چار طرح پر ہے۔ ایک ہدایت عامہ جو ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لئے بلکہ اس سے بھی عام تر جمادات، نباتات سب کے شامل حال ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ربّنا الذی اعطی کل شیئ خلقہ ثم ھدیٰ۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال پیدا کیا پھر ہر ایک کے مقصد تخلیق کی طرف رہنمائی فرمائی۔" اسی ہدایت کا نتیجہ ہے کہ ہر شئے اس رب جلیل کی ثنا و صفت اور اس کی تسبیح و تحمید میں ہر لحظہ اور ہر آن زبان حال و قال سے رطب اللسان ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔ وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر تم (اے انس و جن) ان کی تسبیح و تحمید کو سمجھ نہیں سکتے ہو۔" بلند بلند پہاڑ قعدے میں ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ تسبیح و تحمید میں مست و مستغرق ہیں۔ درخت اسکی تسبیح و تہلیل میں جھوم رہے ہیں۔ پرندے اپنے اپنے نغمے گا رہے ہیں۔ دیگر حیوانات لطف تسبیح اٹھاتے ہوئے وجد کر رہے ہیں۔ انس و جن کا ہر ہر عضو اپنے مناسب حال

تسبیح وتحمید میں مشغول ومؤظف ہے۔ اور انس وجن بھی حسب ہدایت ربانی تسبیح وتحمید میں اپنے حصے اور نصیب کے مطابق اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم

ہر گیاہے کہ از زمیں روید وحدہٗ لاشریک لہ گوید

ھدایت اللہ کی دوسری قسم ھدایۃ اللہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آسمانی کتابیں نازل کی گئیں اور پیغمبروں کو بھیجا گیا۔ پھر اللہ سبحانہ کو منظور ہوا کہ ارسال رسل اور انزال کتب کا سلسلہ ختم کیا جائے تو آخری کتاب (قرآن کریم) کی تا قیامت حفاظت کا اہتمام فرمایا گیا۔ اور حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں آپ کے خلفا وجانشین علماء پیدا کئے گئے جو قیامت تک منصب نبوت و رسالت کے خدمات جلیلہ حسب حوصلہ انجام دیتے رہیں گے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:۔ انّ ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔ بے شک یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے" اور پیغمبران علیہم السلام اور ان کے متبع خلفاء وعلماء کے باب میں ارشاد ہے:۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ اور ان انسانوں میں سے ہم نے پیشوایان دین پیدا کئے جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے ہیں"

ھدایۃ اللہ کی تیسری قسم تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے

اہل ایمان کو کسی امر خیر کی جو توفیق ہوتی ہے اور اس کارِ خیر کے کرنے کے لئے جو اسباب منجانب اللہ فراہم کئے جاتے ہیں اس کو بھی ھدایۃ اللہ کہتے ہیں باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:۔ ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ شانہ پر ایمان لائے تو اللہ پاک اس کے دل کو راہ ہدایت دکھاتا رہتا ہے" دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ انّ الذین آمنوا وعملوا الصالحات یھدیھم ربّھم بایمانھم یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو ان کا پروردگار ان کے ایمان کی بدولت ان کو راہ ہدایت دکھاتا رہتا ہے" یہ بھی ارشاد ہے:۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا۔ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے رہتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنی راہ دکھاتے رہتے ہیں" والذین اھتدوا زادھم ھدی وآتاھم تقواھم۔ اور جو لوگ راہ ہدایت اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اور ترقی کرتا اور ان کو ان کے تقوے کا صلہ عنایت فرماتا ہے"

ھدایۃ اللہ کی چوتھی قسم

ھدایۃ اللہ کی چوتھی قسم وہ ہے کہ اس عالم کے ختم کے بعد جب عالم آخرت درپیش ہوگا تو اہل ایمان کو جنت کی راہ دکھادی جائے گی اور سیدھا جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ اور اہل ایمان داخل جنت ہو کر اللہ سبحانہ کے شکر گزار ہوں گے۔ وقالوا الحمد للہ الذی

ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ اور اہل ایمان کہیں گے
سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ہم کو اس (مقام کریم جنات نعیم) کی راہ دکھائی اور
ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ اور ہم راہ ہدایت نہ پا سکتے اگر ہدایت الٰہی ہمیں نصیب نہ ہوتی"
دوسری جگہ ارشاد ہے۔ سیھدیھم ویصلح بالھم ویدخلھم الجنۃ عرفھا لھم۔
عنقریب ان کو راہ جنت دکھائے گا اور ان کے قلوب کی اصلاح فرمائے گا اور ان کو
داخل جنت فرمائے گا جس کی شناخت ان کو پیشتر سے کرادی گئی تھی"

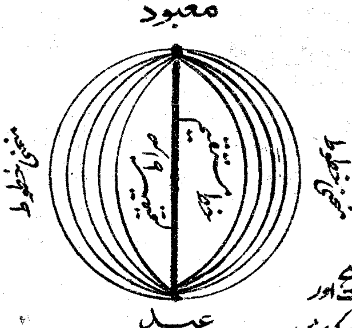
ھدایۃ اللہ کی ترتیب یہ بھی یاد رہے کہ ہدایت الٰہی کے ان چاروں اقسام میں
ترتیب اور تسلسل ہے اور ہر ایک قسم کی ہدایت یکے بعد دیگرے حاصل ہوتی ہے
تاوقتیکہ قسم اول حاصل نہ ہو قسم دوم حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہی حال قسم سوم وچہارم
کا ہے۔ جو لوگ راہ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں ان ہی کو ہدایت نصیب ہوتی
ہے۔ یہ ہدایت کا پہلا درجہ ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے جب ایمان نصیب ہوا
تو اس کے بعد عمل صالح کی توفیق کا درجہ ہے۔ جب یہ بھی حاصل ہو تو اس پر ثبات
واستقامت چاہیئے۔ جیسا کہ والذین اھتدوا زادھم ھدی میں ایما
فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ اس میں ترقی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو درجۂ چہارم
کی ہدایت نصیب ہو چکی تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سابقہ تین مدارج اس کو حاصل تھے۔

اسی طرح کسی کو تیسرا درجہ حاصل ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ پہلے دو درجے حاصل تھے۔ اھدنا الصراط المستقیم کے ذریعہ جس ہدایت کی خواستگاری کی جارہی ہے وہ درجۂ سوم کی ہدایت ہے۔ اس اعتبار سے ہدایت یافتہ اصحاب کے مدارج قائم ہوتے ہیں۔ کوئی ابتدائی درجہ پر ہی رہتا ہے۔ یہ وہی ہے جو صرف ایمان پر قائم رہا اور عمل میں قاصر رہا کوئی عمل میں حصہ لیتا رہا لیکن اس کو استقامت حاصل نہیں ہوئی اور گر کسی کو استقامت بھی نصیب رہی تو اس کا کیا کہنا۔ مگر ایسے افراد کم ہیں۔ اور اھدنا الصراط المستقیم میں یہی مطلوب ہے۔ اسی لئے ہم نے اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ چلا ہم کو راہ سیدھی۔ یہ تفسیر اھدنا کی تھی۔ الصراط المستقیم کی تفسیر آگے آرہی ہے۔

صراط المستقیم کی تفسیر

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (چلا ہم کو) راہ سیدھی۔ یا (دکھا ہم کو راہ سیدھی" حضرت ابن عباسؓ نے اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں فرمایا۔ الھمنا الطریق الھادی وھو دین اللہ الذی لا عوج لہ۔ (ابن جریر ابن المنذر) ہم کو ایسی راہ کا الہام فرمایئے جو (آپ تک) پہنچانے والا ہو۔ اور وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے" دنیا میں راستے بے شمار ہیں جن پر لوگ گامزن ہیں۔ اور ہر ایک کی منزل مقصود بھی جدا ہے۔ ہمیں ان تمام راستوں سے بحث نہیں۔ ہمارا مقصد صرف اس راہ کی نشاندہی ہے جو موصل الی اللہ ہو۔

اگر سب کی منزل مقصود ایک بھی ہو تو علم ریاضی میں بتلایا گیا ہے کہ ایک نقطے کو دوسرے نقطے سے ملانے کے لئے بھی بے شمار خطوط کھینچے جاسکتے اور ان کے ذریعہ ایک کو دوسرے سے ملایا جاسکتا ہے لیکن یہ بے شمار خطوط منحنی ہوں گے ان میں کہیں نہ کہیں کجی اور ٹیڑھا پن ہوگا اور یہ کجی جتنی زیادہ ہوگی وہ خط زیادہ طویل اور درازتر ہوگا جس کو طے کرنا دشواری سے خالی نہ ہوگا۔ ہاں اگر خط مستقیم کے ذریعہ ان دونوں نقطوں کو ملایا جائے تو وہ خط سب سے چھوٹا اور سہل الوصول ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ایک ہی ہوگا۔ حاشیہ پر اس کا نقشہ ملاحظہ ہو۔



خط مستقیم جو نقشے میں جلی قلم بتایا گیا ہے وہی صراط مستقیم ہے جو ایک ہی ہے اس میں تعدد اور دوئی کی گنجائش نہیں جو طریق اہل السنۃ والجماعت ہے اور منحنی خطوط سے اسلام کے (۷۲) فرقے مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں یہی درخواست کی جارہی ہے کہ پروردگارا! ہم کو سیدھی راہ دکھایئے کہ ہم اسی پر چلتے ہوئے جلدتر، بسہولت تمام آپ تک بغیر کسی مشقت کے چلتے رہیں۔ یا ہم کو اسی صراط مستقیم پر چلایئے کہ اس سے ہٹنے اور بھٹکنے نہ پائیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ دین اللہ ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے موقع پر فرمایا:۔ الصراط المستقیم الاسلام۔ (ابن جریر) صراط مستقیم اسلام ہی ہے۔"

حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی اسی طرح مروی ہے (ابن جریر)

صراط مستقیم کتاب اللہ ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: ۔ ھو کتاب اللہ۔ (وکیع، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن الانباری، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) صراط مستقیم "کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے" یہ بھی فرمایا: ۔ ان هذا الصراط محتضر تحضرہ الشیاطین یا عباد اللہ هذا الصراط فاتبعوه والصراط المستقیم کتاب اللہ فتمسکوا به (ابن الانباری) یہ صراط (راہ اسلام ہو یا کتاب اللہ) ایک اڈہ ہے جہاں (سے بھٹکانے اور بہکانے کیلئے) شیاطین موجود رہتے ہیں اے بندگان خدا! تم اس راہ اسلام کا اتباع کیا کرو۔ اور صراط مستقیم اللہ کی کتاب ہے لہٰذا اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے رہو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: ۔ الصراط المستقیم الذی ترکنا علیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ (طبرانی) صراط مستقیم (دین اسلام یا کتاب اللہ) یہی ہے جس پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو لا چھوڑا۔" دوسری روایت یوں ہے: ۔ الصراط المستقیم ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی طرفه والطرف الآخر فی الجنۃ۔ (ابن مردویہ، بیہقی) صراط مستقیم یہی ہے

جس کے ایک سرے پر ہم کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا چھوڑا اور دوسرا سرا جنت میں ہوگا۔"

صراط مستقیم حضور کی ذات اقدس اور شیخین ہیں

حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں:۔ ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحباہ من بعدہ۔ صراط مستقیم حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور آپ کے بعد آپ کے دونوں اصحاب (شیخین یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں۔" حضرت عاصم احول نے حضرت ابوالعالیہؒ کی یہ تفسیر سُن کر اس کا تذکرہ حضرت حسن بصریؒ سے کیا تو انھوں نے فرمایا:۔ صدق ابو العالیۃ ونصح ابوالعالیہ نے بہت سچ کہا اور خالص خیرخواہی کی بات فرمائی۔" حضرت ابوالعالیہؒ نے یہ بھی فرمایا:۔ تعلموا الاسلام فاذا علمتموہ فلا ترغبوا عنہ وعلیکم بالصراط المستقیم فان الصراط المستقیم الاسلام ولا تحرفوہ یمینا وشمالا۔ (عبد بن حمید) اسلام کو سیکھو پھر جب اس کو سیکھ لو تو اس سے اعراض اور روگردانی نہ کرو۔ اور صراط مستقیم اختیار کرو، کیونکہ صراط مستقیم راہ اسلام ہے اس کو داہنے بائیں موڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

قرآن کریم جامع کلام ہے

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔ لیس فی

تفسیر القرآن اختلاف وانّما ھو کلام جامع یراد بہ ھذا وھذا (سعید بن منصور، ابن المنذر، بیہقی) قرآن کریم کی تفسیر میں اختلاف نہیں ہے بلکہ وہ جامع کلام ہے اس سے یہ معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اور وہ بھی۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:- انّك لا تفقہ کلّ الفقہ حتی تری للقرآن وجوھا۔ (ابن سعد، ابو نعیم) تم فقیہ کامل نہیں ہو سکتے تا آنکہ قرآن کریم کے تمام وجوہ و معانی کو نہ جان لو۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم کی تفسیر میں سلف صالحین کے اقوال، صحابہ کرام کے آثار اور حضور رحمۃ للعالمین کے احادیث شریفہ میں ایک ایک آیہ کریمہ اور اس کے ایک ایک کلمہ کے کئی کئی معانی ملیں گے جس سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوگا کہ اسکی تفسیر میں اختلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن کریم اللہ سبحانہ تعالیٰ کا جامع کلام ہے جو تمام تفاسیر اور معانی کی اپنے اندر گنجائش رکھتا ہے اور ہر تفسیر و معنی جو سلف سے منقول ہے بجائے خود صحیح و درست ہے۔

قرآن کریم میں ہر زمانے کے واقعات کا حل موجود ہے

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے:- ستکون فتن قلت وما المخرج منھا قال کتاب اللّٰہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل

لیس بالھزل، وھو حبل اللہ المتین، وھو ذکرہ الحکیم وھو الصراط المستقیم
(ابن ابی شیبہ، دارمی، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، ابن مردویہ، بیہقی)

آئندہ فتنے پیدا ہوں گے۔ (حضرت شیر خدا فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ ان فتن سے صحیح و سالم عہدہ برآ ہونے کی پھر کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ارشاد ہوا۔ اللہ کی کتاب (قرآن کریم سے تمسک کرنا، اس کو کبھی نہ چھوڑنا) اس میں تمھارے ماقبل زمانے کے تمام واقعات درج ہیں (ماضی میں جو کچھ ہوا ہے اس کے پوست کندہ تمام واقعات بتا دئے گئے ہیں) اور تمھارے بعد آنے والے جملہ احوال کی خبریں بھی ہیں۔ (کہ بعد والوں کو کن کن احوال سے گزرنا ہوگا اور مستقبل یعنی آنے والے زمانے میں کیا کیا امور درپیش ہوں گے ان کی خبر دے دی گئی اور ان سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔) اور تمھارے مابین جو واقعات و احوال درپیش ہیں ان کا حکم بھی واضح طور پر بتا دیا گیا ہے۔ (یعنی زمانۂ حال کے تمام امور بھی آئینہ طرح تمھارے سامنے رکھ دئے گئے ہیں۔) قرآن کریم کا ہر حکم، وہی قول فیصل ہے۔ وہ کوئی سطحی، دل بہلائی کا کام نہیں (بلکہ جچا تلا کلام ہے) وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے (جس کو تھام کر عبدیت کے اسفل مقام سے معبودیت کے مقام رفیع تک پہنچنے کا قوی ذریعہ ہے) اور وہی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی یاد دلانے والی کتاب ہے۔

اور وہی صراط مستقیم ہے۔" قرآن کریم میں ہر زمانے کے احوال کا حل موجود ہے۔

کتاب و سنت لازم و ملزوم | حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:۔ سمعت ابن عباسؓ یحدث عن الخوارج الذین انکروا الحکومۃ فاعتزلوا علی بن ابی طالب قال فاعتزل منھم اثنا عشر الفا فدعانی علیؓ فقال اذھب الیھم فخاصمھم وادعھم الی الکتاب والسنۃ ولا تحاجھم بالقرآن فانہ ذو وجوہ ولکن خاصمھم بالسنۃ۔ (ابن سعد) میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ خوارج کے واقعات بیان فرما رہے تھے جنہوں نے تحکیم (ثالثی) کا انکار کیا تھا (وہ تحکیم کو نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ جنگ صفین کے موقع پر آپ نے ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم کیوں مقرر کیا۔ ثالثی مقرر کرنا اور ثالث کے حکم پر راضی ہونا قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کا حکم یہ ہے:۔ ان الحکم الا للہ۔ حکم کسی کا نہیں صرف اللہ سبحانہ کو اس کا حق ہے) اس بنا پر خوارج نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اس طرح بارہ ہزار کا لشکر آپ کی رفاقت سے انکار کرکے آپ سے جدا ہو گیا۔ اس موقع پر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے یاد کیا اور فرمایا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ۔ اور ان کو قائل کرو۔ انکو کتاب وسنت کا اتباع کرنے کی دعوت دو۔ (مگر خبردار) صرف قرآن کریم سے قائل کرنے کی

کوشش نہ کرنا کیونکہ قرآن کریم کے ایک ایک کلمہ کے کئی معانی ہو سکتے ہیں لیکن ان کو طریق سنت کے ذریعہ قائل کرو۔" حضرت عمران بن مناح فرماتے ہیں: فقال ابن عباسؓ یا امیر المؤمنین فانا اعلم بکتاب اللہ منھم فی بیوتنا نزل فقال صدقت ولکن القرآن جمال یقول ویقولون ولکن حاججھم بالسنن فانھم لن یجدوا عنھا محیصا فخرج ابن عباس الیھم فحاجھم بالسنن فلم یبق بایدیھم حجۃ۔ (ابن سعد) (سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ خوارج سے بحث کرنے کے لئے جاؤ) تو ابن عباسؓ نے کہا۔ امیر المؤمنینؓ میں ان کے مقابلہ میں کتاب اللہ سے خوب واقف ہوں۔ وہ تو ہمارے گھروں میں نازل ہوا ہے۔ تو حضرت شیر خداؓ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن قرآن کریم مجمل ہے وہ ایک حکم دیتا ہے اور یہ کچھ اور کہیں گے لہٰذا تم احادیث شریفہ کے ذریعہ ان سے بحث کرو اور اپنی حجت قائم کرو تو وہ ان احادیث شریفہ سے گریز نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ابن عباسؓ خوارج کی طرف روانہ ہوئے اور احادیث شریفہ کو پیش کرکے ان سے بحث کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج کے ہاتھ میں کوئی حجت باقی نہیں رہی" اور شکست کھا گئے۔

عرض فقیر	فقیر عرض کرتا ہے کہ ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ صراط مستقیم سے

خواہ دین اسلام مراد لیا جائے یا قرآن کریم مراد لیں یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک مراد لی جائے یا شیخین نیرین (سیدنا صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یا حضرات اہل بیت کرام مراد لئے جائیں جن کے کاشانہ مبارک میں قرآن کریم نازل ہوا۔ طریق اہل السنۃ والجماعۃ ہی صراط مستقیم ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل و اصحاب، سنت و کتاب اور سواد اعظم سب کو مانتے ہیں۔ وللہ الحمد۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان فرمایا"

صراط الذین فاتحہ کی چھٹی آیت ہے	حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:۔ انعمت علیھم الآیۃ السادسۃ (ثعلبی) ارشاد باری تعالیٰ انعمت علیھم

چھٹی آیت ہے۔" یعنی سورۂ فاتحہ جو بالاتفاق سات آیات کریمہ پر مشتمل ہے اور جس کی بنا پر سورۂ فاتحہ کا دوسرا نام سبع مثانی ہے اس کی چھٹی آیت انعمت علیھم ہے اور اس کے بعد کی آیہ کریمہ ساتویں آیت ہے جس پر سورۂ فاتحہ ختم ہوتا ہے۔ قراء کوفہ کی قراءت بھی یہی ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو مستقل آیت مانتے اور سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورت کا جزو نہیں قرار دیتے۔ یہی مذہب ہمارے امام

حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کا ہے جیساکہ اوپر گزر چکا۔

صراط الذین انعمت علیہم کی تفسیر صراط الذین انعمت علیہم، سابقہ آیۂ کریمہ اھدنا الصراط المستقیم میں جو الصراط ہے اس کی صفت یا بدل ہے۔

یعنی وہی صراط مستقیم جو منعم علیہم کی راہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا انعام اور فضل و احسان جن پر ہے اگر کوئی انسان ان کی راہ پر چلے گا تو منزل مقصود پر پہنچیگا اور حق سبحانہ تعالیٰ کے انعام اور اس کے فضل و احسان کا مستحق قرار پائے گا۔ یہاں درخواست یہی ہے کہ بار الٰہا! ہم کو ان ہی کی راہ پر قائم رکھئے اور اسی پر چلائیے جس پر چل کر اور قائم رہ کر آپ کے منعم علیہم بندے اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور آپکے انعام اور فضل و احسان کے مستوجب ہوئے۔ رہا یہ کہ وہ منعم علیہم کون ہیں؟ انکی نسبت روایات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

منعم علیہم کی تفسیر احادیث و آثار سے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: صراط الذین انعمت علیہم یقول طریق من انعمت علیہم من من الملائکۃ والنبیین والصدیقین والشہداء والصالحین الذین اطاعوک وعبدوک (ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ) آیۂ کریمہ صراط الذین

انعمت علیھم کی تفسیر یہ ہے کہ (ہمیں چلائیے) راہ ان کی جن پر آپ کا انعام اور فضل و احسان ہوا۔ وہ ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء و صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو ہمیشہ آپ کی اطاعت کرتے رہے اور آپ کی بندگی میں مشغول رہے۔" یہ تفسیر ارشاد باری تعالیٰ شانہ ومن یطع اللہ ورسولہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین سے ماخوذ ہے۔ جس میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگا رہتا ہے وہ ان بزرگوں کے ساتھ ہوگا جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی نوازشوں سے نوازا اور سرفراز کیا وہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں۔" پھر اس کے بعد فرمایا:۔ وحسن اولئک رفیقا۔ اور یہ بزرگوار بہترین رفقاء ہیں اور ان کا ساتھ بہت ہی اچھا ساتھ ہے کہ اس جیسا اور کوئی ساتھ نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے بہتر کوئی رفاقت ہو سکتی ہے۔

حضرت ابو زیدؓ صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن معہ۔ (ابن جریر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ رہنے والے منعم علیھم ہیں۔" یعنی آپ کے ازواج مطہرات امہات المؤمنینؓ اور اولاد امجادؑ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے

صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے :۔ المؤمنین (ابن جریر)
تمام اہل ایمان منعم علیھم ہیں" یعنی اہل ایمان کا سواد اعظم جس راہ پر گامزن ہے۔
اور ظاہر ہے کہ سواد اعظم، اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف
ہے :۔ اتّبعوا السواد الاعظم فمن شَذَّ شُذَّ فی النار۔ تم (مسلمانوں کی
بڑی جماعت کا اتباع کرو پھر جو اس سے نکل جائے گا اس کو سب سے الگ کر کے دوزخ
میں ڈالا جائے گا" مطلب یہ ہوا کہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائیے جو انبیائے کرام علیہم السلام
صدیقین، شہداء، صالحین، نیز امہات المومنین، اہل بیت اطہار، صحابۂ کبارؓ اور اہل
ایمان کی راہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن امور پر سلف صالحین اور بزرگان دین کا
عمل رہا وہ سب صراط مستقیم میں داخل ہیں اور یہ طریق مسلمین ہے۔ یہ صراط مستقیم کا
مثبت پہلو ہوا آگے ارشاد ہے۔

ع ١ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ نہ راہ ان کی جن پر غضب
ہوا اور نہ ان کی جو بھٹک گئے"

مغضوب علیھم اور ضالین کی تفسیر

یہ صراط مستقیم کا منفی پہلو ہے کہ طالب حق اور سالک راہ خدا اور رسول پر لازم ہے کہ وہ دشمنان دین اور
اسلام کے مخالفین کے ساتھ امور دین میں میل جول نہ رکھے۔ اور ان کی راہ و رسم اور

اور وضع قطع اختیار نہ کرے۔ کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ جن سے ناراض ہے اور جن پر غضب الٰہی نازل ہوا یا جو صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں ان سے اجتناب لازم ہے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

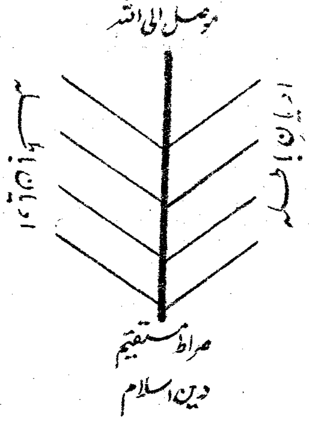
انّ المغضوب علیھم الیھود وانّ الضآلین النصاریٰ۔ (امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ترمذی بروایت حسن، ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن حبان) یقین جانو کہ جن پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا وہ یہود ہیں اور یہ بھی یقین مانو کہ جو لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے، وہ نصاریٰ ہیں۔" حضرت شرید فرماتے ہیں: ۔ مرّ بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا جالس ھٰکذا وقد وضعت یدی الیسریٰ خلف ظھری واتکأت علیٰ الیۃ یدی قال اتقعد قعدۃ المغضوب علیھم (امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن حبانؒ، حاکم بروایت صحیحہ طبرانی) حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر میرے پاس سے ہوا ایسی حالت میں کہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا یعنی میں اپنا بایاں ہاتھ، اپنی پیٹھ پیچھے رکھا ہوا اور اپنی سُرین کو اپنے ہاتھ سے ٹیک لگایا ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کیا تم مغضوب علیہم (یہود) کی بیٹھک اختیار کئے ہوئے ہو؟" اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو غیروں کی مخصوص نشست و برخاست چال، ڈھال سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔ یہود تو اہل کتاب ہیں جب ان کی عادات و اطوار سے

دوری اختیار کرنے کا حکم ہے تو کفار و مشرکین سے کس درجہ اجتناب کرنا چاہئے ظاہر ہے۔حضرت عبداللہ بن شقیقؒ کہتے ہیں:۔ اخبرنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بوادی القری علی فرس لہ وسألہ رجل من بنی العین فقال من المغضوب علیھم یا رسول اللہ قال الیھود قال فمن الضالون قال النصاریٰ۔ (عبدالرزاق، امام احمدؒ، عبد بن حمید، ابن جریر، بغوی، ابن المنذر، ابوالشیخ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے ہوئے ایک صحابیؓ نے مجھے خبر دی جبکہ آپ مقام وادی قری میں اپنے گھوڑے پر سوار تھے تو قبیلہ بنی عین کے ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! مغضوب علیھم کون ہیں؟ فرمایا وہ یہود ہیں۔ پھر عرض کیا۔ضالین کون ہیں تو ارشاد فرمایا کہ وہ نصاریٰ ہیں۔" اسی مضمون کی اور بھی متعدد روایات ہیں جن سے واقعہ صدر کی تائید ہوتی ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جن صحابی نے دریافت کیا وہ حضرت ابوذر غفاریؓ تھے۔ حافظ حدیث ابن ابی حاتم کا بیان ہے:۔ لا اعلم خلافا بین المفسرین فی تفسیر المغضوب علیھم بالیھود والضالین بالنصاریٰ۔ (ابن جریر) میں جہاں تک جانتا ہوں مغضوب علیھم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی تفسیر نصاریٰ سے کی جانے کے بارے میں مفسرین کرام کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مغضوب علیہم یہود اور ضالین نصاریٰ ہونیکا ثبوت

یہود کا مغضوب علیہم ہونا قرآن کریم میں مصرح ہے۔ یہود کے بارے میں باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔ من لعنہ اللہ و غضب علیہ وجعل منہم القردۃ والخنازیر۔ "یہ وہ گروہ ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنی رحمت سے دور کیا اور لعنت کی اور اس پر غضب الہٰی ہوا اور ان میں سے کوئی بندر بنائے گئے اور کوئی سور" (العیاذ باللہ)

یہود کے مغضوب علیہم ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں اور بھی تصریحات ہیں اور نصاریٰ کے باب میں ارشاد باری ہے:۔ ولا تتبعوا اھوآء قوم قد ضلوا۔ اور (اے مسلمانو!) تم اس قوم کے اہوا، اور خواہشات کا کبھی اتباع نہ کرنا جو (صراط مستقیم سے) بھٹک گئی" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح



ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ صراط مستقیم ہے (جو دین اسلام کی سیدھی سادی راہ ہے جو موصل الی اللہ ہے۔) اور اس کے داہنے بائیں چند خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ادیان باطلہ ہیں جو راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطوط موصل الی اللہ نہیں ہو سکتے ہ

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

بیزاری میں یہود کی تقدیم کی وجہ یہاں مغضوب علیہم (یہود) سے بیزاری کا بیان پہلے اور ضالین (نصاریٰ) کا ذکر بعد اس بنا پر ہے کہ گو یہ دونوں قومیں اہل کتاب سے ہیں اور دونوں دشمن اسلام اور مسلمانوں کے بھی دشمن ہیں لیکن یہودی قوم کا زمانہ مقدم اور ان کی دشمنی قدیم سے ہے۔ نصاریٰ ان سے بہت زمانہ بعد آئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہود کی دشمنی شدید ترین ہے، ان کے مقابلہ میں نصاریٰ کی دشمنی کم ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: لتجدن اشد الناس عداوة للذین آمنوا الیهود والذین اشرکوا ولتجدن اقربهم مودة للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ۔ (اے نبی کریم) آپ یہود کو ایمان والوں کا شدید ترین دشمن پائیں گے اور ان کو بھی جو شرک کرتے ہیں۔ نیز آپ مسلمانوں کی دوستی میں قریب تر ان کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں"۔ اس کی وجہ اور تفصیل اس آیہ کریمہ کی تفسیر کے موقع پر ان شاء اللہ آگے آئے گی جب سلسلہ تفسیر سورۂ مائدہ تک پہنچیگا۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مغضوب علیہم (یہود) کا کفر شدید تر ہے۔ جبھی تو وہ مورد غضب ہوئے۔ نصاریٰ راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی صحیح راستے پر لگ جائیں۔ کما قال تعالیٰ وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته۔ (نزول عیسیٰ کے بعد) اہل کتاب (نصاریٰ)

میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو مرنے سے پہلے ان پر ایمان نہ لایا ہو۔" مغضوب علیہم سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔

فاتحہ پڑھنے والوں پر الطاف الٰہی

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ کے باب میں ارشاد فرمایا:۔ اقرأوا یقول العبد الحمد للہ رب العالمین فیقول اللہ حمدنی عبدی ویقول العبد الرحمٰن الرحیم فیقول اللہ اثنی علیّ عبدی ویقول العبد ایاک نعبد و ایاک نستعین فیقول اللہ ھذا بینی و بین عبدی اولھا لی وآخرھا لعبدی و لہ ما سأل ویقول العبد اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین فیقول اللہ ھذا لعبدی و لعبدی ما سأل۔ (امام مالکؒ، سفیان بن عیینہؒ، ابوعبیدؒ، ابن ابی شیبہؒ، امام احمدؒ، بخاری فی جزء القراءۃ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن الانباری، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی) پڑھا کرو، بندہ کہتا ہے:۔ الحمد للہ رب العالمین، "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عوالم کا پالن ہار ہے۔" تو اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ "میرے بندے نے میری حمد کی۔" پھر بندہ عرض کرتا ہے:۔ الرحمٰن الرحیم، "جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔" تو ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ میرے بندے نے میری

ثنا کی۔" پھر بندہ عرض رسا ہوتا ہے: ۔ مالك يوم الدين ۔ جو روز جزا کا مالک ہے۔" تو ارشاد باری ہوتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔" بندہ عرض پرداز ہوتا ہے: ۔ ایاك نعبد وایاك نستعين "ہم آپ ہی کی بندگی کرتے اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔" تو فرمان خداوندی ہوتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔ اس کا پہلا حصہ (ایاك نعبد ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں) خاص میرے لئے ہے اور اس کا آخری حصہ (ایاك نستعين ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) میرے بندے لئے مختص ہے۔ اور اس کو اس کی منہ مانگی مراد مل جائے گی۔" اب بندہ (بکمال عجز و الحاح نہایت ادب سے) درخواست کرتا ہے: ۔ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۔ ہم کو سیدھی راہ چلائیے راہ ان کی جن پر آپ کا انعام و احسان ہوا۔ نہ (راہ) ان کی جن پر غضب ہوا اور نہ (راہ) ان کی جو بھٹک گئے۔" اس پر فرمان الٰہی شرف صدور لاتا ہے کہ یہ خالص میرے بندے کے لئے ہے اور اس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو وہ مانگ لے۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس حدیث شریف کی پندرہ جلیل القدر حفاظ حدیث نے تخریج کی ہے جن میں دو ائمہ فقہ اور جملہ اصحاب صحاح ستہ بھی شامل ہیں جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ ایسے بہت کم احادیث شریفہ ہیں جن کو اتنی کثیر جماعت

محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہو۔ اس کی صحت اور مقبولیت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی ایک مناجات ہے جس میں وہ عرض رسا ہیں ؎

الٰہی اگر یک بار گوئی بندۂ من ۔۔۔ از عرش بگزرد خندۂ من

یا الٰہا! اگر آپ صرف ایک دفعہ بھی فرما دیں کہ (عبداللہ) میرا بندہ ہے تو میری مسرت تشکر کا نعرہ عرش اعظم سے بھی پار پہنچ جائے گا۔" مطلب یہ کہ عبداللہ تو عمر بھر کہتا رہا الٰہی الٰہی الٰہی۔ آپ ایک دفعہ تو فرمائیے کہ عبداللہ میرا بندہ ہے۔ عبداللہ آپ سے بس اسی قدر چاہتا ہے اور کچھ نہیں چاہتا۔ آپ نے حضرت نوحؑ کی شان میں فرمایا:۔ انّہ کان عبداً شکوراً۔ "یقیناً وہ بہت شکرگزار بندے تھے۔" نیز ارشاد ہوا:۔ واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب۔ "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق اور یعقوب کو۔" واذکر عبدنا داؤد۔ "اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو۔" سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ "پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے ذرا سے حصے میں اپنے بندۂ خاص (حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مسجد حرام (خانہ کعبہ مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس ملک شام) تک سیر کرائی۔" اگر از راہ کرم و عنایت عبداللہ کو بھی یکبارگی عبدی یا بندۂ من فرمائیں تو میری خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ اس تمنائے دیرینہ کے مدنظر اگر عدشِ بالا پر

نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں پڑھنے تک رب العزت
جل جلالہ وعم نوالہ سات دفعہ عبدی فرماتے جاتے ہیں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں
اس کا طریقہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اتنا وقفہ کیا کریں جتنی دیر میں
حمدنی عبدی کہا جا سکے۔ پھر الرحمن الرحیم کہہ کر اسی طرح اتنا وقفہ کریں کہ اثنی
علیّ عبدی کہہ سکیں۔ دل میں یہی تصور ہو کہ ایسا جواب رب العزت کے پاس سے
ملا ہے۔ اگر یہ تصور قائم ہو جائے تو عجب نہیں کہ حمدنی عبدی اور اثنی علی عبدی
کا جواب گوش ہوش سے سنائی بھی دے۔ یہ عمل نوافل میں ہونا چاہیے۔ اگر امام
فرض نماز پڑھا رہا ہو تو وہ ایسا وقفہ نہ کرے تاکہ مقتدیوں پر گرانی کا باعث نہ ہو۔
نماز کو مقتدیوں پر گراں کرنا مکروہ ہے۔ فاتحہ کی ابتدائی آیات پر وقف نہیں ہے
اس لئے ملا کر ہی وصل کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ ہاں اگر تنہا نماز پڑھ رہے ہوں تو
ہر آیت پر وقف کرنے میں مضائقہ نہیں۔

سات آیات کی تعیین اور خداوند بندے میں ان کی تقسیم

حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں: قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحۃ الکتاب ثمّ
قال قال ربّکم ابن آدم انزلت علیک سبع آیات ثلاث لی وثلاث
لک وواحدۃ بینی وبینک فامّا التی لی فالحمد للہ ربّ العالمین

الرحمان الرحیم مالك یوم الدین والتی بینی و بینك ایاك نعبد و
و ایاك نستعین منك العبادۃ وعلی العون لك واما التی لك اهدنا
الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین
(طبرانی) حضور رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ کتاب کی تلاوت فرمائی
پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پروردگار نے ارشاد فیض بنیاد فرمایا:۔ اے فرزند آدم!
میں نے تجھ پر سات آیات کریمہ اتاری ہیں جن میں سے تین خاص میرے لئے ہیں اور
ایک میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے اور تین تیرے لئے مختص ہیں۔ (ان میں سے)
تین آیات کریمہ جو خاص میرے لئے ہیں وہ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم
مالك یوم الدین ہیں۔ اور جو آیت کریمہ میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے وہ
ایاك نعبد و ایاك نستعین ہے۔ تیری طرف سے عبادت ہے اور مجھ پر
تیری مدد لازم ہے۔ اور (باقی تین آیات کریمہ جو تیرے ساتھ مختص ہیں وہ اهدنا
الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین
ہیں۔"

بسم اللہ کسی سورۃ کا جزو نہ ہونے کا ثبوت	ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس امر کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک مستقل

آیت ہے اور سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورے کا جزو نہیں ہے ان کا استناد اسی نوع کی احادیث شریفہ سے ہے۔ جن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا کہیں ذکر نہیں اور نہ بسم اللہ کے پڑھنے پر رب العزت جل جلالہ کا کیا ارشاد ہوتا ہے اس کا کوئی تذکرہ ہے اگر بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو قرار دیا جاتا تو جس طرح فاتحہ کی ہر آیت پر ارشاد خداوندی جو کچھ ہوتا ہے بسم اللہ کی آیۂ کریمہ پڑھنے پر بھی ضرور اس کا ذکر یا تھوڑا سا تذکرہ ہوتا دلیل اس امر کی ہے کہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے اور ایک سورت کو دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ فاتحہ یا اور کسی سورت کا جزو نہیں قرار دیتے ہیں حضرت قبلہ گاہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی دوسری متعدد سورتوں کا سیاق بھی اسی کی رہنمائی کرتا ہے۔ تمثیل کے طور پر سورۂ اقرأ سے آخر قرآن کریم یعنی سورۂ ناس تک جتنی سورتیں ہیں ان کے ملاحظے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف فصل و امتیاز کے لئے ہے۔ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ وقس علی ہذا۔ واللہ اعلم۔

قراءت سورہ فاتحہ کا ادب

حضرت ابو میسرہؓ فرماتے ہیں:۔ لما اقرأ جبرئیل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاتحۃ الکتاب فبلغ ولا الضالین قال قل آمین فقال آمین۔ (وکیع ابن ابی شیبہ) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کتاب اللہ کی ابتدائی سورت (فاتحہ) پڑھائی اور (ابتدا سے پڑھاتے ہوئے) ولا الضالین پر پہنچے تو آپ سے فرمائش کی کہ آمین کہئے۔ چنانچہ آپ نے آمین کہا"۔ اس وقت سے یہی سنت سنیہ جاری ہے کہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہا جاتا ہے۔ اور یہی سنت تا قیامت ان شاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گی۔

آمین رب العالمین کی مہر ہے

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ آمین خاتم رب العالمین علی لسان عبادہ المؤمنین۔ (طبرانی، ابن عدی، ابن مردویہ) آمین رب العالمین کی مہر ہے جو اس کے ایمان دار بندوں کی زبان پر ودیعت فرمائی گئی ہے"۔ جس طرح مہر لگے ہوئے کاغذات، تحریرات، اسناد، اور عہد نامے وغیرہ عام طور پر قبول ومنظور کرلئے جاتے اور ان کو موثق سمجھا جاتا ہے یہی حال اس دعا کا ہے جس کے خاتمہ پر آمین کہا گیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر دعا کو آمین پر ختم کرنا چاہئے۔ اس سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت

ابوزہیر نمیریؓ صحابہ کرام سے ہیں ان کی عادت شریفہ تھی :۔ انہ کان اذا دعا الرجل بدعاء قال اختمہ بآمین فان آمین مثل الطابع علی الصحیفۃ و قال اخبرکم عن ذلک خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فاتینا علی رجل قد الح فی المسألۃ فوقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمع منہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوجب ان ختم فقال رجل من القوم بای شیئ یختم قال بآمین فانہ ان ختم بآمین فقد اوجب (ابوداؤد البتہ حسن) جب کسی شخص کو کوئی دعا مانگتا پاتے تو اس سے کہتے کہ اپنی دعا کو آمین پر ختم کرو کیونکہ آمین صحیفہ پر مہر لگانے کے طور پر ہے اور کہتے کہ اس کی حقیقت حال سے میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں ۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم چند اصحاب نکلے ۔ ہمارا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو کمال انہماک کے ساتھ مشغول دعا تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعاؤں کو سماعت فرمانے کے لئے ٹھہر گئے پھر فرمایا کہ اگر اس نے اپنی دعا پر مہر ثبت کردی تو مراد پائی ۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ مہر کس چیز کی لگائے گا ؟ تو ارشاد ہوا کہ آمین کی مہر کیونکہ اگر وہ دعا کے ختم پر آمین کہے گا تو اپنی مراد پالے گا " یعنی اس کی دعا درجۂ قبولیت پر پہنچ جائے گی ۔

آمین کے معنی | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ قلت یا رسول اللہ : ما معنی

آمین قال ربّ افعل۔ (جویبر عن الضحاک) میں نے عرض کیا اے خدا کے پیارے رسولؐ! آمین کے معنی کیا ہیں؟ ارشاد مبارک ہوا اے میرے پروردگار ایسا ہی کیجئے۔" اسی طرح کی ایک اور روایت ابو صالح نے حضرت ابن عباسؓ سے بطریق کلبی کی ہے جس کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔ حضرت ہلال بن یساف اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ آمین اسم من اسماء اللّٰہ۔ (وکیع ابن ابی شیبہ) "اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام آمین بھی ہے۔" جس کا واسطہ دیکر دعائیں کی جاتی ہیں اور اس کی برکت سے وہ قبول ہوتی ہیں۔ ابو علی فسوی کہتے ہیں:۔

اراد ھٰذا القائل فی آمین ضمیر اللّٰہ تعالیٰ لانّ معناہ استجب۔ (مفردات)

"اس قول کے قائل کی مراد یہ ہے کہ آمین میں ضمیر مستتر ہے جو اللہ سبحانہ کی طرف رجوع ہوتی ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قبول فرمائیے۔" حضرت اسماعیل بن مسلم کہتے ہیں:۔

وکان الحسن اذا سئل عن معنی آمین ما تفسیرھا قال ھو اللّٰھم استجب

(ابن شاہین) "حضرت حسن بصری سے جب آمین کے معنی کی نسبت دریافت کیا جاتا کہ اس کلمہ کی تفسیر کیا ہے تو وہ فرماتے اس کے معنی یہ ہیں کہ بارالٰہا! اس دعا کو قبول فرمایئے۔" کوئی کہتے ہیں کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اس کو معرّب کیا گیا ہے۔ در اصل یہ ھماین تھا یعنی ھمیں کن۔ ایسا ہی کیجئے۔" بہر حال کلمۂ آمین قرآن کریم سے خارج ہے اس میں داخل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس کو ولا الضالین کے بعد قرآن میں لکھا نہیں گیا۔ واللہ اعلم۔

یہود حسود کا آمین سے حسد ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ــ ماحسدتکم الیھود علی شیئٍ ما حسدتکم علی التأمین ۔ (امام احمدؒ، ابن ماجہ، بیہقی) یہود نے تمہارے ساتھ کسی امر پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا کہ تمہارے آمین کہنے پر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے: ــ فاکثروا من قول آمین ۔ (ابن ماجہ) لہٰذا تم کثرت کے ساتھ (دعا کے بعد) آمین کہا کرو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ــ اعطیت ثلاث خصالٍ اعطیت صلاۃ فی الصفوفِ واعطیت السلامَ وھو تحیۃ اھل الجنۃ واعطیت آمین ولم یعطھا احدٌ ممن کان قبلکم الّا ان یکون اللہ اعطاھا ھارون فانّ موسیٰ کان یدعو وھارون یؤمّن، ولفظ الحکیم انّ اللہ اعطی امّتی ثلاثًا لم یعطھا احد قبلھم السلام وھو تحیۃ اھل الجنۃ، وصفوف الملائکۃ وآمین الّا ما کان من موسیٰ وھارون ۔ (حرث بن ابی اسامہ، حکیم ترمذی، ابن مردویہ) مجھے تین خصوصیات دی گئیں۔ صفیں باندھ کر نماز پڑھنا مجھے (خصوصیت سے) عنایت ہوا اور مجھے سلام دیا گیا اور وہ اہل جنت کی تحیت ہے (جو باہم ملاقات کے وقت کہی جاتی ہے) اور مجھے آمین دیا گیا جو تم سے پیشتر جو لوگ ہوے ان میں سے کسی کو نہیں دیا گیا

مگر یہ کہ ہارون علیہ السلام کو صرف آمین عطا ہوا تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام (جناب باری میں) دعا کرتے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔" اور حکیم ترمذی کی روایت یوں ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے میری امت کو ایسی تین چیزیں عنایت فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی کو عنایت نہیں ہوئیں۔ ایک تو سلام ہے جو اہل جنت کی تحیت ہے اور دوسری ملائکہ کرام کی صفیں، اور تیسری چیز آمین ہے، مگر صرف آمین موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو بھی دیا گیا تھا۔" حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی امی فداہٗ ابی وامی نے فرمایا:۔ ان الیھود قوم حسد لم یحسدوا المسلمین علی افضل من ثلاث ردّ السلام، واقامۃ الصفوف، وقولھم خلف امامھم فی المکتوبۃ آمین۔ (طبرانی) یہود پہلے درجہ کی حاسد قوم ہے۔ ان کا زیادہ تر حسد مسلمانوں کے ساتھ تین چیزوں پر ہے۔ سلام کا جواب، اور (نماز کی) صفیں سیدھی کرنا، اور فرض نماز میں امام کے پیچھے آمین کہنا۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان الیھود قوم حسد وکم علی ثلاثۃ افشاء السلام واقامۃ الصف وآمین (ابن عدی) یہود نہایت ہی حاسد قوم ہے۔ تم پر ان کا حسد تین امور پر مبنی ہے۔ سلام کی اشاعت، اور صفوں کی درستی، اور آمین۔" ان احادیث شریفہ سے آمین کی اہمیت ظاہر ہے کہ دعا کے ختم پر کہنا چاہیے۔ اس کے

کہنے سے دعا قبول ہوتی ہے۔

ختم فاتحہ پر نماز میں آمین کہنے کا حکم

مسلمان نماز میں ہوں تو آمین کس موقع پر کہنا چاہئے؟ اس کی صراحت احادیث ذیل میں ملاحظہ ہو۔ حضرت وائل بن حجر حضرمیؓ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین فقال آمین یمدّ بھا صوتہ۔ (وکیع، ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ابوداؤد، ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) میں نے حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا کہ آپ نے (نماز میں آیۂ کریمہ) غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ نے آمین کہہ کر اپنی آواز کو کھینچے اور دراز فرماتے گئے۔“ حضرت وائل بن حجر نے یہ بھی فرمایا:۔ انّہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین قال ربّ اغفر لی آمین۔ (طبرانی، بیہقی) انھوں نے حضور رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین سے فارغ ہوئے تو فرمایا:۔ ربّ اغفر لی آمین۔ یعنی اے میرے پروردگار! مجھے بخش دیجئے (اور اس دعا کو) قبول فرمائیے۔“ حضرت وائل بن حجرؓ کی اور ایک روایت یوں ہے:۔ رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل فی الصلاۃ فلما فرغ من فاتحۃ الکتاب قال آمین ثلاث مرّات۔

(طبرانی) میں نے حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع فرمائی۔ پھر جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے تین مرتبہ آمین فرمایا۔" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قال ولا الضآلین قال آمین۔ (ابن ماجہ) حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے میں نے سنا کہ جب آپ (سورۂ فاتحہ نماز میں تلاوت فرماتے ہوئے) ولا الضآلین پڑھتے تو آمین فرماتے۔" حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا قرأ یعنی الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین فقولوا آمین یجبکم اللّٰہ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ) جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین پڑھے تو تم سب آمین کہو۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں حضور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا امّن الامام فامّنوا فانّہ من وافق تأمینہ تأمین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ (امام مالک، امام شافعی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی) جب امام آمین کہے یا آمین کہنے کے مقام پر پہنچے تو تم سب آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافقت کر لیتی ہے تو اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ ملائکہ کرام کراماً کاتبین اور محافظ دستہ جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے نیز فرشتے جو تدبیر امور میں لگے ہوئے ہیں وہ سب نماز میں شریک رہتے ہیں۔ اور ولا الضالین کے موقع پر آمین کہتے ہیں لہٰذا تم بھی ان کے ساتھ آمین کہو تو ان معصومین کی برکت سے تمہاری دعا بھی قبول ہوگی اور تمہارے اگلے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے۔

آمین نہ کہنے کا ضرر حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور رسول دو جہاں علیہ الف الف صلوات الرحمان نے فرمایا :۔ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال الذین خلفہ آمین التقت من اھل السماء واھل الارض ومن لم یقل آمین کمثل رجل غزا مع قوم فاقترعوا سھامھم ولم یخرج سھمہ فقال ما لسھمی لم یخرج قال انک لم تقل آمین۔ (ابو یعلیٰ ابن مردویہ بسند جید) جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے تو جو لوگ اس کے پیچھے ہیں وہ سب آمین کہتے ہیں تو ان کی آمین تمام آسمان والوں اور زمین والوں کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور جو آمین نہیں کہتا اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی قوم کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کرتا رہا۔ (پھر جنگ کامیابی کے ساتھ ختم ہونے اور غنیمت میں سے حصہ لینے کے لئے) قرعہ اندازی ہوئی تو اس کے نام پر کوئی حصہ برآمد نہ ہوا۔ (اپنی محرومی دیکھ کر) اس شخص نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے میرے نام کا کوئی حصہ برآمد نہ ہوا تو (کہنے والے نے) کہا کہ تو نے آمین نہیں کہا تھا" گویا ولا الضالین

آمین نہ کہنے والا جماعت نماز میں شریک رہنے کے باوجود قبولیت دعا سے اسی طرح محروم رہ جاتا ہے جیسا کہ جنگ میں شریک رہ کر بھی شخص مذکور غنیمت کے مال سے محروم رہا۔

آمین سے پہلے نوافل میں دُعا

حضرت ابراہیم نخعی کے احوال میں ہے:۔ کان یستحب اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ان یقال اللّٰھم اغفرلی آمین۔ (ابن ابی شیبہ) وہ مستحب جانتے تھے کہ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین کہے تو یوں کہا جائے:۔ اللّٰھم اغفرلی آمین۔ اے اللہ! مجھے بخش دیجئے آمین" حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فقل اللّٰھم انی اسئلك الجنّۃ واعوذ بك من النار۔ (ابن ابی شیبہ) جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین کہے تو یوں کہو:۔ اللّٰھم انی اسئلك الجنّۃ واعوذ بك من النار۔ یا اللہ! میں آپ سے جنت کی درخواست کرتا اور دوزخ (کے عذاب) سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں" حضرت ربیع بن خثیم فرماتے ہیں:۔ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فاستعن من الدعاء ما شئت۔ (ابن ابی شیبہ) جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین

کہے تو تم جس دعا سے چاہو (اللہ سبحانہ کی) اعانت طلب کرو"۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ روایات نوافل سے متعلق ہیں۔ نوافل میں مصلی کو اختیار ہے کہ اس موقع پر صرف آمین پر اکتفا کرے جیسا کہ احادیث شریفہ میں آیا ہے جن کی صراحت اوپر کی گئی۔ یا یہ کہ ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی دعا کر کے آمین کہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

الحمد للہ کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔ آمین۔

(۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ روز دوشنبہ)

اعتذار

ماہ گزشتہ (جنوری ۱۹۶۴ء) کے شمارہ جلد (۱) حصہ (۴) میں سہو کتابت ہوا ہے۔ براہ کرم صفحہ ۱۲۲ سطر (۶) پر اثنی علی عبدی کے بعد عبارت ذیل کا اضافہ فرما لیا جائے:۔

ویقول العبد مالک یوم الدین فیقول اللہ مجدنی عبدی"۔

مہتمم دفتر تفسیر قادری

2 Baqarah Madany Aayaath 287

سورۂ بقرہ

مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس میں دوسو ستاسی آیتیں ہیں

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ـــ ما نزلت سورۃ البقرۃ والنسآء الّا وانا عندہ۔ (بخاری) سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء ایسی حالت میں نازل ہوتے رہے کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (ہروقت حاضر رہا کرتی تھی۔"

سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ اس سورت شریفہ میں چونکہ بقرۂ بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس لئے محض شناخت اور امتیاز کے مدنظر اس کا نام سورۂ بقرہ رکھا گیا۔ اس پر کفار نے استہزاء شروع کیا کہ یہ گائے کا سورہ ہے آل عمران کا سورہ ہے عورتوں کا سورہ ہے۔ تو اس پر سورہ بقرہ کہنے کی ممانعت کی گئی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ـــ لا تقولوا سورۃ البقرۃ ولا سورۃ آل عمران ولا سورۃ النسآء وکذالک القرآن کلہ ولکن قولوا

السورۃ التی تذکر فیہا البقرۃ والسورۃ التی یذکر فیہا آل عمران وکذلک القرآن کلہ (ابن الضریس، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) سورۂ بقرہ نہ کہا کرو اور نہ سورۂ آل عمران یا سورۂ نساء کہا کرو۔ اور اسی طرح قرآن کریم کی دوسری سورتوں میں مثلاً سورۂ عنکبوت، نمل، نحل، ہدہد، فیل وغیرہ) نہ کہو بلکہ یوں کہو وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے آل عمران کا ذکر ہے۔ نساء کا ذکر ہے۔ اور یہی طریقہ قرآن پاک کی دوسری تمام سورتوں میں بھی جاری رکھو۔" نیز حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ لا تقولوا سورۃ البقرۃ ولکن قولوا السورۃ التی تذکر فیہا البقرۃ۔ (بیہقی) "سورۂ بقرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو وہ سورہ جس میں بقرہ کا بیان ہے۔" گویا یہ کلمہ سورۃ البقرۃ کی تفسیر ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ یہاں محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:۔ السورۃ التی یذکر فیہا البقرۃ۔ اس کے بعد جب نور اسلام پھیلتا گیا اور اسلامی دھاک کفار کے دلوں پر بیٹھتی گئی تو کفار نے استہزاء چھوڑ دیا اور یہ ممانعت بھی برخاست ہو گئی۔ اور عام طور پر سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران وغیرہ کہا جاتا رہا۔ آئندہ احادیث شریفہ میں اس کی صراحت ملے گی۔ اسی وجہ سے ہم نے عنوان میں سورۂ بقرہ ہی لکھا ہے۔

سورہ بقرہ کے دوسرے نام سورۂ بقرہ کے اور بھی نام ہیں۔ ایک نام فسطاط القرآن ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

السورۃ التی یذکر فیھا البقرۃ فسطاط القرآن (دیلمی) وہ سورت شریفہ جس میں گائے کا ذکر ہے فسطاط القرآن ہے "یعنی قرآن کا ڈیرہ اور خیمہ۔ یہ نام اس بنا پر ہے کہ یہ سورت شریفہ قرآن کریم کی دوسری تمام سورتوں سے بڑی سورت ہے۔ حضرت خالد بن معدان سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے (دارمی) یعنی یہ کہ فسطاط القرآن کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہیں بلکہ حضرت خالد بن معدان کا قول ہے۔ اور ایک نام سنام القرآن ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی سے مروی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان لکل شیئ سناما وان سنام القرآن البقرۃ۔ (سعید بن منصور، ترمذی، محمد بن نصر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) ہر چیز کا ایک کوہان (بلند تر حصہ) ہوتا ہے اور قرآن کریم کا بلند تر سورۃ سورہ بقرہ ہے۔" ایک نام ذروۃ القرآن ہے جیسا کہ حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ البقرۃ سنام القرآن وذروتہ نزل مع کل آیۃ منھا ثمانون ملکا۔ (امام احمد رض محمد بن نصر طبرانی بسند صحیح) بقرہ قرآن کا کوہان اور اس کی چوٹی ہے۔ اس کی ہر ایک آیت کے ساتھ اسّی فرشتے اترتے رہے۔" یہ نام بھی سورۂ بقرہ کی عظمت کے اعتبار سے ہے۔ سورۂ بقرہ کو افضل القرآن بھی کہا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

ہے :۔ افضل القرآن سورۃ البقرۃ ۔ (وکیع حرث بن ابی اسامۃ محمد بن نصر ابن العزیس بسند صحیح) قرآن کریم کی زیادہ تر فضیلت رکھنے والی سورت' سورہ بقرہ ہے'' نیز حضرت ربیعہ جرشی رضؓ سے مروی ہے : ۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای القرآن افضل قال السورۃ التی یذکر فیھا البقرۃ (بغوی ابن عساکر) حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات واز کی التسلیمات سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کریم کی کونسی سورت زیادہ تر فضیلت رکھتی ہے تو فرمایا کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا بیان ہے'' سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو ''زہراوین'' سے بھی یاد فرمایا گیا ہے ۔ جیسا کہ آگے صراحت آرہی ہے ۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ناموں کی کثرت' اس کی فضیلت اور برتری کی دلیل ہے ۔

سورہ بقرہ کی سماعت کا اشتیاق ملائکہ کرام کو

سورہ بقرہ کی جیسی فضیلت زیادہ ہے اس کے فضائل بھی بکثرت ہیں ان میں سے یہاں چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں جن سے سورہ بقرہ کی اہمیت ظاہر ہوگی حضرت اسید بن حضیر رضؓ خود اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ :۔ بینما ھو یقرأ من اللیل سورۃ البقرۃ وفرسہ مربوطۃ عندہ اذ جالت الفرس فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت الفرس فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت

فانصرف الی ابنہ یحییٰ وکان قریبا منہا فاشفق ان تصیبہ فلما اخذہ رفع رأسہ الی السماء فاذا ھو بمثل الظلۃ فیہا امثال المصابیح عرجت الی السماء حتی ما یراھا۔ وہ ایک رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کے پاس ہی ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اتنے میں گھوڑا کودنے لگا۔ انھوں نے پڑھنا موقوف کر دیا تو وہ بھی سکون کے ساتھ رہا۔ پھر انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ بھی اچھلنے لگا۔ پھر یہ خاموش ہو گئے تو وہ بھی خاموش کھڑا رہا۔ پھر یہ پڑھنے لگے تو وہ پھر اچھلنے لگا۔ پھر یہ پڑھتے رہے اور وہ کودتا رہا۔ یہ حال دیکھ کر وہ اپنے فرزند یحییٰ نامی کے پاس گئے جو گھوڑے کے قریب ہی (سو رہے) تھے۔ ان کو ڈر ہوا کہ کہیں بچے کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ فوراً جا کر بچے کو اٹھا لیا۔ اتفاقاً اس وقت آسمان کی طرف سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سائبان سایہ فگن ہے اور اس میں چراغاں کی طرح روشنی ہے۔ پھر وہ سائبان اور روشنی آسمان کی طرف اٹھالی گئی اور ان کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

حضور اقدس کا حقیقت حال سے آگاہ فرمانا

فلما اصبح حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدری ما ذاک قال لا یا رسول اللہ قال تلک الملائکۃ دنت لصوتک ولو قرأت لاصبحت تنظر الناس الیھا لا تتواری منھم۔ (ابو عبید)

امام احمد، بخاری تعلیقاً، مسلم، نسائی، حاکم، ابونعیم، بیہقی) صبح ہوئی تو سارا قصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ——— اس کی حقیقت کیا ہے؟ تمھیں کچھ معلوم ہے؟ تو حضرت اسید بن حضیر رض نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں کچھ نہیں جانتا۔ ارشاد ہوا کہ وہ فرشتے تھے۔ تمہاری قراءت کی آواز سننے کے لئے تمھارے پاس آگئے تھے۔ اور اگر تم اپنی قراءت (صبح تک) جاری رکھتے تو تمام لوگ اس کو دیکھتے اور یہ صورت حال ان پر بھی عیاں ہو جاتی۔"

مضمون بالا کی تائید حضرت محمد بن جریر فرماتے ہیں: ـــ انّ اشیاخ اھل المدینۃ حدّثوہ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قیل لہ الم ترا ثابت بن قیس بن شمّاس لم تزل دارہ البارحۃ تزھر مصابیح قال فلعلّہ قرأ سورۃ البقرۃ فسئل ثابت فقال قرأت سورۃ البقرۃ۔ (ابوعبید)

مدینہ پاک کے کئی ضعیف العمر اصحاب نے ان سے بیان کیا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کیا آپ کو اس کی خبر نہیں دی گئی کہ گزشتہ رات ثابت بن قیس بن شماس رض کا مکان چراغاں سے جگمگا رہا تھا؟ اس پر آپ نے فرمایا شاید انھوں نے سورہ بقرہ پڑھا ہوگا۔ پھر ثابت رض سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا

میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہا تھا۔" اس روایت سے حضرت اسید بن حضیرؓ کے واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔ نیز اس سورت شریفہ کو سورۂ بقرہ کہنے کا جواز پایا جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی بدولت استحقاق امارت

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثا وھم ذو وعدد فاستقرأھم فاستقرأ کل رجل منھم یعنی ما معہ من القرآن فاتی علی رجل منھم من احدثھم سنا قال ما معک یا فلان قال معی کذا وکذا وسورۃ البقرۃ قال امعک سورۃ البقرۃ قال نعم قال اذھب فانت امیرھم۔ حضور رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمان نے ایک لشکر روانہ فرمایا ان کی معقول تعداد تھی۔ پھر ان سے قرآن کریم پڑھواتے رہے چنانچہ ان میں کے ہر ایک شخص سے پڑھوایا (تا معلوم ہو سکے کہ) کس کو کتنا یاد ہے یا کتنا سیکھا ہے؟ (سلسلہ بسلسلہ) ان میں سے ایک شخص کی نوبت آئی جو سب سے کم عمر تھا۔ اس سے فرمایا کہ اے شخص! تیرے ساتھ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرے ساتھ فلاں فلاں سورتیں ہیں اور سورۂ بقرہ بھی ہے۔ ارشاد مبارک ہوا کیا تمہارے ساتھ سورۂ بقرہ ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بس تو جاؤ تم ہی ان سب کے امیر ہو۔"

سورۂ بقرہ کے سیکھنے کی ترغیب

فقال رجل من اشرافھم واللہ ما منعنی ان اتعلم سورۃ البقرۃ الا خشیۃ ان لا اقوم بھا فقال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تعلّموا القرآن واقرأوہ فانّ مثل القرآن لمن تعلمہ فقرأہ وقام بہ کمثل جراب محشو مسکا یفوح ریحہ فی کل مکان ومثل من تعلّمہ فیرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب أوکی علی مسك۔ (ترمذی اسناد حسن، نسائی، ابن ماجہ، محمد بن نصر مروزی، ابن حبان، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) یعنی کران میں کے ایک سربرآوردہ شخص نے عرض کیا کہ بخدا! سورۂ بقرہ کو سیکھنے سے مجھے جس چیز نے باز رکھا وہ یہی اندیشہ تھا کہ میں اس کا حق ادا نہ کر سکوں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اس کو پڑھتے رہو کیونکہ اس کی مثال جو اس کو سیکھتا پھر اسکو پڑھتا اور اس کا حق ادا کرتا رہتا ہے اس کیسہ کی طرح ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہے اور ہر جگہ اس کی خوشبو پھیلتی جاتی ہے۔ اور اس کی مثال جو اس کو سیکھ کر بھی سوتا پڑا رہتا ہے اور قرآن اس کے سینہ میں ہے ایسے کیسہ کے مانند ہے جو مشک سے بھرا ہوا تو ہے لیکن اس کا منہ بند ہے" اس وجہ سے اس کی خوشبو پھیلنے نہیں پاتی۔ مطلب یہ کہ نہ سیکھنے سے سیکھنا اچھا ہے اور محض سیکھ لینے سے اس کو (راتوں کو تہجد میں) پڑھتے رہنا اور اس کا حق ادا کرنا (یعنی اس پر عمل کرنا) اس سے بھی بہت ہی اچھا ہے۔ نورٌ علی نور۔

مضمون صدر کی تائید حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:- استعملنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اصغر الستۃ الذین وفدوا علیہ من ثقیف وذلك

انی کنت قرأت سورۃ البقرۃ۔ (بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عامل (حاکم) مقرر فرمایا درحالیکہ میں ان چھ اشخاص میں سب سے چھوٹا تھا جو قبیلہ ثقیف سے بطور وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ اور یہ تقرر محض اس بنا پر تھا کہ میں سورۂ بقرہ پڑھ چکا تھا۔" ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ حکومت اور امامت اہل علم کا حق ہے سن وسال کا اعتبار نہیں اور نہ سربرآوردہ ہونے کا اعتبار ہے۔ حکومت کے لئے لیاقت چاہئے۔ ع۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ یہ بھی مشہور ہے: ـ ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا قط۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی بے علم اور نادان کو ولی نہیں بنایا۔" اگر ولایت کسی کو عنایت بھی ہوئی تو اس کو نادان نہ رکھا دولت علم سے بھی سرفرازی بخشی ؎

دادِ حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

سورہ بقرہ کو پڑھتے رہنے کی تاکید	حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات سے میں نے سنا آپ فرماتے

تھے: ـ اقرأوا القرآن فانه یاتی یوم القیامة شفیعا لاصحابه۔ اقرأوا الزهراوین سورة البقرة وسورة آل عمران فانهما یأتیان یوم القیامة کانهما غیایتان او کانهما غمامتان او کانهما فرقان من طیر صواف یحاجان عن صاحبهما اقرأوا سورة البقرة فان اخذها برکة وترکها حسرة ولا

تستطیعھا البطلۃ۔ (ابوعبید، امام احمدؒ، حمید بن زنجویہ، مسلم، ابن الضریس، ابن حبان، طبری، ابوذرالہروی، حاکم، بیہقی) قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ اپنے ساتھیوں کی شفاعت کرے گا۔ دو روشن سورتوں یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو پڑھا کرو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن سایہ فگن ہوں گے گویا کہ وہ دو طاق ہیں چھپا دینے والے یا دو ابر کے ٹکڑے ہیں، یا دو صف بستہ پرندوں کے جھنڈ ہیں۔ یہ دونوں اپنے ساتھی کی طرف سے بحث کرتے ہوں گے۔ (خصوصیت کے ساتھ کم از کم) سورۂ بقرہ کو پڑھتے رہو کیونکہ اس کو حاصل کرنا برکت ہے اور اس کو چھوڑے رہنا پچھتاوے کا باعث ہے اور نکمے لوگوں سے ہی یہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ سورۂ بقرہ کو بہ یک وقت پورا نہیں پڑھ سکتے۔

سورۂ بقرہ سے دشوار گزار مراحل طے کرنا

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے یہ بھی مروی ہے:۔ انّ اخا لکم اری فی المنام انّ الناس یسلکون فی صدع جبل وعر طویل وعلی رأس الجبل شجرتان خضراوان تھتفان ھل فیکم من یقرأ سورۃ البقرۃ ھل فیکم من یقرأ سورۃ آل عمران فاذا قال الرجل نعم دنتا منہ باعذ اقھما حتی یتعلق بھما فیخطرا بہ الجبل۔ (ابوعبید، دارمی) یقین جانو کہ تمھارے ایک بھائی کو (یعنی خود ہی کو) خواب میں دکھایا گیا کہ لوگ ایک دشوار گزار اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے ہیں اور اس پہاڑ کی چوٹی پر دو سرسبز درخت ہیں جو آواز دے رہے ہیں

کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو سورۂ بقرہ پڑھا کرتا ہے۔ کیا تم میں ایسا شخص بھی ہے جو سورۂ آل عمران پڑھا کرتا ہے۔ جب کوئی ایک شخص جواب دیتا ہے کہ ہاں موجود ہے تو ان درختوں کی شاخیں جھک جاتی ہیں اور اس وقت تک جھکی رہتی ہیں تا آنکہ وہ شخص ان سے لپٹ جائے پھر وہ اس کو پہاڑ پر اٹھا لیتے ہیں"۔

سورہ بقرہ سے شیاطین کا دفعیہ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لا تجعلوا بیوتکم مقابر الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ ولفظ الترمذی وان البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ لا یدخلہ الشیطان۔ (امام احمدؒ، مسلم، ترمذی) اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (کہ باہر سے آئے اور لیٹ گئے بلکہ گھر میں بھی کچھ نماز، تلاوت، ذکر وغیرہ جاری رکھو) جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھا جاتا ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور ترمذی کی روایت اس طرح ہے:۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھا جاتا ہے اس میں شیطان داخل ہونے ہی نہیں پاتا"۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس گھر میں ذکر الٰہی جاری نہیں رہتا اور یاد الٰہی سے غفلت برتی جاتی ہے وہاں شیاطین مسلط ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے:۔ خانہ خالی را دیو می گیرد۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں اللہ سبحانہ کی یاد ہوتی رہے گی شیطان وہاں سے بھاگ جائیگا

بلکہ وہاں پھٹکنے ہی نہیں پائے گا۔ اللہ پاک نے سورۂ بقرہ کے لئے اس باب میں خاص تاثیر رکھی ہے۔

حضور اکرمؐ کا شغف سورۂ بقرہ سے حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں:۔ قمت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ ولا یمرّ بآیۃ رحمۃ الا وقف فسأل ولا یمرّ بآیۃ عذاب الا وقف فتعوذ ثم رکع بقدر قیامہ یقول فی رکوعہ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ ثم سجد بقدر قیامہ ثم قال فی سجودہ مثل ذالک ثم قام فقرأ بآل عمران ثم قرأ سورۃ سورۃ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں ایک رات (نماز تہجد میں) کھڑا ہوگیا۔ آپ نے قیام لیل فرمایا تو (فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی۔ جہاں کہیں کسی آیت میں رحمت کا بیان ہوتا تو آپ توقف فرماتے اور رحمت کی درخواست کرتے اور جہاں آیت عذاب آتی تو آپ وہاں وقفہ کرکے اس سے پناہ مانگتے۔ پھر (جب سورۂ بقرہ اس طرح ختم ہوا تو آپ نے) رکوع فرمایا۔ یہ رکوع بھی اس قیام کی مناسبت سے (طویل تر) تھا۔ اس میں یہ تسبیح پڑھتے رہے:۔ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ

آپ کی ذات پاک ہے، اے بڑے ہی جاہ وجلال والے! اور بڑی ہی حکومت والے، اور بڑی ہی کبریائی اور بزرگی والے! (فقیر عرض کرتا ہے کہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ یہیں سے ماخوذ ہے) پھر سجدہ بھی قیام کی مناسبت سے (طویل تر) فرمایا! اور اس میں بھی یہی تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ (دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوگئے تو اس میں سورۂ آل عمران پڑھا۔ پھر تیسری چوتھی رکعت میں اس کے بعد کی ایک ایک سورت (نساء ومائدہ) کی تلاوت فرماتے رہے۔

حضرت حذیفہ کی شہادت حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلۃ من رمضان فافتتح البقرۃ فقلت یصلی بھا رکعۃ ثم افتتح النسآء فقرأھا ثم افتتح آل عمران فقرأھا مترسلاً فاذا مر بآیۃ فیھا تسبیح سبح واذا مر بسؤال سأل واذا مر بتعوذ تعوذ۔ (ابن ابی شیبہ امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) رمضان شریف کی ایک رات حضور انور صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں نے بھی (تہجد) ادا کی۔ (اس میں آپ نے) سورۂ بقرہ شروع فرمایا۔ تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اس کو ختم کر کے رکوع فرمائیں گے۔ (مگر آپ نے) اس کے بعد سورۂ نساء شروع فرما دیا پھر اس کو ختم فرمایا۔ پھر سورۂ آل عمران شروع فرمایا، اس کو بھی روانی کے ساتھ ختم فرما دیا۔ (اس طرح طویل ترین

قرائت کے ساتھ نماز تمام ہوئی) اس میں بھی کسی ایسی آیت پر گزرتے جس میں تسبیح ہے تو آپ بھی تسبیح ادا فرماتے اور اگر کسی آیت میں دعا کا موقع آتا تو دعا فرماتے جاتے اور اگر پناہ مانگنے کی صورت درپیش ہوتی تو آپ پناہ مانگتے جاتے۔"

ام المومنین کی شہادت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں:۔ کنت اقوم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل فیقرأ البقرۃ وآل عمران والنساء فاذا مر بآیۃ فیھا استبشار دعا ورغب واذا مر بآیۃ فیھا تخویف دعا واستعاذ۔ (امام احمد ابن الضریس بیہقی) راتوں کو حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں بھی تہجد میں قیام کیا کرتی تھی۔ آپ عموماً سورۂ بقرہ آل عمران اور سورۂ نساء پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب ایسی آیت آتی جس میں خوشخبری سنائی جاتی ہے تو آپ دعا فرماتے اور اپنی رغبت کا اظہار فرماتے اور اگر آپ کوئی اور آیت پڑھتے جس میں خوف دلایا گیا ہے تو دعا کرتے اور پناہ مانگتے جاتے۔"

سورۂ بقرہ کی چند خصوصیات علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ قال بعض الاشیاخ ان فیھا الف امر والف نھی والف خبر قیل وفیھا خمسۃ عشر مثلا ولھذا اقام ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما ثمانی سنین علی تعلمھا وورد فی حدیث المستدرک تسمیتھا سنام القرآن وسنام کل شیئ

اعلاہ کانہ لذلک (ایضا۔ (روح المعانی) کئی بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس سورت شریفہ میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار نواہی اور ایک ہزار خبریں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں پندرہ مثالیں یا ضرب الامثال ہیں۔ سورہ بقرہ کی عظمت کے مدنظر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سورت شریفہ کو آٹھ سال تک سیکھتے رہے اور مستدرک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں اس سورت شریفہ کا ایک نام "سنام القرآن" ہونا ارشاد ہوا ہے اور ہر چیز کے اعلیٰ تر حصہ کو ہی "سنام" کہتے ہیں۔ گویا کہ اس کی فضیلت کے لحاظ سے ہی یہ نام رکھا گیا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اسی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ بقرہ کو تہجد میں اکثر تلاوت فرماتے تھے جیسا کہ حضرت ام المومنین حضرت حذیفہ اور حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات سے معلوم ہوا جو ابھی ابھی اوپر گزر چکی ہیں۔ اسی سورت شریفہ میں آیۃ الکرسی ہے جس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔ وایھا افضل قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال آیۃ الکرسی (سورۂ بقرہ کی آیات میں) کونسی آیۂ کریمہ زیادہ فضیلت والی ہے؟ تو صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں تو ارشاد اقدس ہوا کہ وہ آیۃ الکرسی ہے۔ نیز خواتیم بقرہ کی فضیلت کیا ہے اس کا بیان انشاء اللہ المستعان

آیۃ الکرسی اور آمن الرسول کی تفسیر کے موقع پر آئے گا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی وہ آیۂ کریمہ جو سب سے آخر پر ۱۰ ذی حجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع کے دوسرے دن مکہ میں نازل ہوئی پھر اس کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوئی وہ بھی اسی سورت شریفہ میں ہے یعنی واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللّٰہ ۔ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم رب اللہ سبحانہ کی طرف رجوع کئے جاؤ گے۔"

سورۂ بقرہ کی تقدیم توقیفی ہے

حضرت سلیمان کہتے ہیں:۔ سئل ربیعۃ وانا حاضر لم قدمت البقرۃ وآل عمران وقد نزل قبلھا نیف وثمانون سورۃ بمکۃ فقال یعلم من قدمھا بتقدمتھا فھذا ما ینتھی الیہ ولا یسئل عنہ۔ (ابوبکر بن الانباری) حضرت ربیعہ سے میری موجودگی میں دریافت کیا گیا کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو (دوسری تمام سورتوں سے) پہلے کیوں لکھا گیا؟ حالاں کہ ان سے پیشتر مکہ مکرمہ میں (قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں کے منجملہ) اسّی سورتوں سے زیادہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ جنہوں نے ان کو مقدم رکھا ہے ان کی تقدیم کی وجہ وہ خوب جانتے تھے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس میں لب کشائی نہ کرنی چاہئے اور نہ اس بارے میں کوئی سوال کرنا چاہئے۔" مطلب یہ کہ ترتیب نزولی اور ہے اور ترتیب لوح محفوظ اور ہے۔ مسلمانوں کو جیسی جیسی ضرورت درپیش ہوئی اس کے

مطابق آیات اور سورتیں نازل ہوتی رہیں۔ پھر جو کچھ اترا اس کو لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاتبین وحی کو جیسی جیسی ہدایت فرمائی اس کے اعتبار سے مقدم موخر کیا گیا۔ اس بارے میں نہ کسی تردد کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے سوال کرنے کی حاجت۔ جن پر قرآن کریم نازل ہوا اس تقدیم و تاخیر کی وجہ خوب جانتے تھے اور لکھنے والے بھی آپ کی ہدایات کے مطابق لکھتے جاتے تھے۔ قرآن کریم کی ترتیب توقیفی ہے قیاسی نہیں۔ بلکہ لوح محفوظ کی ترتیب کے بھی مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

ماقبل سے ربط سورۂ بقرہ کا ربط ماقبل سورت فاتحہ کے ساتھ اس طرح ہے کہ سورۂ فاتحہ میں اولاً اللہ سبحانہ کی ربوبیت اور ثانیاً بندوں کی عبودیت اور ثالثاً بندوں کی طرف سے طلب ہدایت کا بیان تھا۔ تاکہ بندوں کے مقاصد دینیہ اور مطالب یقینیہ حاصل ہوں۔ سورۂ بقرہ میں بھی اولاً رب العالمین کی معرفت اور شناخت یؤمنون بالغیب وغیرہ آیات سے کرائی جا رہی ہے۔ اور ثانیاً عبادات اور اس کے لوازم یاایھا الناس اعبدوا ربکم وغیرہ کے ذریعہ بتائے جا رہے ہیں۔ اور ثالثاً ہدایت کی تحصیل کے طور طریق ھدیً للمتقین وغیرہ کے ذریعہ سکھائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فاتحہ کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ متن ہے اور باقی سورتیں اس کی شرح ہیں۔ اس اعتبار سے نہ صرف سورۂ بقرہ بلکہ قرآن کریم کی ہر سورت کو فاتحہ کیساتھ

ایسا ہی ربط ہے جیسا کہ شرح کو متن کے ساتھ ہوتا ہے اور اس اعتبار سے کہ سورۂ بقرہ قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت ہے جس کی بنا پر اس کو سنام القرآن، فسطاط القرآن وغیرہ اسمائے احادیث شریفہ میں یاد فرمایا گیا ہے لہٰذا اس کو فاتحہ سے ربط بھی زیادہ تر ہے۔ واللہ اعلم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع نام سے اللہ کے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

2-1 **الٓمٓ** ۝ اللہ اعلم بمرادہ بذلک۔ اس سے کیا مراد ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ
کو ہی اس کا علم بہتر طریق پر ہے۔"

حروف مقطعات اسرار ہیں

یہ حروف مقطعات ہیں جو اس طرح الگ الگ پڑھے جاتے ہیں: الف، لام، میم۔ دراصل یہ اسرار ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:— فی کل کتاب سر و سر اللہ تعالیٰ فی القرآن اوائل السور (بغوی) ہر مکتوب میں (کم از کم) ایک راز ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا راز قرآن کریم میں (جو کتاب اللہ ہے وہ حروف ہیں) جو سورتوں کی ابتدا میں ہیں۔" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:— ان لکل کتاب صفوۃ وصفوۃ ھذا الکتاب حروف التہجی (ثعلبی) یقین جانو کہ ہر مکتوب کا ایک حاصل خاص ہوتا ہے اور اس کتاب حکیم (قرآن کریم) کا حاصل خاص حروف تہجی ہیں۔" اس کے علاوہ حافظ سمرقندی نے سیدنا عمر،

سیدنا عثمانؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ اور علامہ قرطبی نے حضرت سفیان ثوریؒ ربیع بن خثیمؒ، ابوبکر بن الانباریؒ ابن ابی حاتم اور جماعت محدثین سے اسی طرح منقول ہونا بیان کیا ہے۔ امام سجاوندیؒ فرماتے ہیں:۔ المروی عن الصدر الاوّل فی حروف التھجی انھا سر بین اللہ وبین نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد یجری بین المحرمین کلمات معمیات یشیر الی اسرار بینھما۔ حروف تہجی (حروف مقطعات) کے باب میں صدر اوّل (عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے روایت ہوتی چلی آئی ہے وہ یہی ہے کہ یہ حروف اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اسرار اور رموز ہیں۔ اور ایسا طریقہ دو محرمان راز کے درمیان جاری وساری ہے کہ بعض کلمات معمہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جن سے صاف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کچھ اسرار ہیں۔ مگر وہ کیا ہیں؟ اسکو کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے کسی خاص بلکہ اخص الخاص مخلص کو اس سے کچھ واقف کرا دیں۔ چنانچہ حضرت حبر الامہ سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے آیہ کریمہ لا یعلم تأویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم کی تفسیر میں فرمایا:۔ انا من الراسخین فی العلم وانا ممن یعلم تأویلہ۔ میں بھی راسخین فی العلم سے ہوں اور میں بھی

اس کی تاویل جاننے والوں سے ہوں"۔ اسی طرح بعض کاملین نے بھی فرمایا ہے مگر یہ محرمانِ راز مخلصین کس حد تک واقف ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ اس کے بعد بھی وہ اسرار مخلصین کاملین کی حد تک ہی محدود رہتے ہیں۔ عوام پر اس کا افشاء نہیں کیا جاتا اور نہ عوام اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ اس سے کچھ فائدہ اٹھا سکتے۔ لہٰذا ہم عوام کو یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن کریم کا وہ حصہ جو حروف مقطعات اور متشابہات پر مشتمل ہے ہمارے انصاب تعلیم میں داخل ہی نہیں۔ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا۔ اس اعتبار سے ہمارے حق میں یہ بھی عین رحمت ہے کہ ہم کو اس کی تکلیف ہی نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے عامہ مفسرین کرام نے یہی فرمایا۔ اللہ اعلم بمرادہ بذٰلک۔ ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

حروف مقطعات اور یہود کی حیرانی

ایک روایت یہ ہے:۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اتاہ الیہود تلا علیہم الٓمّٓ البقرۃ فحسبوا فقالوا کیف ندخل فی دین مدتہ احدی وسبعون سنۃ فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا فھل غیرہ فقال المٓصٓ والٓر والمٓرٓ۔ فقالوا خلطت علینا فلا ندری بایھما ناخذ۔ (بخاری فی تاریخہ ابن جریر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں جب یہود حاضر ہوئے تو آپ نے

سورۂ بقرہ سے الٓمّٓ (اور اس کے بعد کی چند آیات کریمہ) تلاوت فرمائیں۔ اس پر انھوں نے (حساب جمل کے لحاظ سے) الف، لام، میم کے اعداد کا حساب لگایا اور کہنے لگے ہم ایسے دین میں کیونکر داخل ہوں جس کی مدت کل (۷۱) سال ہے۔ (کیونکہ الف کا ایک اور لام کے تیس اور میم کے چالیس عدد ہوتے ہیں جن کا مجموعہ (۷۱) ہی ہوتا ہے) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا اس کے سوا بھی کچھ آپ پر نازل ہوا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں المصٓ، الرٓ، المرٓ بھی نازل ہوا ہے۔ اب (وہ پریشان ہو کر) کہنے لگے کہ آپ نے معاملہ کو مخلوط فرمادیا۔ اب ہم نہیں جانتے کہ کونسا حصہ شمار کریں؟ کیونکہ الم پر اگر ص کا اضافہ کریں تو (۷۱) پر ص کے مزید (۹۰) بڑھ جاتے ہیں اور اگر ال پر ر کا اضافہ کریں تو ر کے (۲۰۰) کا اضافہ ہو جاتا اور مجموعہ (۲۳۱) قرار پاتا ہے۔ اور اگر الم پر ر کا اضافہ کریں تو مزید (۲۰۰) کا اضافہ ہو کر (۲۷۱) مجموعہ قرار پاتا ہے (پھر معلوم نہیں کہ ان تمام اعداد کو صرف جمع کرلیا جائے یا ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دیتے جائیں) بہر حال حساب بہت پیچیدہ ہو گیا اور کوئی ایک مجموعہ قرار دینا ہمارے لئے بے حد مشکل ہو گیا۔

کیا حروف مقطعات اسمائے الٰہی ہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات، اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ الٓمّٓ

حروف اشتقت من حروف هجاء اسماء اللہ۔ (ابن جریر، بیہقی) الف لام میم یہ ایسے حروف ہیں جو حروف ہجا سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ اسماء اللہ ہیں۔" حضرت ابن مسعودؓ نے الٓمّٓ کے بارے میں یہ بھی فرمایا: ھو اسم اللہ اعظم۔ (ابن جریج) الف لام میم اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: الٓمّٓ و حٰمٓ و طٰسٓ ھی اسم اللہ الاعظم۔ (ابن جریج) الف لام میم اور حا میم اور طا سین یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے:۔ انہ کان یقول یا کٓھٰیٰعٓصٓ اغفرلی۔ (ابن ماجہ) آپ یوں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے کاف ہا یا عین صاد میری مغفرت فرمائیے۔" اس سے بھی حروف مقطعات کے اسماء اللہ ہونے کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔

کیا حروف مقطعات قرآن کریم کے نام ہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن کریم کے اسماء ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں جنکی ابتداء میں یہ حروف لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت قتادہ الٓمّٓ کے بارے میں فرماتے ہیں: ۔ اسم من اسماء القرآن۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) قرآن کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔" اور حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے:۔ الٓمّٓ و نحوھا اسماء السور (ابن جریر) الف لام میم اور اس کے مماثل حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتداء میں یہ حروف نازل ہوئے ہیں۔"

کیا حروفِ مقطعات سے قسم کھائی گئی ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ حروفِ مقطعات قسمیں ہیں جن کے ذریعہ قسم کھائی گئی اور ان سورتوں کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ "الٓمٓ و الٓمٓصٓ و الٓرٰ و الٓمٓرٰ کٓھٰیٰعٓصٓ و طٰہٰ و طٰسٓ و یٰسٓ و صٓ و حٰمٓ و قٓ قال ھو قسم اقسمہ اللّٰہ وھو من اسماء اللّٰہ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) مذکورۃ الصدر حروفِ مقطعات قسمیں ہیں جن کے ذریعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور یہ سب اسماء اللہ ہیں۔"

عرضِ فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ حروفِ مقطعات کو اسمآء اللّٰہ قرار دیا جائے یا اسماء القرآن و اسمآء السور۔ وہ اپنے مسمی کے بعض صفات پر دلالت کرتے ہوں گے اگر یہ اسماء اللّٰہ ہیں تو اللہ سبحانہ کے (۹۹) اسمائے حسنیٰ ہیں۔ ان میں سے بعض صفات پر اور اگر قرآن کریم کے نام ہیں تو قرآن کریم کے بعض صفات پر دلالت کرتے ہوں گے۔ مثلاً قرآن کریم کے چند صفات یہ ہیں۔ قرآن (پڑھتے ہی رہنے کے قابل) کتاب (لکھتے ہی رہنے کے قابل) نور (روشنی بخشتے رہنے والی) حیوٰۃ (زندگی عطا کرتے رہنے والی) روح (اصل زندگی) ذکر (یاد دلاتے رہنے والی یا نصیحت کرتے رہنے والی) وغیرہ۔ اب ان اسماء و صفات کی تعیین کہ ان

حروف مقطعات سے کون سے اسماء وصفات مراد ہیں بے حد مشکل امر ہے۔ پھر یہ دلالت چونکہ عام فہم نہیں بلکہ خواص اور اخص الخواص کے لئے بھی اس کا فہم دشوار ہے بجز اس کے کہ عنایت الٰہی دستگیری کر رہی ہو تو نتیجہ یہی ہوا کہ حروف مقطعات اسرار ہیں۔ جن کا اظہار عام طور پر نہیں کیا جا سکتا اور نہ عوام اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لہٰذا اس کا علم خدا اور رسول ہی کے حوالہ کرنا ہوگا۔ جمہور مفسرین کرام نے بھی ان کی تفسیر میں یہی فرمایا:۔ اللہ اعلم بمرادہ بذٰلک۔ اس کی مراد کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں"

قاضی بیضاوی کی تحقیق قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:۔ ان حروف التہجی لما کانت عنصر الکلام وبسائط التی یترکب منھا افتتحت السور بطائفۃ منھا ایقاظا لمن یتحدی بالقرآن وتنبیھا علی ان المتلو علیھم کلام منظوم مما ینظمون منہ کلامھم فلو کان من عند غیر اللہ لما عجزوا عن الاتیان بمثلہ ولیکون اول ما یقرع الاسماع مستقلا بنوع من الاعجاز فان النطق باسماء الحروف من الامی معجزۃ کالکتابۃ

چونکہ حروف تہجی ہی سے کلام بنتا ہے اس لئے بعض سورتوں کا آغاز چند حروف تہجی سے فرمایا گیا تاکہ جو لوگ قرآن کریم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں ان کو معلوم ہو جائے

جس کلام پاک کی تلاوت ان کے آگے کی جا رہی ہے اس کی تنظیم بھی ان ہی حروف سے
کی جا رہی ہے جن سے فصحائے عرب اپنا کلام منظوم کرتے ہیں۔ اگر یہ کلام کلام الٰہی نہ ہوتا
تو یہ مدعیان فصاحت و بلاغت اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز نہ ہوتے۔ نیز اس
وجہ سے (بعض سورتوں کا آغاز حروف تہجی سے کیا گیا کہ) پہلی چیز جو کانوں پر پڑے
اس میں بھی مستقل طور پر ایک معجزہ کی شان پیدا ہو کیونکہ نبی امی ارواحنا لہ فداہ کا حروف
تہجی کے نام پڑھ سنانا بھی بجائے خود معجزہ ہے۔ ایک اُمّی کا جس طرح لکھنے سے
تعلق نہیں اسمائے حروف کا پڑھ سنانا بھی متصور نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور نکتہ سیّما وقد روعی فی ذلک ما یعجز عنہ الادیب الفائق
فی فنہ حیث اورد اربعۃ عشر اسماء نصف عدد اسماء الحروف
فی تسع وعشرین سورۃ بعدد الحروف مشتملۃ علی انصاف جمیع
انواعھا من المھموسۃ والمجھورۃ والشدیدۃ والرخوۃ وغیرھا۔ و
ایضا الکلام غالباً یترکب من تلک الحروف الاربعۃ عشر دون
البواقی والمعنی ان ھذا المتحدی بہ مؤلف من جنس ھذا الحروف
(تفسیر بیضاوی) اس میں ایک لطف خاص بھی مرعی ہے جس سے ماہر فن اعلیٰ درجہ کا
ادیب بھی عاجز ہے کہ (۲۹) حروف تہجی میں سے (۲۹) ہی سورتوں میں نصف

حروف یعنی (١٤) کا انتخاب کیا گیا ہے۔ پھر اس میں بھی یہ رعایت ہے کہ جملہ حروف تہجی کے جس قدر انواع وصفات ہیں مہموسہ، مجہورہ، شدیدہ، رخوہ وغیرہ (جو ائمہ فن تجوید وقراءت کے ہاں معروف ومتداول ہیں) ان میں سے بھی ہر ہر نوع کی نصف نصف تعداد ہی لی گئی ہے۔ پھر لطف مزید یہ کہ عموماً کلام کی ترکیب زیادہ تر ان ہی (١٤) حروف سے ہوا کرتی ہے۔ باقی حروف سے (اس عمومیت کے ساتھ نہیں ہوا کرتی۔ خلاصہ یہ کہ یہ کلام معجز نظام (قرآن کریم) بھی جو دعوت مقابلہ دے رہا ہے ان ہی حروف کی جنس سے مولف ومنظوم ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس کلام پاک کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے چاہیے کہ وہ بھی ایسا کوئی کلام بنا لائیں۔

آیات محکمات و متشابہات

قرآن کریم چونکہ ھدی للناس ہے یعنی ساری دنیا کے لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اتارا گیا ہے اس لئے بلسان عربی مبین آیا یعنی عربی زبان میں جو نہایت صاف اور واضح ہے جس کا مطلب عرب کا ہر بچہ، جوان، بوڑھا، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ معمولی سمجھ والا، اور پختہ عقل و فہم رکھنے والا، ہر کوئی سمجھ سکتا ہے گویا یہ عوام کی زبان ہے۔ اور پورا قرآن عرب کی عامہ زبان ہی میں نازل ہوا ہے تاکہ ہر کوئی اس سے استفادہ کر سکے۔ اور آیات متشابہات کا حال یہ ہے:۔ ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات

هن ام الکتاب واخر متشابہات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأویله وما یعلم تأویله الا اللّٰه والرّاسخون فی العلم یقولون آمنّا به کلّ من عند ربّنا وما یذّکّر الا اولوا الالباب۔ وہی (خدا) ہے جس نے (اے نبی کریم!) آپ پر (اپنی) کتاب (قرآن کریم) اتاری۔ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل کتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہ آیات ہیں (جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں) اب جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب تلاش کرنے کی خاطر۔ حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اس کو وہی سمجھتے ہیں جنکو عقل ہے“ اس آیہ کریمہ کی قرات دو طرح ہے۔ ایک قرات وہی جو اوپر گزری کہ الا اللّٰہ پر وقف کیا گیا اور اس کو وقف لازم ٹھہرایا گیا۔ اور اس لحاظ سے آیہ کریمہ کا ترجمہ اور مطلب بھی گزر چکا کہ متشابہات کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی پختہ علم بھی رکھتے ہیں تو وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ متشابہات پر ہمارا ایمان و یقین ہے اور محکمات و متشابہات سب اللہ سبحانہ کے پاس سے آئے ہیں۔

علمائے راسخین بھی بعض متشابہات سے کچھ واقف ہوتے ہیں	دوسری قرات یوں ہے کہ

الا اللہ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ والراسخون فی العلم پر وقف کیا جائے۔ اس صورت میں آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ تشابہات کا مطلب اللہ سبحانہ تعالیٰ اور پختہ علم والوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتے۔ باایں ہمہ راسخین فی العلم یعنی پختہ علم والے (اس پر مغرور ومطمئن نہیں ہوتے) وہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ وہ تشابہات پر یقین رکھتے اور محکمات و تشابہات دونوں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آیا ہوا کلام جانتے ہیں " اس دوسری قراءت کے لحاظ سے تشابہات کا کچھ علم علمائے راسخین کو بھی حاصل ہونا پایا جاتا ہے۔ گویا تشابہات کی زبان عوام الناس کی زبان نہ ہوئی بلکہ راسخین فی العلم کی زبان ٹھہری۔ فَہِمَ مَنْ فَہِمَ اس کو سمجھنے والوں نے ہی سمجھا۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ سمجھا تو کیا سمجھا اور کس حد تک سمجھا مگر عوام پر نہ اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

حکماء و فلاسفہ کا امتحان بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ حکماء و فلاسفہ اور مناطقہ کی کتابوں پر نظر ڈالی جائے مثلاً صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ وغیرہ جو حکماء و فلاسفہ و مناطقہ کی زبان میں ہیں۔ اور ان فنون کو جاننے والے بھی بڑی محنت اور دردسری کے بعد ان کتابوں کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ عوام کیا جانیں اور کیا خاک سمجھیں۔ یہ زبان تھی حکماء و فلاسفہ و مناطقہ کی۔ بڑی سردردی کے بعد ان کو پڑھا اور سمجھا بھی تو سوائے تکبر اور غرور کے کچھ حاصل نہیں ہوا اور قرآن و حدیث عام فہم ہیں اور نفع اتنا کہ آخرت کے علاوہ

دنیا بھی درست ہو جاتی ہے۔ اسی لئے خدا و رسول کی باتیں عام فہم اور آسان ہوتی ہیں ورنہ ان کی باتیں کس کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مگر حکماء و فلاسفہ نے خدا و رسول کی عام فہم باتوں کو معمولی خیال کیا تو ان کی عقل کے امتحان کے لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ الٓمٓ، الرٰ، المرٰ، المصٓ وغیرہ۔ اب تمام حکماء، فلاسفہ، مناطقہ اور موجودہ زمانے کے سائنس داں، ہیئت داں سر جوڑ کر اور متفقہ کوشش کر کے بتائیں کہ ان حروف سے کیا مراد ہے؟

قرآن کی عام فہم زبان اللہ سبحانہٗ کا احسان

یہ خدا و رسول کا احسان ہے کہ عام فہم زبان میں ہم کو مخاطب فرمایا۔ ارشاد باری ہے:۔ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم۔ اور ہم نے جس کسی رسول کو بھیجا تو ان کی قومی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ ان کو اچھی طرح سمجھاتے رہیں۔" ولقد يسرنا القرآن بےشک آسان بنایا ہم نے قرآن کو۔ فانما يسرناه بلسانك لتبشر به المتقين وتنذر به قوما لدا۔ (اے نبی کریم) ہم نے اس قرآن کو محض اس لئے آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری اور جھگڑالو لوگوں کو ڈر سناتے رہیں۔" اسی طرح دین کا ہر معاملہ آسانی پر مبنی ہے یريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر۔ اللہ سبحانہٗ تمہاری سہولت اور آسانی چاہتا ہے، تمہاری دشواری اور مشقت نہیں چاہتا۔ بہرحال حروف مقطعات اللہ سبحانہٗ کے اسرار ہیں خدا ہی جانے اور اس کے پیارے رسول۔ یا بعض کاملین مخلصین۔ باقی فرشتوں

بلکہ جبرئیل علیہم السلام کا ان اسرار سے واقف ہونا بھی ثابت نہیں۔ اس کے علاوہ۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں جو بخوف طوالت نہیں لکھے گئے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ الرٓ اور حٰمٓ اور نٓ اشارہ ہے الرحمٰن کی طرف۔ یعنی ان حروف کا مجموعہ الرحمٰن ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ وعلمہ اتم واحکم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ 2-2 2-3
بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ 2-4
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ
هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ 2-5
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

یہ عظیم الشان کتاب ہے بے شک وشبہ، اس میں ہدایت ورہنمائی ہے ڈر والوں کے لئے، جو یقین لاتے ہیں بے دیکھے، اور قائم رکھتے ہیں نماز اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف، اور اس پر جو اتارا گیا آپ سے پہلے، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔"

شانِ نزول | ارشاد باری تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ ذٰلک الکتاب یہ عظیم الشان

کتاب ہے جس کے اتارے جانے کا وعدہ توریت و انجیل میں دیا گیا۔ کعب احبار سے مروی ہے:۔ علیکم بالقرآن فانہ فھم العقل ونور الحکمۃ وینابیع العلم و احدث الکتب باللہ عھدا وقال فی التوراۃ یا محمد انی منزل علیك توراۃ حدیثۃ تفتح بہ اعینا عمیا وآذانا صما وقلوبا غلفا۔ (روح المعانی)

قرآن کو لازم جانو (اس کی تلاوت کے پابند رہو) کیونکہ وہ عقل میں فہم عطا کرنے والا، اور حکمت میں روشنی پیدا کرنے والا اور تمام علوم کا سرچشمہ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہوئی تازہ ترین کتاب ہے۔ توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اے محمد! یقیناً میں آپ پر ایک نئی توریت اتاروں گا جس کے ذریعہ آپ اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو اس کتاب کے ذریعہ کھول دیں گے۔" اور خود قرآن کریم میں آگاہ کر دیا گیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے:۔ انا سنلقی علیك قولا ثقیلا۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔" وہ قول ثقیل یہی سورۂ بقرہ ہے جس میں ایک ہزار امر اور ایک ہزار نواہی، ایک ہزار احکام، اور ایک ہزار اخبار ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پیشین گوئی سنائی تھی اور یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ایک کتاب نازل کروں گا اور بنی اسرائیل ہی سے ایک رسول مبعوث کروں گا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ رونق افروز
ہوئے جہاں یہود بکثرت موجود تھے تو الٓمٓ ذٰلک الکتاب نازل فرما کر اس
وعدے کی تکمیل سے آگاہ فرمایا۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدۂ
الٰہی ہوا تھا کہ آپ پر ایک ایسی کتاب اتاری جائے گی جو نہ پانی سے دھو کر مٹائی جا سکے
اور نہ بوسیدہ ہو کر فنا ہونے پائے۔ جب سورۂ بقرہ نازل ہوا تو یاد دلایا
جا رہا ہے:۔ ذٰلک الکتاب۔ یہ وہی کتاب موعود ہے" جس کی صفت
ہے فی صدور الذین اوتوا العلم۔ جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ و مصئون ہے"
نہ کسی کے مٹائے مٹ سکے اور نہ اس پر کسی کا بس چل سکے۔ جو آج تک بفضلہ محفوظ ہے
اور ان شاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ
لحافظون یقیناً ہم ہی نے یہ نصیحت کرنے والی اور خدا کی یاد دلانے والی کتاب
اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اہل اسلام پر اللہ سبحانہ
تعالیٰ کا ایسا احسان عظیم ہے جس کا کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا اور یہ ایسا شرف و
امتیاز ہے جو دیگر کتب سماویہ میں سے کسی کو نصیب نہ ہو سکا اور نہ دنیا کی کوئی طاقت
اس کو چھین سکتی ہے۔ کتاب اللہ کی حفاظت کے ضمن میں اس کے ماننے والوں کا تحفظ
بھی مضمر و مستتر ہے۔ شیخ بوصیریؒ فرماتے ہیں:۔

بشریٰ لنا معشر الاسلام ان لنا   من العنایۃ رکناً غیر منھدم

لاریب کی تفسیر لَا رَیْبَ ۔ "بے شک وشبہ" یہاں قرآن کریم کا موضوع بتلایا جارہا ہے کہ اس کے کتاب آسمانی منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک ہی نہیں نیز اس کتاب مقدس میں جو کچھ لکھا ہے اس کی صداقت و حقانیت میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ریب و تردد کسی ایسی بات میں ہوتا ہے جہاں مجرد دعویٰ ہو اس پر کوئی دلیل نہ ہو اور قرآن پاک کی ہر بات جچی تلی 'مدلل' موجہ ہے جس کو سن کر ہر منصف مزاج، سلیم الطبع شخص اس کو صحیح تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس کی صحت کا یقین کئے بغیر کوئی اور راستہ اس کے لئے باقی ہی نہیں رہتا۔ قرآن کریم ایسے واضح اور قوی دلائل رکھتا ہے جو عاقل و منصف کو اس کے کتاب الٰہی اور حق ہونے کے یقین پر مجبور کرتے ہیں لہٰذا کسی ہٹ دھرم ضدی اور سیاہ دل معاند کے شک و انکار سے یہ کتاب مبین مشکوک نہیں قرار پا سکتی۔

ریب کی صورتیں یہاں یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ کسی کلام میں ریب و تردد یا شک و شبہ پیدا ہونے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ خود کلام میں کوئی غلطی یا خرابی ہو۔ دوسری صورت یہ کہ کلام تو بالکل صحیح اور حق ہو لیکن سننے اور سمجھنے والے کے فہم میں کوئی خلل ہو۔ پہلی صورت میں کلام ہی شک و شبہ کا محل و مقام ہوگا۔ اور

ع اے جماعت اہل اسلام! ہم کو خوش ہونا چاہئے کہ عنایت الٰہی سے ہم کو ایک ایسا ستون ملا ہے جو کبھی منہدم

دوسری صورت میں محل ریب کلام نہ ہوگا بلکہ اس کے سننے اور سمجھنے والے کا فہم ہوگا۔ یہاں
لَا رَيْبَ کے ذریعہ جس شک وشبہہ کی نفی فرمائی جارہی ہے وہ صورت اولی سے متعلق ہے
یعنی قرآن کریم میں جو کچھ بیان فرمایا جارہا ہے وہ کلام الٰہی ہے نیز اس میں جس قدر
مضامین، مسائل، احکام، قصص وامثال عقائد واخبار وغیرہ بیان کئے جارہے ہیں وہ
سب واقعی نفس الامری ہیں اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ اور ریب کی دوسری
صورت کہ سامع کے فہم میں خلل ہو اور اس خلل کی وجہ سے ایک صحیح اور واقعی کلام کو
وہ شک وشبہہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے تو اس کا بیان وان کنتم فی ریب کے ذریعہ
آگے آرہا ہے۔ بہرحال جب ریب کی دو ہی صورتیں ہیں اور قرآن کریم سے دونوں کی
نفی کردی گئی تو یہ کہنا بجائے خود بالکل صحیح ہوگا کہ قرآن کریم منزل من اللہ ہے اور اس کی
ہر بات ہر قسم کے شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔ یہیں ہم اگر کوئی ہٹ دھرم قرآن پاک کے
منجانب اللہ ہونے میں کلام کرے یا اس کی کسی بات میں شک وشبہہ پیدا کرے تو اس کی
مثال اس نابینا کی سی ہوگی جو اپنی نابینائی کی وجہ سے آفتاب کو نہ دیکھ سکے اور آفتاب ہی
کے وجود سے انکار کر بیٹھے۔ ؎

جو نشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ کی تفسیر | فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ اس میں ہدایت اور رہنمائی ہے

ڈر والوں کے لئے" قرآن کریم کی ہدایت اگرچہ دنیا بھر کے تمام لوگوں کے لئے ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا جوان یا بوڑھے، خواندہ تعلیم یافتہ ہوں یا ناخواندہ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ ھُدًی لِّلنَّاسِ یعنی یہ کتاب مبین سارے لوگوں کیلئے ہدایت ہے" لیکن چونکہ اس سے حقیقی طور پر نفع اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ سبحانہٗ کا خوف اپنے دل میں رکھتے ہیں اس لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہدایت ہے متقیوں کے لئے' ڈر والوں کے لئے۔ گویا یہاں تین جملے ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے اس طرح ارشاد ہو رہے ہیں کہ ہر جملۂ مابعد، جملۂ ماقبل کی علت اور دلیل قرار پاتا ہے۔ یعنی یہ کتاب موعود ایسا کلام معجز نظام ہے کہ اس کے حق اور منجانب اللہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ حق اور منجانب اللہ ہے تو اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں اور جب اس کی ہر بات واضح اور مدلل و مبرہن ہے تو یہ کتاب بالضرور ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے تمام لوگوں کے لئے عموماً اور ڈر والوں کے لئے خصوصاً۔

تقویٰ کیا ہے اور متقی کون ہے؟

رہا یہ امر کہ تقویٰ کیا ہے اور متقی کون ہے۔ اس کی نسبت مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ المتقی من یقی نفسہ عمّا یضرّہ فی الآخرۃ من الشرک وذٰلک ادناہٗ ومن المعاصی وذٰلک

اوسطہ، ومن الاشتغال بما لایعنیہ ویشغلہ عن ذکر اللہ تعالیٰ
وذلک اعلاہ۔ متقی (خدا سے ڈرنے والا) وہ ہے جو آخرت میں ضرر پہنچانے والی
چیزوں سے اپنی ذات کو بچائے رکھے۔ (اس کے بے شمار مدارج ہیں۔ مگر بادی النظر
میں تین درجے قرار دئے جاسکتے ہیں۔) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو شرک
سے بچائے رکھے۔ اور خداوند تعالیٰ شانہ کو اپنی ذات وصفات میں واحد ویکتا
جانے۔ وحدہٗ لاشریک لہ۔ یہ تقوے کا ادنیٰ درجہ ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان
خود کو گناہوں سے دور رکھے یعنی اوامر بجالائے اور نواہی کو ترک کرے اور جہاں تک
ہوسکے معصیت کے ارتکاب سے باز رہے۔ خصوصاً ایسے گناہ جن کی شرع شریف میں
سزا مقرر ہے۔ یا آخرت میں عذاب شدید کا خوف دلایا گیا ہے۔ یہ تقوے کا
اوسط درجہ ہے۔ تیسرا یہ کہ انسان اپنے آپ کو لایعنی کاموں سے دور رکھے یعنی
ایسے کام نہ کرے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو اللہ
جل شانہ کی یاد سے غافل کرے۔ یہ تقوے کا اعلیٰ درجہ ہے۔" ان کے درمیان بے شمار
درجات ہیں۔ بہرحال قرآن کریم تمام متقیوں کی ہدایت ورہنمائی کا سامان کرتا ہے۔

هدی للمتقین کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے هدی للمتقین کی تفسیر میں
فرمایا: — هدی قال نور للمتقین قال هم المؤمنون۔ (ابن جریر) هدیً

سے نور اور روشنی مراد ہے اور متقین اہل ایمان ہیں " یعنی انسان کیسا ہی پرہیزگار ہو جب تک ایمان نہ لائے اس کا تقویٰ و پرہیزگاری لائق التفات نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی آیۂ کریمہ ھدی للمتقین کی تفسیر میں فرمایا:۔ ای الذین یحذرون من امر اللہ عقوبۃ فی ترک ما یعرفون من الھدی ویرجون رحمۃ فی التصدیق بما جاء منہ۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) "متقین وہ لوگ ہیں جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کو جاننے کے بعد ان کی خلاف ورزی کی سزا سے ڈرتے اور بچتے رہتے ہیں اور جو احکام و ہدایات اللہ سبحانہ کے پاس سے آئے ہیں ان کی تصدیق کرکے اور ان پر ایمان لاکر اس کی رحمت کے امیدوار بنے رہتے ہیں" حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے موقع پر یوں فرمایا:۔ للمؤمنین الذین یتقون الشرک ویعملون بطاعتی۔ (ابن جریر) "ارشاد الٰہی ہو رہا ہے کہ یہ کتاب عظیم یعنی قرآن کریم رہنمائی کا ذریعہ ہے ان ایمان والوں کے لئے جو شرک سے بچتے اور میری طاعت پر عمل پیرا رہتے ہیں" حضرت قتادہؒ نے فرمایا:۔ جعلہ اللہ ھدی وضیاء لمن صدق بہ ونورا للمتقین۔ (عبد بن حمید) "اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو رہنمائی اور روشنی کا سبب بنایا ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی تصدیق کرتے اور پرہیزگاروں کے لئے نور قرار دیا ہے"

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:۔ یحبس الناس یوم القیامۃ فی بقیع واحد فینادی مناد این المتقون فیقومون فی کنف الرحمن لا یحتجب اللّٰہ منھم ولا یستتر قیل من المتقون قال قوم اتقوا الشرک وعبادۃ الاوثان واخلصوا للّٰہ العبادۃ فیمرون الی الجنۃ۔ (ابن ابی حاتم)

قیامت کے دن، تمام لوگ ایک میدان میں اکٹھے کیے جائیں گے پھر ندا کرنے والا (فرشتہ) منادی کرے گا کہ متقین کہاں ہیں؟ (یہ سنتے ہی) تمام متقین خدائے رحمٰن کے دامان رحمت میں جمع ہو جائیں گے اللہ سبحانہ تعالیٰ ان سے کسی قسم کا حجاب اور ستر نہیں فرمائے گا۔ اس پر حضرت معاذؓ سے دریافت کیا گیا کہ متقین کون ہیں؟ تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو بت پرستی اور شرک سے بچتے رہے اور ساری عبادت خالصاً لوجہ اللہ کرتے رہے۔ پھر وہ جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔"

پرہیزگاری کے لوازم حضرت عطیہ سعدیؓ صحابہ کرام سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا یبلغ العبد المؤمن ان یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس بہ حذرا لما بہ بأس۔ (امام احمد، عبد بن حمید، بخاری فی تاریخہ، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) بندۂ مومن، متقین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا تاآنکہ وہ ایسی چیزوں کو

ترک نہ کرے جس میں کوئی اندیشہ نہیں اس خوف سے کہ شاید اس میں اندیشہ ہو۔"
اسی کے قریب ترین حضرت ابو الدرداءؓ کا قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: تمام التقوی ان یتقی اللہ العبد حتّی یتقیہ من مثقال ذرّۃ وحتی یترک بعض ما یری انّہ حلال مخافۃ ان یکون حراما یکون حجابا بینہ وبین الحرام۔ (امام احمدؒ ابن ابی الدنیا) کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے یہاں تک کہ ذرہ برابر چیز میں بھی خوف کرتا رہے اور یہاں تک کہ بعض چیزیں جن کو حلال تصور کیا جاتا ہے ان کو بھی چھوڑ دے اس اندیشہ سے کہ وہ حرام ہو تاکہ یہ تقوی اور اجتناب بندے اور حرام کے درمیان حجاب بن کر حائل رہے۔" حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: لو انّ رجلا اتّقی مائۃ شیئ ولم یتّق شیئا واحدا لم یکن من المتقین (ابن ابی الدنیا) فرض کیجئے کہ ایک شخص سو چیزوں سے بچتا رہا اور ایک چیز سے نہ بچا تو وہ متقین میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ما زالت التقوی بالمتقین حتی ترکوا کثیرا من الحلال مخافۃ الحرام۔ (ابن ابی الدنیا) متقین ہمیشہ طریق تقوی پر قائم رہا کئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بہت ساری حلال چیزوں کو چھوڑ دیا اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ چیز حرام نہ ہو۔"

طریق تقویٰ حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ ہے: ان رجلا قال لہ ما التقویٰ قال ھل اخذت طریقا ذا شوك قال نعم قال فکیف صنعت قال اذا رأیت الشوك عدلت عنہ او جاوزتہ او قصرت عنہ قال ذاك التقوی (ابن ابی الدنیا) ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ فرمایا کبھی تم نے خاردار رستہ بھی طے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں (ایسا اتفاق ہوا ہے) اس پر فرمایا۔ پھر تم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ اس نے کہا کہ جب میں کانٹا دیکھتا تو اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتا۔ یا قدم اس سے آگے بڑھا کر ڈالتا یا اس سے اپنا قدم کوتاہ کر لیتا۔ یہ سن کر فرمایا کہ یہی تو تقویٰ ہے۔"

تقویٰ کی جامع تعریف حضرت طلق بن حبیبؒ کا واقعہ ہے: انہ قیل لہ الا تجمع لنا التقوی فی کلام یسیر نرویہ فقال التقوی العمل بطاعۃ اللہ علی نور من اللہ رجاء رحمۃ اللہ والتقوی ترك معاصی اللہ علی نور من اللہ مخافۃ عذاب اللہ۔ (ابن ابی شیبۃ ابن ابی الدنیا ابن ابی حاتم) ان بزرگ سے کہا گیا۔ کیا آپ تقویٰ کی جامع تعریف مختصر طور پر بیان نہیں فرمائیں گے تاکہ ہم اس کو دوسروں سے بیان کرتے رہیں۔ تو فرمایا تقویٰ یہ ہے کہ نورِ الٰہی کی روشنی میں رحمتِ الٰہی کے امیدوار بن کر تم اللہ سبحانہٗ کی طاعت میں لگے رہو۔ (یہ

تقویٰ کا ایجابی پہلو ہوا) اور تقویٰ یہ بھی ہے کہ نورِ الٰہی کی روشنی میں اللہ سبحانہ کے عذاب سے ڈر کر خداوند تعالیٰ شانہ کے گناہوں اور معاصی کو چھوڑ دیا کرو" (یہ تقویٰ کا سلبی پہلو ہوا) فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں نور اللہ سے علم دین مراد ہے۔ طاعات کی بجا آوری کے لئے علم دین کی ضرورت ہے اور معاصی سے بچنے کیلئے بھی علم دین کی حاجت ہے۔ ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔

تقویٰ کی تکمیل اور علم کی تحصیل لازم و ملزوم ہے

حضرت عون بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں:— تمام التقوی ان تبتغی علم مالم تعلم منها الی ما قد علمت منها۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ابی الدنیا) کمال تقویٰ یہ ہے کہ پرہیزگاری کے جن شعبوں کا علم تم کو حاصل ہو چکا ہے ان کے ساتھ ان شعبوں کی تحصیل میں لگے رہو جن کا علم تم کو ابھی تک حاصل نہیں ہوا" اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تقوے کے مدارج ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر درجہ کی تکمیل اس کے علم کی تحصیل پر موقوف ہے۔ تا وقتیکہ علم کی تحصیل نہ ہوگی۔ عمل کی تکمیل نہ ہوگی۔ یہاں علم کی روشنی ساتھ لے کر میدان عمل کی طرف جانا اور اس کو طے کرنا ہے۔ ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ جس چیز کا علم حاصل ہو چکا ہے اس پر عمل پیرا ہوا کریں تو اس کی بدولت ان ابواب کا علم حاصل ہوتا رہے گا جو اس وقت تک حاصل نہ تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:—

اتقوا اللہ و یعلّمکم اللہ۔ تم اللہ سبحانہ سے ڈرتے اور راہ تقویٰ اختیار کرتے رہو اور اللہ سبحانہ تم کو اس کا علم دیتا رہے گا جو تم کو اس وقت تک حاصل نہ تھا۔

متقین کی شناخت حضرت وہب بن کیسان کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ایک بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ نصیحت لکھ بھیجی:۔ امّا بعد فانّ لاھل التقوی علامات یعرفون بھا و یعرفونھا من انفسھم من صابر علی البلاء و رضی بالقضاء و شکر النعماء و ذلّ لحکم القرآن۔ (ابن ابی الدنیا) بعد حمد و صلاۃ کے واضح ہو کہ ارباب تقویٰ کی چند نشانیاں ہیں جن سے ان کی شناخت ہو سکتی ہے اور وہ خود بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ وہ علامات یہ ہیں کہ جو بلاؤں پر صبر کرے اور اللہ سبحانہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔ نعمتوں پر شکر گزار رہے۔ اور قرآن کریم کے ہر حکم کے آگے سر جھکائے رہے۔"

متقی کی نشانیاں حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:۔ قال داؤد لابنہ سلیمان علیہما السلام یا بنیّ انّما تستدلّ علی تقوی الرجل بثلاثۃ اشیاء لحسن توکلہ علی اللہ فیما نابہٗ ولحسن رضاہ فیما آتاہ و لحسن زھدہ فیما فاتہ۔ (ابن ابی الدنیا) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فرزند

حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا:۔ صاحبزادے! تم انسان کے تقوے کا اندازہ صرف ان تین چیزوں سے کر سکو گے۔ ایک یہ کہ جو چیز انسان کو نوبت بہ نوبت ملتی رہتی ہے (مثلاً غذا) اس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ اور اعتماد رہے (کہ جو چیز میرے لئے مقدر ہے وہ لامحالہ مجھے مل کر رہے گی۔) دوسری بات یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے جو کچھ عنایت فرمایا ہے اس سے وہ ہر طرح راضی اور خوشنود رہے۔ (کبھی یوں نہ کہے کہ اللہ نے مجھے اتنا ہی دیا ہے حالانکہ دوسروں کو ایسی ایسی نعمتوں سے سرفراز فرمایا) تیسری بات یہ کہ جو چیز اس کو نہ مل سکی اس سے پوری طرح اپنی بے رغبتی کا اظہار کرے اس کو دل سے نکال دے اور اس کے چھوٹ جانے پر اس کو افسوس نہ ہو"

دوام ذکر علامت تقویٰ حضرت سہم بن سحابؓ فرماتے ہیں:۔ معدن من التقوی لا یزال لسانك رطبا من ذکر اللہ۔ (ابن ابی الدنیا) تقویٰ کی کان اور اس کی اصل یہ ہے کہ تمھاری زبان اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے کبھی خشک نہ ہونے پائے" یعنی ہمیشہ اس کا ذکر ورد زبان رہے۔ یہ ذکر لسانی ہوا۔ اس کے علاوہ ذکر جوارح اور ذکر قلب بھی ہے جس کی فضیلت ذکر لسانی پر اسی طرح ہے جیسی فضیلت ذکر زبان پر عمل جوارح کو اور عمل جوارح پر ذکر قلب کو حاصل ہے۔ کوئی کام درپیش ہو تو اس کو میزان شریعت میں تول لے کہ آیا اس کا کرنا میرے لئے شرعاً

جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس میں حصہ لے ورنہ اس کو چھوڑ دے۔ جائز بھی ہے تو یہ کام میرے لئے مفید بھی ہے یا نہیں۔ آخرت میں فائدہ دینے والا ہے یا نہیں؟ یہی حال ذکر قلبی کا ہے کہ ہاتھ پاؤں کسی مفید کام میں بھی لگے رہیں دل یاد الٰہی سے غافل نہ رہے۔ مثل مشہور ہے:۔

دل بیار و دست بکار

متقی بننے کی آسان تدبیر حضرت سعید بن ابی مقبریؒ فرماتے ہیں:۔ بلغنا ان رجلا جاء الی عیسیٰ فقال یا معلّم الخیر کیف اکون تقیّا للّٰہ کما ینبغی قال بیسیر من الامر تحب اللّٰہ تعالیٰ کلہ و تعمل بکد حک و قوّتک ما استطعت و ترحم ابن جنسک کما ترحم نفسک قال من ابن جنسی یا معلّم الخیر قال ولد آدم کلّھم و ما لا تحبّ ان یوتی الیک فلا تاته الی احد فانت تقیّ للّٰہ حقا۔ (امام احمدؒ ابن ابی الدنیا)

ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ اے معلم الخیر! (خیر کی تعلیم دینے والے!) اللہ سے جیسا ڈرنا چاہئے ایسا ڈرنے والا میں کس تدبیر سے ہوسکتا ہوں؟ تو فرمایا کہ یہ تو بہت آسان ہے۔ تم اللہ سے اپنے پورے دل سے محبت رکھو۔ اور اپنی محنت و قوت سے صرف اتنا عمل کرلیا کرو

جتنا تم سے ہو سکے۔ اور اپنے ابنائے جنس پر ایسے ہی مہربان رہو جیسا تم اپنے نفس کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرتے ہو۔ اور جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرو تو تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ گے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ اس نے پھر عرض کیا اے معلم الخیر! میرے ابنائے جنس کون ہیں؟ فرمایا۔ تمام اولاد آدم (تمھارے ابنائے جنس ہیں)۔"

مضمون بالا کی توضیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار چیزوں کی تلقین فرمائی اللہ کے ساتھ پورے دل سے محبت رکھنا۔ اس کا تعلق دل سے ہے۔ اس میں ہاتھ پاؤں کی محنت نہیں۔ ابنائے جنس پر رحم کرنا۔ یہ بھی اعمال قلب سے ہے۔ تیسرا ہر چہ برخود نہ پسندی بدیگراں ہم مپسند۔ یہ بھی اعمال قلب سے ہے۔ ہاتھ پاؤں کی محنت کو جس میں دخل ہے وہ صرف اعمال جوارح ہیں۔ اس میں بھی یہ سہولت ہے کہ (ترک محارم اور ادائے فرائض کے بعد) اپنی طاقت اور استطاعت کی حد تک کارہائے خیر میں حصہ لیا کریں۔ اور متقین کی فہرست میں نام لکھا لیں بلکہ سرفہرست قرار پائیں۔ اس تعلیم و تلقین پر اگر غور کیا جائے تو حقیقت میں یہ بہت آسان ہے۔ واللہ الموفق۔

اصل تقویٰ اور اس کے درجات	حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں:۔ رأس التقوی ومعظمہ ان لا تعبد شيئًا دون الله ثم تتفاضل الناس بالتقی

والنھی۔ (ابن ابی الدنیا) اصل تقویٰ اور تقویٰ کا بڑا درجہ یہی ہے کہ تم اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس ایک چیز کے حصول کے بعد لوگ تقویٰ کے دیگر ابواب اور اپنی عقل و دانائی کے درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت و مرتبت حاصل کرتے رہتے ہیں۔" حضرت عون بن عبداللہ فرماتے ہیں:۔ فواتح التقوی حسن النیۃ وخواتمھا التوفیق والعبد فیما بین ذلك بین ھلکات و شبھات ونفس تحطب علی سلوھا وعدو مکید غیر غافل ولا عاجز۔ (ابن ابی الدنیا) تقوے کا آغاز نیک نیتی سے ہے اور انجام امر خیر کی توفیق پر ہے۔ اور بندہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ مہلکات اور شبہات میں گرفتار ہے۔ ایک طرف نفس ہے جو اپنی تسلی کا سامان کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف چال باز دشمن (ابلیس) ہے جو نہ تو کبھی (انسان کو بھٹکانے اور بہکانے سے) غافل رہتا ہے اور نہ (وہ اپنی چال بازیوں سے تھکتا اور) قاصر رہتا ہے۔"

کثرت قیام و صیام کا نام تقویٰ نہیں

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ فرماتے ہیں: لیس تقوی اللہ بصیام النھار ولا بقیام اللیل والتخلیط فیما بین ذلك ولکن تقوی اللہ ترك ما حرم اللہ واداء ما افترض اللہ فمن رزق بعد ذلك خیرا فھو خیر الی خیر۔ (ابن ابی الدنیا)

تقویٰ، نہ تو دن کو کثرت سے روزہ رکھنے کا نام ہے اور نہ زیادہ عبادت میں رات گزارنے کا اور نہ ان دونوں کے درمیان کچھ کرتے رہنے کا۔ لیکن اصل تقویٰ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو بالکلیہ چھوڑ دینا اور جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے ان کی بجاآوری میں لگے رہنا۔ پھر اس کے بعد بھی کسی کو کوئی بھلائی نصیب ہو تو وہ نور علیٰ نور ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خطبہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ ہے:۔ انّه لمّا ولّی حمد اللہ و اثنی علیه ثمّ قال اوصیکم بتقوی اللہ خلف من کلّ شیئ ولیس من تقوی اللہ خلف۔ (ابن ابی الدنیا)

جب آپ خلیفۃ المسلمین بنائے گئے تو (آپ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا (لوگو!) میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ڈر' ہر چیز کا جانشین اور خلیفہ ہو سکتا ہے اور تقوے کا حال یہ ہے کہ (اگر یہ نہ ہو تو) کوئی چیز اس کی جانشین اور بدل نہیں ہو سکتی" اور ایک موقع پر آپ نے خطبہ دیا اس میں بھی یوں فرمایا:۔ یا ایّھا النّاس اتقوا اللہ فانّه لیس من ھالك الا له سلف الاّ المتقویٰ۔ (ابن ابی الدنیا)

لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راہ تقویٰ اختیار کرو کیونکہ جو کوئی چیز بھی چھوڑ جائے

اور فوت ہوجائے تو اس کا جانشین اور بدل ہے۔ (مثلاً نماز روزہ وقت پر ادا نہ ہو تو روزے نماز کی قضا اس کا بدل اور جانشین ہے) لیکن اگر تقویٰ ہاتھ سے جاتا رہے تو کوئی چیز اس کی تلافی نہیں کرسکتی۔"

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا تقویٰ نہیں

حضرت محرز طفاویؒ فرماتے ہیں:- کیف یرجو مفاتیح التقوی من یؤثر علی الاٰخرۃ الدنیا (ابن ابی الدنیا) جو شخص آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ کیونکر یہ توقع رکھتا ہے کہ تقویٰ کی کنجیاں اس کے ہاتھ لگ جائیں گی۔" مطلب یہ ہے کہ متقی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کام کرتا ہے اس میں منفعت دنیا کے مقابلہ میں اخروی منفعت کو پیش نظر رکھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ آخرت کے لئے کرتا ہے۔" اور جس کا طرز عمل اسکے برخلاف ہو، وہ تقویٰ حاصل ہونے کی امید کس بنا پر کرسکتا ہے؟ ارشاد باری ہے:-

قد افلح من تزکّٰی وذکر اسم ربه فصلّٰی بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والاٰخرۃ خیر وابقٰی انّ ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسٰی یقیناً مراد کو پہنچا جس نے (اپنے نفس کا) تزکیہ کیا" اور اپنے رب کا نام لے کر نماز شروع کی۔ بلکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (جو فانی ہے) حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور بہت پائدار ہے۔ یقیناً یہی نصیحت

اگلے صحیفوں میں بھی درج ہے۔ ابراہیم کے صحیفوں میں اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی" گویا انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین کی تعلیمات یہی ہیں جو ابتدا سے چلی آرہی ہیں۔

مدار کار تقویٰ پر ہے محض قیام لیل پر نہیں

حضرت محمد بن یوسف فریابیؒ کا بیان ہے: قلت لسفیان اری الناس یقولون سفیان الثوری وانت تنام اللیل فقال لی اسکت ملاک ھذا الامر التقوی۔ (ابن ابی الدنیا) میں نے حضرت سفیان ثوری سے کہا کہ تمام لوگ کہتے رہتے ہیں۔ سفیان ثوری سفیان ثوری۔ (ہر امر میں آپ ہی کا حوالہ دیتے ہیں اور آپ ہی کا ذکر خیر کرتے ہیں کہ انسان ایسا ہونا چاہیے) اور آپ کا یہ حال ہے کہ آپ رات تمام سوتے پڑے رہتے ہیں فرمایا چپ رہو۔ مدار کار تقوے پر ہے" قیام لیل اور تہجد گزاری پر ہی نہیں

حضرت میمون بن مہرانؒ نے فرمایا: لایکون الرجل من المتقین حتی یحاسب نفسه اشد من محاسبة شریکه حتی تعلم من این مطعمه ومن این مشربه امن حلّ ذلك اومن حرام۔ (ابن ابی شیبہ ابونعیم) انسان کا شمار متقیوں میں نہیں ہو سکتا تا آنکہ وہ اپنے شریک کار کے محاسبہ سے سخت تر محاسبہ اپنے نفس کے ساتھ کرتا رہے تا معلوم ہو کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور

اس کے مشروبات کہاں سے آئے۔ کیا حلال طور پر آئے یا حرام طریقہ سے؟"

متقین کے فضائل حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ لما خلق اللہ الجنۃ قال لھا تکلمی قالت طوبیٰ للمتقین۔ (ابن ابی الدنیا) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اس سے فرمائش کی کہ کچھ بول۔ اس نے کہا کہ متقیوں کیلئے مبارک ہو۔" لھم فیھا نعیم مقیم۔ اس میں ان لوگوں کے لئے غیر فانی ہر قسم کی نعمتیں مہیا ہیں" لھم فیھا ما یشآءون۔ اس میں ان کے لئے وہ سب کچھ سامان راحت ہے جس کو وہ چاہتے ہوں" لھم فیھا دار الخلد۔ ان کے لئے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے واسطے بہترین ٹھکانا ہے" حضرت مالک بن دینار نے فرمایا:۔ القیامۃ عرس المتقین۔ (ابن ابی الدنیا) قیامت متقیوں کے حق میں کمال شادمانی کا دن ہے" ولنعم من قال۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ؎

الٰہی کیا مبارک وقت ہے کیا نیک ساعت ہے
کہ جوش عیش ہے جوش طرب ہے، جوش عشرت ہے

اہل جنت میں اولیت متقین کو حاصل ہے حضرت ابو العفیف جو حضرت معاذ بن جبلؓ کے اصحاب سے ہیں فرماتے ہیں:۔ یدخل

اهل الجنّة الجنّة على اربعة اصناف المتّقين ثمّ الشاكرين ثمّ الخائفين ثمّ اصحاب اليمين۔ (ابن ابی حاتم) جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو چار قسم کے لوگ ہوں گے۔ (سب سے پہلے) متقین۔ پھر شکرگزاری کرتے رہنے والے، پھر ڈرتے رہنے والے، پھر داہنے ہاتھوں والے۔" یعنے داہنے ہاتھ والے" یعنی جن کے داہنے ہاتھوں میں ان کے نامۂ اعمال دے گئے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت میں اولیت اور تقدم متقین ہی کو حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ان اولیاؤہ الا المتقون "اللہ سبحانہ کا تقرب رکھنے والے یعنی اولیاء اللہ متقین ہی ہیں"

متقین شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما امور مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتّقى المشتبهات استبرأ لعرضه ودينه ومن وقع فى المشتبهات وقع فى الحرام۔ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بعض امور ہیں جو دونوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے (شبہہ میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ حلال ہیں

یا حرام) لہذا جو ایسے مشتبہات سے بچتا رہا اپنی آبرو اور اپنا دین محفوظ رکھا
اور جو مشتبہات میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا " پھر آپ نے اس کی تمثیل یوں بیان
فرمائی :۔ کراع یرعی حول الحمیٰ یوشك ان یواقعه الا وان لکل ملك
حمی وان حمی الله فی ارضه محارمه ۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی
ہے جو اپنے مویشی (کسی کھیت کی) باڑھ کے پاس چرایا کرتا ہے (اندیشہ لگا رہتا
ہے کہ) وہ اب یا جب (کھیت میں) جا گریں ۔ آگاہ رہو ہر بادشاہ کی ایک
باڑھ ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی باڑھ اس کی زمین میں اس کی حرام ٹھہرائی
ہوئی چیزیں ہیں " پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :۔
الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت
فسد الجسد كله الا وهی القلب ۔ (بخاری، مسلم، ابن عدی) آگاہ رہو کہ
جسد انسانی میں ایک بوٹی (گوشت کا لوتھڑا) ہے جب وہ درست حالت پر رہے تو
سارا جسد درست حالت پر رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارے
جسد میں خرابی آجاتی ہے ۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے "

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ جو کہ یقین کرتے ہیں ان دیکھی
چیزوں کا " اس بنا پر کہ خدا تعالیٰ اور رسولؐ نے اس کی خبر دی ہے ۔ اور ان کو اس

امر کا یقین کامل ہے کہ خدا و رسول کی دی ہوئی ہر خبر سچی ہے اس میں کسی ریب و تردد کی گنجائش نہیں۔ یہاں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ متقین کے جو اوصاف اوپر بتائے گئے ان کا اعتبار ایمان پر موقوف و منحصر ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر کسی شخص میں تمام اسباب و ابواب تقویٰ جمع ہیں اور وہ ہر طرح سے محتاط زندگی بسر کرتا ہے لیکن اس کو خدا اور رسول پر اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان و ایقان نہیں تو اس کی یہ احتیاط لائق اعتنا نہیں۔ قرآن کریم ہدایت ہے ان متقین کے لئے جو غیب پر یعنی اَن دیکھی چیزوں پر جو خدا و رسول نے بتلائی ہیں ان پر ایمان رکھتے ہوں۔

یؤمنون بالغیب کی تفسیر

یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ هم المؤمنون من العرب قال والایمان التصدیق والغیب ما غاب عن العباد من امر الجنة والنار وما ذکر الله فی القرآن لم یکن تصدیقهم بذلك من قبل اهل الکتاب او علم کان عندهم (ابن جریر) یہ (اولیں صفت) عرب کے مومنین کی ہے۔ (ان کے ذریعہ سے دیگر اقوام کو ایمان نصیب ہوا) اور ایمان نام ہے دل سے سچ جاننے کا۔ اور غیب وہ چیزیں

مراد ہیں جو بندوں (کی نظر) سے دور ہیں مثلاً جنت، دوزخ، اور وہ تمام دریپش ہونے والے احوال جن کا ذکر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ان امور کی تصدیق نہ تو ان کو اہل کتاب کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی اور نہ ان کا علم اہل کتاب سے ان کو حاصل ہوا تھا۔" صرف قرآن کریم کے ذریعہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے عرب ان مغیبات پر ایمان لا سکے اور ان کی تصدیق کر سکے۔

ایمان کی تفسیر ایمان کے معنی لغت میں صرف تصدیق کے ہیں۔ تصدیق دل سے بھی ہوتی ہے اور زبان سے بھی۔ لیکن اصطلاح شرع شریف میں دل اور زبان دونوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کا نام ایمان ہے اگر تصدیق صرف دل سے ہو اور زبان سے اس کا اقرار نہ ہو تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں۔ اصطلاح شرع شریف میں ایسے شخص کو جاحد کہتے ہیں۔ یعنی ضدی اور ہٹی۔ یہ کافر ہیں ان سے کے ساتھ کافروں کی طرح سلوک کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم۔ کافروں نے آیات اللہ کا (زبان سے) انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کی تصدیق کر چکے تھے۔" دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اور آپ کی امانت وصداقت کو) کفار خوب پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔" البتہ ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کسی کو کلمۂ کفر زبان سے نکالنے پر زبردستی جبر واکراہ کے ذریعہ مجبور کر دیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہے۔" تو ایسا زبردستی کا زبانی انکار ایمان قلبی اور تصدیق دلی پر اثر انداز نہ ہوگا۔ اور اگر زبان سے اقرار ہو اور دل میں تصدیق نہ ہو تو شرعاً اس کا بھی اعتبار نہیں۔ شرع شریف کی اصطلاح میں اس کو نفاق کہتے ہیں۔ منافقین کا

شمار اہل ایمان میں نہیں ہو سکتا۔ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم۔
منافق صرف اپنے منہ سے بولتے ہیں (ایمان کی باتیں) جو اُن کے دل میں نہیں ہیں"
اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللّٰہ واللّٰہ یعلم
انک لرسولہ واللّٰہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔ (اے نبی کریم) جب
آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے
رسول ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کو بھی معلوم ہے کہ بے شک وشبہ آپ اسکے رسول ہیں۔ اور
اللہ گواہ ہے کہ منافقین جھوٹ بول رہے ہیں" یعنی آپ کی رسالت کا اقرار ان کو
صرف زبان سے ہے۔ دل میں انکار ہے۔ لیکن ان کے ساتھ دنیا میں مسلمانوں کی
طرح سلوک کیا جائے گا۔ کیونکہ دل کا حال اللہ سبحانہ ہی کو معلوم ہے دوسرے اس سے
واقف نہیں۔ مگر آخرت میں ان کا حال کافروں سے بھی بدتر ہے۔ ارشاد الٰہی
ہے:۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یقین جانو کہ
منافقین دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے" خدا کی پناہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ منافقین کی شناخت کرادی جاتی تھی۔ اب چونکہ
وحی منقطع ہے لہٰذا کسی کو منافق کہنا درست نہیں۔ ان کے معاملات کو علم الٰہی کے
تفویض کر دینا چاہیئے۔ اور کافر وہ ہیں جو نہ دل سے تصدیق کرتے اور نہ زبان سے

اقرار کرتے ہیں۔ اس تقریر سے۔ مومن، منافق، جاحد، اور کافر میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہو چکا۔

غیب کی تفسیر غیب کی تفسیر میں حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں: بالله وملائکته ورسله والیوم الآخر وجنته وناره ولقائه والحیاة بعد الموت۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کے تمام رسولوں (پیغمبروں) پر اور روز آخر پر اور اس کی جنت اور اس کی دوزخ پر اور اس سے ملنے پر اور مرنے کے بعد (دوبارہ) زندہ ہونے پر" اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ آمنوا بالبعث بعد الموت والجنة والنار وصدقوا بوعود الله الذی وعدنی هذا القرآن۔ (ابن جریر) ایمان لائے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر اور جنت دوزخ پر اور اللہ سبحانہ نے اس قرآن کریم میں جو جو وعدے فرمائے ہیں ان تمام کی تصدیق کی" حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ ہے:۔ ان نافع بن الازرق قال له اخبرنی عن قوله عزوجل الذین یؤمنون بالغیب قال ما غاب عنهم من امر الجنة والنار قال وهل تعرف العرب ذالك قال نعم اما سمعت ابا سفیان بن الحرث یقول ؎

وبالغیب آمنا وقد کان قومنا یصلون للاوثان قبل محمد

نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ خدائے عز وجل کا ارشاد ہے الذین یؤمنون بالغیب اس سے مجھے باخبر فرمایئے تو انھوں نے فرمایا کہ جو چیزیں ان سے چھپی ہوئی ہیں مثلاً جنت و دوزخ غیب سے یہی مراد ہے۔ اس پر نافع بن ازرقؓ نے عرض کیا کیا عرب یہ معنی جانتے ہیں تو فرمایا ہاں جانتے ہیں۔ کیا تم نے حضرت ابوسفیان بن حرثؓ (بن عبدالمطلب) کا یہ شعر نہیں سنا جس میں وہ فرماتے ہیں، اور جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ اور ہم ان تمام چیزوں پر (جو ہم سے چھپی ہوئی ہیں) ایمان لائے۔ درحالیکہ ہماری ساری قوم رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے بت پرستی میں لگی ہوئی تھی۔

خبر واحد پر عمل کرنا بھی ایمان بالغیب ہے

حضرت تویلہ بنت اسلمؓ فرماتی ہیں: صلیت الظہر او العصر فی مسجد بنی حارثۃ فاستقبلنا مسجد ایلیاء فصلینا سجدتین ثم جاءنا من یخبرنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقبل البیت الحرام فتحول الرجال مکان النساء والنساء مکان الرجال فصلینا السجدتین الباقیتین ونحن مستقبلوا المسجد البیت الحرام فبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فقال اولئک قوم آمنوا بالغیب۔ (ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مندہ، ابونعیم) ہم مسجد

بنی حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز مسجد ایلیاء (بیت المقدس) کی طرف رخ کرکے ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ دو رکعتیں ادا کر چکے تھے۔ اتنے میں ایک صاحب نے آکر ہم کو خبر دی کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف رخ کرکے نماز ادا فرمائی۔ یہ سنتے ہی تمام مرد لوگ (جو اگلی صفوں میں تھے) پلٹ کر عورتوں کی جگہ (پچھلی صفوں میں آکر) کھڑے ہوگئے۔ اور عورتیں (جو پچھلی صفوں میں تھیں پلٹ کر) مردوں کی جگہ آن کھڑی ہوگئیں۔ اور بقیہ دو رکعتیں بیت الحرام کی طرف متوجہ ہوکر ادا کیں۔ پھر یہ خبر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو ارشاد فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاچکے ہیں۔" یہاں یہ بتلانا منظور رہے کہ ایک صحابی کے قول پر عمل کرنا بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیت الحرام کی طرف متوجہ ہوکر نماز ادا فرمانا ان لوگوں نے دیکھا نہ تھا۔ صرف انھوں نے خبر واحد پر عمل کیا۔

حرث بن قیس کا ایک واقعہ | حضرت حرث بن قیسؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

انہ قال لابن مسعودؓ عند اللہ یحتسب ما سبقتمونا بہ یا اصحاب محمدؐ من رؤیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن مسعودؓ عند اللہ یحتسب ایمانکم بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ولم تروہ ان امر محمد کان

بیننا ملن رآہ والذی لآ الٰہ غیرہ ما آمن احد افضل من ایمان بغیب ثمّ قرأ الٓـمّٓ ذلک الکتاب لاریب فیہ الی قولہ المفلحون۔ (سفیان بن عیینہ، سعید بن منصور، احمد بن منیع، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عرض کیا کہ اے اصحاب محمدؐ! اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر عظیم لکھا ہے کہ آپ حضرات جو حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئے اس امر میں آپ صاحبین نے ہم (بعد آنے والوں سے) سبقت کی۔ (یہ شرف ہم کو نصیب نہ ہو سکا) اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس اس کا بھی اجر عظیم لکھا ہوا ہے کہ حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تم لوگ ایمان لائے حالانکہ تم نے حضور اکرمؐ کو دیکھا نہ تھا۔ حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ آپ کے دیکھنے والوں کے لئے نہایت صاف اور واضح تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ ایمان بالغیب سے افضل اور کوئی ایمان نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کی تائید میں آپ نے (سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں) الٓـمّٓ ذلک الکتاب لاریب فیہ سے مفلحون تک تلاوت فرمائیں" (جو اس تفسیر کے سرنامہ پر درج ہیں اور جس میں (الذین یؤمنون بالغیب بصراحت ارشاد ہوا ہے)۔

حضرت عمر کا ایک واقعہ

امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ کنت جالسا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انبئونی بافضل اھل الایمان ایمانا قالوا یارسول اللہ الملائکۃ قال ھم کذلک ویحق لھم وما یمنعھم وقد انزلھم اللہ المنزلۃ التی انزلھم بھا قالوا یارسول اللہ الانبیاء الذین اکرمھم اللہ برسالاتہ والنبوۃ قال ھم کذلک ویحق لھم وما یمنعھم وقد انزلھم اللہ المنزلۃ التی انزلھم بھا قالوا یارسول اللہ الشھداء الذین استشھدوا مع الانبیاء قال ھم کذلک ویحق لھم وما یمنعھم وقد اکرمھم اللہ بالشھادۃ مع الانبیاء بل غیرھم۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت مبارک میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور نے (حاضرینِ مجلس) صحابہ سے دریافت فرمایا مجھے بتاؤ کہ اہل ایمان میں ایمان کے اعتبار سے افضل ترکون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! وہ ملائکہ کرام ہیں۔ ارشاد ہوا وہ (بیشک) ایسے ہی ہیں ان کو (ایمان کے اعتبار سے افضل تر ہونے کا) حق ہے اور اس میں ان کے لئے کیا امر مانع ہے؟ اور یہ ثابت و محقق ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو جو منزلت (عالیہ) دینی تھی دی ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (افضل ترین

ایمان والے) انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے پیامات رسالت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا (بے شک یہ حضرات بھی) ایسے ہی ہیں اور ان کو اس کا حق پہنچتا ہے اور ان کے لئے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے اور یہ محقق ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو اس منزلت رفیعہ میں رکھا ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ (افضل تر ایمان والے) شہدا ہیں جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی رفاقت دی یہاں تک کہ انھوں نے جام شہادت نوش کیا اور راہ خدا میں جان شیریں دیدی۔ اس پر بھی ارشاد مبارک ہوا کہ (یقیناً) یہ بھی ایسے ہی ہیں اور ان کو اس کا حق پہنچتا ہے اور اس میں ان کے لئے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ درحالیکہ اللہ سبحانہ نے ان کو یہ مرتبہ عالیہ دیا ہے اس بنا پر کہ انبیاء علیہم السلام کا ساتھ دے کر اپنی جان راہ خدا میں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ہماری مراد ان اصحاب کے سوا ہے۔ بتاؤ کہ افضل ترین ایمان والے اور کون ہیں؟

حضور انور کو بن دیکھے ایمان لانا بھی افضل تر ہے

قالوا فمن یا رسول اللہ؟ قال اقوام فی اصلاب الرجال یأتون من بعدی یؤمنون بی ولم یرونی ویصدقونی ولم یرونی یجدون الورق المعلق یعملون بما فیہ فھؤلاء افضل اھل الایمان ایمانا۔ (بزار، ابو یعلیٰ، مرہبی، حاکم بروایت صحیحہ) صحابہ نے عرض کیا

(جب ملائکہ کرامؑ انبیاءؑ علیہم السلام اور شہداء آپ کی مراد نہیں) تو یا رسول اللہ! پھر کون لوگ ہیں؟ (جو ایمان کے اعتبار سے افضل ترین ہیں) ارشاد مبارک ہوا وہ قومیں مراد ہیں جو اس وقت لوگوں کی صلب میں ہیں۔ وہ میرے بعد (وجود میں) آئینگی۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے درحالیکہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ اور میری بیان کی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کریں گے حالانکہ مجھے انھوں نے نہیں دیکھا۔ ایک ورق لٹکا ہوا ان کو ملیگا اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس پر عمل کرتے رہیں گے۔ بس اس حقیقت کے نظر کرتے وہ لوگ ایمان کے اعتبار سے افضل ترین ہوں گے"۔ اسی مضمون کی احادیث شریفہ حضرات عبداللہ بن عمروؓ ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ جو مختلف مواقع میں ارشاد ہوئی ہیں۔

حضور اکرمؐ کی تمنائے ملاقات آنے والے امتیوں سے

حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے یوں اپنا اشتیاق ظاہر فرمایا:۔ یالیتنی قد لقیت اخوانی قالوا یا رسول اللہ السنا اخوانك واصحابك قال بلی ولكن قوما یجیئون من بعدكم یؤمنون ایمانكم ویصدقونی تصدیقكم وینصرونی نصركم فیالیتنی قد لقیت اخوانی۔ (ابن ابی شیبہ) اے کاش! میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کرسکتا۔

حاضرین دربار نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی اور آپ کے اصحاب نہیں ہیں!! ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن مجھے تمنا ہے اس قوم کی جو تمہارے بعد دنیا میں آئے گی وہ بھی تمہاری طرح ایمان لائیں گے اور تمہاری طرح میری تصدیق کریں گے اور تمہاری طرح میری نصرت اور مدد کرتے رہیں گے۔ (اس لئے میں پھر تمنائے اشتیاق ظاہر کرتا ہوں) اے کاش! میں اپنے بھائیوں سے ملا ہوتا؟"

حضورؐ کے بعد آنے والے زیادہ اجر کے مستحق

حضرت ابوجمعہ انصاریؓ فرماتے ہیں:۔ قلنا یا رسول اللہ هل من قوم اعظم منّا اجرا آمنّا بك واتّبعناك قال ما يمنعكم من ذلك ورسول الله بين اظهركم يأتيكم الوحى من السماء بل قوم يأتون من بعدى يأتيهم كتاب بين لوحين فيؤمنون به ويعملون بما فيه اولئك اعظم منكم اجرا۔

(امام احمدؒ دارمیؒ باوردیؒ ابن قانعؒ تاریخ بخاریؒ طبرانیؒ حاکمؒ) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی قوم ایسی بھی ہے جو ہم سے بھی عظیم تر ثواب کی مستحق ہوگی۔ ہم آپ پر ایمان لاچکے اور آپ کا اتباع کئے جارہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم کو اس سے کیا چیز مانع ہورہی ہے۔ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے اور تمہارے (سامنے) آسمان سے وحی نازل ہوتی جارہی ہے۔ بلکہ وہ لوگ (عظیم تر ثواب کے مستحق ہیں) جو میرے بعد آئیں گے

ان کے پاس دو تختیوں (دفتیوں اور مقوّوں) کے درمیان ایک کتاب آئے گی تو وہ اس پر
ایمان لائیں گے اور اس میں جو کچھ لکھا ہوگا اس پر عمل کرتے رہیں گے وہ تمہارے مقابلہ
میں عظیم تر ثواب پانے کے مستحق ہوں گے۔" یعنی اس بنا پر کہ وہ حضور رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم پر غائبانہ ایمان لائے ہوں گے۔

آنے والے امتیوں کیلئے خوشخبری

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: ان رجلا قال یا رسول اللہ طوبی لمن رآک وآمن بک قال
طوبی لمن رآنی وآمن بی وطوبی ثم طوبی ثم طوبی لمن آمن بی ولم یرنی (امام احمد
ابن حبان) ایک صحابی عرض پرداز ہوئے کہ یارسول اللہ! خوش نصیب ہے وہ جس نے
آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ حضور اقدس کا ارشاد ہوا۔ (واقعی) خوش نصیب
ہے وہ جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ اور وہ بھی خوش نصیب ہے خوش نصیب ہے
خوش قسمت ہے جو مجھ پر ایمان تو لایا مگر مجھے دیکھنے نہ پایا۔" اسی کے مثل وہ حدیث
شریف ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ آپ کے شاگرد حضرت نافع کا بیان
ہے: جاء رجل الی ابن عمر فقال یا اباعبد الرحمن رأیتم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم باعینکم ھذہ قال نعم قال طوبی لکم فقال ابن عمر
الا اخبرک بشئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بلی

قال سمعتہ یقول قال طوبی لمن رآنی وآمن بی وطوبی لمن آمن بی ولم یرنی ثلاث مرات۔ (ابوداؤد و طیالسی، عبد بن حمید) حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت ابن عمرؓ کی کنیت ہے) آپ جیسا جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال باکمال اپنی ان آنکھوں سے دیکھا؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں (ہم جمال باکمال سے ضرور مشرف ہوئے) اس پر اس شخص نے کہا کہ آپ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تمھیں اس حدیث شریف سے باخبر نہ کروں جو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے سنی ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں (ضرور بیان فرمائیے۔) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے:۔۔۔ آپ نے ارشاد فرمایا خوشی نصیب ہو اس کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان بھی لایا۔ اور خوشی پر خوشی اور پھر خوشی نصیب ہو اس کو جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے دیکھا تک نہیں" اور حضرت انسؓ اور ابو امامہ باہلیؓ کی روایت میں سبع مرات کی صراحت ہے۔ یعنی بن دیکھے جو مجھ پر ایمان لایا وہ بھی بڑا خوش نصیب ہے۔ اس جملہ کو حضور نے سات دفعہ دہرایا" یہ روایات ابوداؤد و طیالسی، مسند امام احمد، تاریخ بخاری، معجم طبرانی، مستدرک حاکم اور مسند ابو یعلیٰ میں مسطور ہیں۔ یہ احادیث بعد آنیوالے

عام امتیوں سے متعلق تھے۔

آنے والے امتیوں کا حبِ نبویؐ

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوع ہے جس میں حضور خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔۔ ان ہی کے چند خاصان رسول سے متعلق یہ ارشاد مبارک بھی ہے:۔ انّ ناسامن امّتی یأتون بعدی یودّ احدھم لواشتری رؤیتی باھله وماله (حاکم) میری امت (مرحوم) کے کچھ لوگ جو میرے بعد آئیں گے ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہوگا کہ کاش اپنے اہل وعیال اور اپنا تمام مال دے کر میرے دیدار پُرانوار کو خرید لیا ہوتا۔"

سیّدی یاحبیبی مولائی الك مالی فلک السلام علیك

سیّدی یاحبیبی مولائی لك روحی فلک سلام علیك

سیّدی یاحبیبی مولائی لك اهلی فلک السلام علیك

صحابہ کرامؓ اور اخوان میں فرق

سلسلہ کلام طویل ہو رہا ہے جو کچھ عرض کیا گیا وہ "مشتے نمونہ از خروارے" کا مصداق ہے اب ایک حدیث شریف کے صرف ترجمہ کا خلاصہ عرض کر دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اخوان (بھائیوں) سے ملنے کی تمنا ظاہر فرمائی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا۔ تم تو میرے اصحاب ہو۔ میں اپنے بھائیوں سے

ملنے کی تمنا رکھتا ہوں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا۔ فرق یہ ہے کہ جب میں نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا تو تم میں سے بعض نے مجھ سے معجزہ طلب کیا۔ کسی نے بحث کی۔ کوئی درپے آزار ہوئے۔ کسی نے جدال و قتال کیا۔ کوئی منتظر رہے کہ دیکھو ان کی دعوت کا انجام کیا ہوتا ہے؟ جب سب اپنی ارمان چکے تو اسلام قبول کیا۔ جو لوگ میرے بعد آئیں گے ان کا یہ حال ہوگا کہ بغیر ان تمام مراحل کو طے کئے راست طور پر یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کے مصداق ہونگے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ فرض کردہ اعمال کے دس حصے ہیں اگر تم میری موجودگی میں نو حصوں پر عمل کر کے صرف ایک کو چھوڑ دوگے تو تم سے بازپرس ہوگی۔ اور بعد آنے والوں کا یہ حال ہوگا کہ اگر وہ عمل کے نو حصوں کو چھوڑ کر صرف ایک حصہ پر عمل پیرا رہیں گے تو ان کی نجات ہو جائے گی۔ آمدم برسر مطلب۔

غیب کے معنی غیب کے کئی معنی ہیں۔ ایک یہ کہ غیب سے دل مراد لیا جائے اس اعتبار سے یومنون بالغیب کے یہ معنی ہوں گے کہ متقین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ دل سے ایمان لاتے ہیں محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں لیتے۔ دوسرے معنی یہ کہ غیب کو مصدر قرار دیا جائے اور اس کے مصدری معنی مراد لئے جائیں اس صورت میں یومنون بالغیب کے معنی یہ ہونگے کہ غائبانہ بھی ایمان رکھتے ہیں یہ نہیں کہ صرف مسلمانوں کو دکھانے کیلئے ان کے سامنے ایمان ظاہر کرتے ہوں

اور ان کے غائبانہ اس کے خلاف تقریریں کریں جیسی کہ منافقین کی عادت ہے :-
اذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا و اذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن
مستھزءون۔ جب وہ ایمان داروں سے ملیں تو کہا کریں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں
اور جب اپنے شیطان صفت ساتھیوں کے ساتھ تخلیہ کریں تو کہا کریں کہ ہم یقیناً
تمھارے ساتھ ہیں ہم (اہل ایمان کے ساتھ) محض استہزا کر رہے ہیں" یہ منافقین
ہیں متقی نہیں۔ متقی وہ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ ہوں تو ان کے سامنے بھی ایمان کی
باتیں کریں اور جب ایمانداروں کا غائبانہ ہو تو اس وقت بھی ایمان ہی کی باتیں
کرتے ہوں۔ غیب کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ غیب سے غائب مراد لیا جائے یعنی مصدر بمعنی
اسم فاعل۔ اس معنی کے نظر کرتے یؤمنون بالغیب کے معنی یہ ہوں گے کہ جو چیزیں غائب
ہیں یعنی حواس اور عقل سے بدیہی طور پر دریافت نہیں ہو سکتیں بلکہ نبوت و رسالت کی
تعلیم پر موقوف و منحصر ہیں اور لسان شریعت ہی کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں ان سب
چیزوں پر ایمان رکھتے یعنی ان کو مانتے اور دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار
کرتے ہیں وہی مومنین متقین ہیں۔

غیب کے اقسام | پھر غیب جو حواس و عقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے خواہ بمعنی
مصدری ہو یا بمعنی اسم فاعل، اس کے علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم

نہ ہوسکے ۔ یہ علم غیب ذاتی ہے ایسا علم خدائے علیم و خبیر کی ذات ستودہ صفات کیساتھ مختص ہے ۔ اسی لئے غیر اللہ سے اس کی نفی فرمائی گئی ہے ۔ مثلاً ارشاد باری عز اسمہٗ ہے : ۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الّا ھو ۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ۔" اسی طرح قرآن کریم میں متعدد آیات کریمہ ہیں جن میں حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے اس کی نفی فرمائی گئی ہے ان تمام آیات کریمہ میں غیب سے علم غیب ذاتی مراد ہے ۔ اس میں کسی کی شرکت نہیں ۔ اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہوسکی ۔ غیب کی دوسری قسم وہ ہے کہ حواس و عقل سے ان کی دریافت نہ ہوسکنے کے باوجود لسان شریعت نے ان کو بیان فرمایا اور اس پر دلائل بھی قائم ہیں ۔ جیسے صانع عالم کا وجود اس کے صفات نبوت و رسالت اور اس کے لوازم و متعلقات، احکام شریعت، روز آخر اور اس کے احوال بعث حشر و نشر، حساب، سزا و جزا وغیرہ وغیرہ، تعلیمات الٰہیہ اور ہدایات نبویہ کے ذریعہ جن کا علم کرایا گیا اور ان کی تعلیم منجانب اللہ دی گئی ۔ یہ بھی اگرچہ علم غیب ہے اس کا علم جس حد تک کہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہے ضروری اور اس پر ایمان رکھنا ظاہراً و باطناً واجب ہے ۔ اس کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوسکتا ۔ یہاں یؤمنون بالغیب سے غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے ۔ نیز اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے مقبول

اور مقرب بندوں اولیائے کرام اور انبیاو رسل علیہم السلام پر حسب مراتب غیب کے دروازے جو کھولتا ہے اس سے بھی غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب اور اللہ سبحانہ غیب پر تم کو مطلع نہیں کرتا"۔ اور یہ بھی ارشاد ہے:۔ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول۔ غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔ یعنی ہر قسم کے غیب کا علم ذاتی رکھنے والا تو فقط اللہ سبحانہٗ وحدہ لاشریک لہٗ ہے اس پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنی پسند کے مطابق اس کا علم عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا:۔ اعطیت علم الاولین والاٰخرین۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم عنایت فرمایا گیا۔ اور ارشاد باری ہے:۔ وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما اور اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جن کو آپ جانتے نہ تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے"۔ اور رسولوں کی اتباع کی بنا پر اولیاء بھی حسب مراتب اس سے بہرہ پاتے ہیں۔ اگرچہ معتزلہ اولیا کے علم غیب کے مطلقاً منکر ہیں۔ یہاں تک یؤمنون بالغیب یعنی غیب پر ایمان سے متعلق ارشاد ہوا۔ آئندہ عمل سے متعلق ارشاد ہو رہا ہے

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان میں عمل داخل نہیں۔

یقیمون الصلوٰۃ کی تفسیر

وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ۔ اور (متقین کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ) قائم رکھتے ہیں نماز " یعنی نماز پابندی کے ساتھ وقت پر پڑھا کرتے، اس کے شرائط و ارکان پورے پورے ادا کرتے فرائض و سنن و مستحبات کی ادائی پیش نظر رکھتے مفسدات و مکروہات سے اس کو بچاتے ہیں۔ یہ نماز کے اعمال ظاہری ہیں اور آداب باطنی یہ کہ خشوع و خضوع اور حضور قلب کے ساتھ یعنی دل کو ماسوی اللہ سے فارغ کر کے حق کی طرف متوجہ رہتے اور عرض و نیاز اور دعا و مناجات میں محو رہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے یقیمون الصلوٰۃ کی تفسیر میں فرمایا:۔ الصلوات الخمس (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن اسحاق)۔ یعنی نماز سے پانچوں نمازیں مراد ہیں " جو روزانہ رات دن میں فرض ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا:۔ یقیمونھا بفروضھا۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) یعنی ان پانچوں نمازوں کو ان کے فرائض کی نگہداشت کے ساتھ پابندی سے ادا کرتے رہتے ہیں " نیز نماز کو قائم رکھنے کی تفسیر یوں فرمائی:۔ اتمام الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع والاقبال علیھا فیھا۔ (ابن جریر) رکوع، سجود، تلاوت کو پوری پوری طرح ادا کرنا خشوع کے ساتھ اور نماز میں توجہ تام رکھنا۔ (اللہ سبحانہ کی طرف" اس طرح کہ گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں یا

وہ ہم کو دیکھ رہا ہے)۔ حضرت قتادہؓ نے یوں تفسیر فرمائی:۔۔ اقامۃ الصلاۃ المحافظۃ علی مواقیتھا ووضوئھا ورکوعھا وسجودھا۔ (عبد بن حمید) نماز کو قائم رکھنے سے مراد ان کے اوقات کی پابندی، وضو و طہارت کا اہتمام اور رکوع و سجود (وغیرہ) کی ادائی"۔ صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعا کے ہیں چونکہ نماز بھی دعا پر مشتمل ہے اس لئے صلوٰۃ اس کا نام رکھا گیا۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے:۔۔ الدعاء مخ العبادۃ۔ دعا ہی عبادت کا مغز اور اس کا خلاصہ و ماحصل ہے"۔ یہ عبادت بدنیہ ہوئی۔

ومما رزقنٰھم ینفقون کی تفسیر

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں"۔ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے از راہ کرم ان کو جو حصہ دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں مستحقین پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس میں زکاۃ، نذر، اہل و عیال کا نفقہ اور صدقات نافلہ (خیرات و مبرات) سب داخل ہیں۔ ان میں سے زکاۃ فرض ہے اور نذر اور اہل و عیال کا نفقہ واجب اور خیرات و مبرات اور دیگر کارہائے ثواب نفل و مستحب ہیں۔

کلمہ مِمَّا کا فائدہ

جاننا چاہیئے کہ یہاں مِمَّا رزقنٰھم ارشاد ہوا۔ ما رزقنٰھم نہیں فرمایا گیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ جو کچھ عنایت ہوا ہے وہ سب کا سب خرچ کر دینا مقصود نہیں بلکہ اس میں سے بعض کے خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے

چنانچہ زکاۃ مفروضہ اندوختہ کا چالیسواں حصہ دینا ہی آیا ہے۔ انتالیس حصے انسان اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ نذر غیر معین ہے تو اس میں بھی اختیار ہے کہ اپنے حسب منشا کچھ راہ خدا میں دے دیں۔ البتہ نذر معین کی صورت میں جتنی مقدار دینے کا عہد کیا گیا ہے اس کی ادائی واجب ہوگی۔ اس میں بھی موقع ہے کہ اتنی مقدار ہی معین کریں جو گراں نہ گزرے۔ اہل و عیال کا نفقہ بھی حسب حیثیت واجب ہے حیثیت سے زائد واجب نہیں۔ خیرات و مبرات تو صدقات نافلہ میں شامل ہے۔ اس میں چالیسویں حصہ کی بھی قید نہیں۔ اور اپنا کل مال دیدینے کی تو ممانعت بھی فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔ ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ نہ اپنا ہاتھ اپنے گلے میں لٹکالو (کہیں کچھ نہ دوگا) اور نہ اس کو پوری طرح کھول دو۔ اس صورت میں تم ملامت کئے ہوئے حسرت زدہ ہوکر بیٹھ جاؤگے۔ بلکہ کچھ دو اور باقی اپنے لئے اٹھا رکھو۔ یہی معتدل صورت ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو بھی پسندیدہ۔ اگر پورا مال راہ خدا میں دیدینے کا حکم ہوتا تو بہت گراں گزرتا۔ ہاں جو نفوس قدسیہ ایسے ہیں کہ اللہ سبحانہ پر اعتماد کامل رکھتے ہیں اور پورا مال دیدینے کی صورت میں بھی ان کے توکل اور اعتماد میں فرق نہیں آتا وہ مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہم کے موقع پر اپنا

پورا مال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نثار کردیا جب ارشاد مبارک ہوا کہ گھر میں کیا رکھ چھوڑا تو کمال اطمینان سے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول کو رکھ چھوڑا ہے۔ یا جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو دفعہ اپنا پورا اثاثہ مسلمانوں کو لوٹ لینے کے لئے فرمایا اور خود گھر سے باہر نکل آئے۔

رزق اور انفاق کے معانی

رزق کے معنی لغت میں بہرہ اور حصے کے ہیں۔ اور عرف عام میں اللہ سبحانہ کے خزانۂ غیب سے جو حصہ ہر ایک کیلئے لکھ دیا گیا ہے اور اس کے خوانِ نعمت سے ہر شخص فیض یاب ہو رہا ہے اس کو رزق کہتے ہیں۔ ینفقون انفاق سے مشتق ہے۔ انفاق کے معنی ہیں:— الاخراج عن الید والملک اپنے قبضہ اور ملکیت سے کسی چیز کو خارج کر دینا۔ جس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ اپنے قبضے اور ملک سے خارج کرکے کسی چیز کو دوسرے کے قبضے اور ملکیت میں دیدینا۔ یہ بھی مومنین متقین کی صفت اور ان کی نشانی ہے۔ دینِ متین اسلام کے تین اہم اصول ہیں۔ ایک عقیدہ صحیحہ دوسری عبادت بدنیہ اور تیسری عبادت مالیہ۔ الحمد للہ کہ یہ تینوں اہم اصول اس مختصر سی آیہ کریمہ میں سمائے گئے ہیں۔ اسی سے قرآن کریم کا اختصار اور جامعیت ظاہر ہے۔ یومنون بالغیب کے ذریعہ عقیدہ صحیحہ کی تلقین کی گئی۔ اور یقیمون الصلاۃ سے عبادت بدنیہ کی

طرف اشارہ فرمادیا گیا اور ومما رزقنٰھم ینفقون کے ذریعہ عبادت مالیہ کی تعلیم دی گئی۔ رہا روزہ وہ بھی عبادت بدنیہ ہے اور حج عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ دونوں سے مرکب ہے۔

تفسیر بالا کی تائید ائمہ تفسیر کے اقوال سے

حضرت ابن عباس نے وممارزقنٰھم ینفقون کی تفسیر میں فرمایا:۔ زکاۃ اموالھم۔ (ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن اسحاق) اس سے لوگوں کے اموال کی زکاۃ مراد ہے۔" دوسرے موقع پر فرمایا:۔ یؤدّون الزکاۃ احتسابا لھا۔ (ابن اسحاقؒ ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ) یعنی وہ اجر و ثواب کے خیال سے زکاۃ ادا کرتے ہیں۔" حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ انفقوا فی فرائض اللہ التی افترض اللہ علیھم فی طاعتہ و سبیلہ۔ (عبد بن حمید) انھوں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائی میں جو اللہ نے ان پر فرض قرار دئے تھے۔ اس کی طاعت کے خیال سے اس کی راہ میں خرچ کیا۔" حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:۔ انما یعنی الزکاۃ خاصۃ دون سائر النفقات لا یذکر الصلاۃ الا ذکر معھا الزکاۃ فاذا لم یسمّ الزکاۃ قال فی اثر ذکر الصلاۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۔ (ابن المنذر) یہاں خصوصیت سے زکاۃ ہی مراد ہے۔ دیگر ابواب خیر مراد نہیں۔ کیونکہ (قرآن کریم کا سیاق اس طرح ہے کہ)

نماز کے ذکر کے ساتھ عموماً زکاۃ کا بیان فرمایا جاتا ہے پھر جب یہاں نماز کے ساتھ زکاۃ کا نام نہیں لیا گیا تو اس کے بعد مما رزقناھم ارشاد ہوا" لہذا اس سے زکاۃ ہی مراد ہے" حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔ ھی نفقۃ الرجل علی اھلہ۔ (ابن جریر) انسان اپنے اہل و عیال پر جو کچھ (ان کے نفقہ کے سلسلہ میں) خرچ کرتا ہے" وہی نفقہ مراد ہے۔ حضرت ضحاک جو ائمہ تفسیر سے ہیں فرماتے ہیں کہ کانت النفقات قربانا یتقربون بھا الی اللہ علی قدر میسورھم وجھدھم حتی نزلت فی سورۃ براءۃ ھن الناسخات المبینات۔ (ابن جریر) اوائل اسلام میں مالی صدقات تقرب الی اللہ کے لئے ادا کئے جاتے تھے لوگ اپنی سہولت و استطاعت کے مطابق اس میں حصہ لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۂ برات (سورۂ توبہ) میں آیاتِ زکاۃ (انما الصدقات للفقراء و المساکین) نازل ہوئیں (اور سورۂ توبہ کی ان آیات نے) سابقہ صدقات (کی فرضیت) کو منسوخ کر دیا لہذا آیاتِ زکاۃ" دیگر صدقات کی آیات کے لئے ناسخ اور حکم بیان کرنے والی قرار پائیں" اب دیگر صدقات و ابواب خیر فرض نہیں رہے نوافل ہیں۔ صرف زکاۃ فرض ہے اور نذر اور اہل و عیال کا نفقہ واجب جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

یؤمنون بما انزل کی تفسیر

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ اور جو ایمان لائیں اس پر جو اترا آپ پر اور اس پر بھی جو اترا آپ سے پیشتر۔ سابقہ آیہ کریمہ الذین یؤمنون بالغیب سے مکہ کے مسلمان مراد تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوے تھے۔ اور اس آیت شریفہ میں اہل کتاب سے جو لوگ مشرف ہوئے ان کا بیان فرمایا جارہا ہے جن کا سابقہ کتب الٰہیہ پر بھی ایمان تھا پھر قرآن کریم پر بھی ایمان لائے۔ یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ جملہ کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن کریم ہو یا توریت، زبور ہو یا انجیل، صحف ابراہیم ہوں یا اور تمام صحیفے جو انبیاء مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے ان میں سے کسی ایک کتاب یا صحیفہ کا انکار بھی کفر ہے۔ اہل کتاب (یہود ونصاری) نے چونکہ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کیا اس لئے کافر قرار پائے۔ البتہ ان میں سے جن لوگوں نے قرآن کریم کو کتاب اللہ مانا وہ مسلمان قرار دئے جائینگے۔ یہاں ان ہی لوگوں کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— ثلاثة لهم اجران رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه وآمن بمحمدؐ۔ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے

دوہرا ثواب ہے۔ ان میں سے ایک وہ جو اہل کتاب سے تھا۔ اپنے نبی پر ایمان لایا اور حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔" یہ بھی یاد رہے کہ الذین یؤمنون بالغیب سے اگرچہ مشرکین مکہ مراد ہیں جو مشرف باسلام ہوئے اور الذین یؤمنون بما انزل الیک مسلمانان اہل کتاب کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہے لہٰذا اس سے کل مسلمان مراد ہوں گے۔

قرآن کریم کی طرح تمام کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے

یاد رہے کہ جس طرح قرآن کریم پر ایمان لانا ہر عاقل وبالغ پر فرض عین ہے اسی طرح انبیائے سابقین پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان سب پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ لیکن کتب سابقہ میں جو احکام ہیں ان سب پر عمل نہ ہوگا کیونکہ ہماری شریعت میں ان کے بعض اعمال منسوخ ہو چکے۔ مثلاً ان کو بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ ہماری شریعت میں یہ حکم منسوخ ہو چکا اور مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہوا۔ اب بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ کتب سابقہ پر اجمالاً ایمان کافی ہے اور قرآن کریم پر تفصیلاً ایمان لانا فرض کفایہ ہے یعنی امت مرحومہ کے چند افراد بھی تفصیلی ایمان والے ہوں تو پوری امت کے لئے بس ہے۔ دوسروں پر سے یہ فرض ساقط

ہوجائے گا۔ اگر امت میں کوئی بھی تفصیلی ایمان والا نہ ہو تو سب ماخوذ ہوں گے۔ قرآن کریم کا تفصیلی علم حاصل کرنا امت کے تمام افراد پر فرض نہیں بلکہ بعض افراد ایسے موجود ہوں جنہوں نے تفصیلی علم کی تحصیل میں پوری جدوجہد کی ہو۔ لہٰذا علمائے دین کی ایک جماعت ہر زمانے میں ہر مقام پر موجود رہنا ضروری ہے تاکہ عامۃ المسلمین کی دینی پیشوائی اور رہبری کر سکتے ہوں۔

آخرت پر ایمان لانے کا بیان

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھیں" یعنی یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے اور یہ ان متقیوں کی ہدایت کا سامان ہے جو غیب پر ایمان رکھتے' نماز قائم کرتے اور ہمارے دئے ہوئے رزق کو ہماری راہ میں خرچ کرتے' قرآن کریم پر ایمان لاتے اور اگلی تمام کتابوں پر بھی ایمان لاتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں" حضرت ابن عباسؓ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:— ای بالبعث والقیامۃ والجنّۃ والنار والحساب والمیزان ای لا ھؤلآء الذین یزعمون انھم آمنوا بما کان قبلک ویکفرون بما جآءک من ربّک۔ (ابن اسحاق' ابن جریر' ابن ابی حاتم) یعنی قبروں سے اٹھائے جاتے' اور قیامت' اور جنت و دوزخ' اور حساب و میزان عمل پر جو یقین

رکھتے ہیں، (وہ متقین مراد ہیں خواہ وہ اہل کتاب سے ہوں یا دوسرے) نہ کہ وہ جن کا دعویٰ اور زعم ہے کہ (اے نبی کریم!) آپ سے پہلے جو (انبیا اور کتابیں تحقیں صرف) ان پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے پرودگار کے پاس سے آپکے ہاں جو (کتاب) آئی ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔" ایسے مدعیان کاذب کا شمار مومنین میں نہیں ہو سکتا۔

اولٓئک علیٰ ھدی کی تفسیر اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پرورد گار کی اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے" یعنی متقین جن کے اوصاف اوپر گنائے گئے اور جن کی نشانیاں بتلائی گئیں وہی اس ہدایت اور راہ پر ہیں جن کی رہنمائی پروردگار تعالیٰ نے فرمائی ہے اور وہی شاد کام فائز المرام ہیں۔ آخرت دنیا کی ضد ہے۔ دُنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسانی زندگی سے قریب تر ہے یعنی انسان کو اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ یہیں بسر کرنا پڑتا ہے۔ اور آخرۃ کو آخرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا عہد بعد کو اور دنیا کے پیچھے آتا ہے۔ مومن کیلئے دار آخرت پر یقین لانا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا۔ دنیا میں جتنے پیغمبر تشریف لائے اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان سب کی تعلیم

یہی ہے کہ آخرت پر یقین رکھیں۔ اس کے حق ہونے میں کسی قسم کا ریب و شک نہ رہے خواہ یہ یقین غور و فکر کے ذریعہ حاصل ہو یا کتاب اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے توسط سے حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ آمنوا بالبعث بعد الموت والحساب والجنۃ والنار وصدقوا بموعود اللہ الذی وعد فی ھذا القرآن ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) ایمان لائیں اور یقین جانیں مرنے کے بعد (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھائے جانے پر۔ اور حساب پر اور جنت و دوزخ پر اور اللہ سبحانہ نے اس قرآن کریم میں جو جو وعدے دئے ہیں ان سب کی تصدیق کریں۔"

آیہ بالا کی تفسیر امام تفسیر کے قول سے

حضرت قتادہؓ نے اولٰئک علی ھدی کی تفسیر میں فرمایا:۔ استحقوا الھدی والفلاح بحق فاحقہ اللہ لھم وھذا نعت اھل الایمان۔ (عبد بن حمید) صفات مسطورۂ بالا رکھنے والے متقین، حقیقی طور پر ہدایت اور کامیابی کے مستحق ٹھہرے تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے بھی ان کو ہدایت و کامیابی کا مستحق قرار دیا۔" بہرحال ہدایت و کامیابی اہل ایمان کی صفت ہے۔" جیسا کہ اوپر ھدًی للمتقین ارشاد ہوا تھا۔ اس ہدایت کے ساتھ آخرت کی کامیابی کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔ ایمان والوں کا جس درجہ تقویٰ ہوگا۔ ان کی ہدایت و کامیابی بھی اسی مناسبت سے ہوگی۔

قرآن کریم میں چار فریق کا بیان ہے

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ ھٰؤلآءِ الآیات الاربع فی اوّل سورۃ البقرۃ الی المفلحون نزلت فی نعت المؤمنین و اثنتان من بعدھا الی عظیم نزلت فی نعت الکافرین والی العشر نزلت فی المنافقین۔ (وکیع) سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مفلحون تک ایمان والوں کی شان میں ہیں۔ (جو اوپر گزر چکیں) اور ان کے بعد کی دو آیتیں کافروں کے بیان میں ہیں۔ (جو اس کے بعد آرہی ہیں) اور ان کے بعد کی دس آیتیں منافقین کے باب میں ہیں" (جو آگے آئینگی)۔ اور حضرت انسؓ نے فرمایا:۔ اربع آیات من فاتحۃ سورۃ البقرۃ فی الذین آمنوا وآیتان فی قادۃ الاحزاب۔ (ابن جریر) چار آیتیں سورۂ بقرہ کی ابتدا سے ایمان والوں کے وصف میں ہیں اور ان کے بعد کی دو آیتیں جماعات کفار کے قائدین کے بیان میں ہیں" حضرت مجاہد نے یہ بھی فرمایا:۔ من اوّل البقرۃ اربع آیات فی نعت المؤمنین وآیتان فی نعت الکافرین وثلاث عشرۃ آیۃ فی نعت المنافقین ومن اربعین آیۃ الی عشرین ومائۃ فی بنی اسرائیل (فریابی، عبد بن حمید، ابن الضریس، ابن جریر، ابن المنذر) سورۂ بقرہ کی ابتدا سے چار آیتیں مومنین کے وصف میں، اور دو آیتیں کافروں کے بیان میں، اور تیرہ

آیتیں منافقین کے باب میں اور چالیسویں آیت سے ایک سو بیسویں آیت تک بنی اسرائیل کے بیان میں آئی ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ قرآن کریم میں ان ہی چار فرقوں کا بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ دنیا بھر کے تمام انسان ان ہی چار اقسام میں منقسم ہیں۔

بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں آیات فاضلہ ہیں

ان آیات کریمہ کا شمار آیات فاضلہ میں ہے۔ احادیث شریفہ میں ان کے فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ ان کے پڑھنے سے فوائد مہمہ حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔

کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء اعرابی فقال یا نبیّ اللہ ان لی اخا وبہ وجع قال وما وجعہ قال بہ لمم قال فائتنی بہ فوضعہ بین یدیہ فعوّذہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفاتحۃ الکتاب واربع آیات من اول سورۃ البقرۃ وھاتین الآیتین والھکم اللہ واحد وآیۃ الکرسی وثلاث آیات من آخر سورۃ البقرۃ ...... فقام الرجل کانہ لم یشتک قط۔ (عبداللہ بن احمد حاکم بیہقی) حضور سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمٰن کی خدمت مبارک میں میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک اعرابی نے آکر عرض کیا۔ اے خدا کے پیارے نبی! میرا ایک بھائی ہے جو سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا اس کو کیا تکلیف ہے؟ اعرابی نے عرض کیا اس کو (قوم جن کا) آسیب ہو گیا ہے

ارشاد ہوا کہ اس کو یہاں لاؤ۔ وہ اس کو اٹھا لایا اور سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس پر دم کیا جس میں سورۂ فاتحہ سورۂ بقرہ کی ابتدائی یہ چار آیتیں اور (سورۂ بقرہ کی آیۂ کریمہ) والٰھکم الٰہ واحد اور آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ ہی کی آخری تین آیتیں اور چند آیات (نیز دوسری سورتوں کی کچھ آیتیں) شامل تھیں ساتھ ہی وہ شخص اٹھ کھڑا ہو گیا گویا کہ اس کو کوئی شکایت ہی نہ تھی۔

آیات اربعہ سے شیطان اور جنوں کا دفعیہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:— من قرأ اربع آیات من اوّل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی وثلاثا من آخر سورۃ البقرۃ لم یقربہ ولا اھلہ یومئذ شیطان ولا شیئ یکرھہ فی اھلہ ولا مالہ ولا یقرأن علی مجنون الا افاق۔ (دارمی، ابن الضریس) جس نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں، اور آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں پڑھ لیں تو اس دن شیطان نہ اس کے پاس پھٹک سکیگا اور نہ اس کے اہل و عیال کے پاس، اور کوئی ناگوار چیز نہ ان کو لاحق ہو سکے گی اور نہ ان کے مال میں کوئی ناگوار بات پیدا ہو گی۔ اور ان آیات کریمہ کو کسی مجنون پر پڑھ کر دم کیا جائے تو اس کو افاقہ ہو جائے گا۔ اسی کی ہم معنی یہ روایت بھی ہے:—

سورہ بقرہ کی دس آیتوں سے شیطان کا دفعیہ

حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: من قرأ عشر آیات من سورۃ البقرۃ فی لیلۃ لم یدخل ذلک البیت شیطان تلک اللیلۃ حتی یصبح اربع من اولھا وآیۃ الکرسی وآیتان بعدھا وثلاث خواتیمھا اولھا للہ ما فی السمٰوات۔ (دارمی، ابن المنذر، طبرانی) جس کسی نے رات کو (گھر میں) سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھ لیں تو صبح ہونے تک اس گھر میں شیطان داخل نہ ہو سکیگا۔ ابتدائی چار آیتیں، آیۃ الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں جن کی ابتدائی آیت للہ ما فی السماوات سے شروع ہوتی ہے۔" حضرت عبد اللہ بن سبیعؒ جو حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ سے ہیں فرماتے ہیں:۔ من قرأ عشر آیات من البقرۃ عند منامہ لم ینس القرآن اربع آیات من اولھا وآیۃ الکرسی وآیتان بعدھا وثلاث من آخرھا (سعید بن منصور، دارمی، بیہقی) جو کوئی شخص سوتے وقت سورۂ بقرہ کی (مذکورۃ الصدر) دس آیتیں پڑھ لے وہ قرآن کریم (پڑھا ہوا یا حفظ کیا ہوا) بھولنے نہ پائے گا۔

بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات دفن کے بعد پڑھنے کی تاکید

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے :۔

اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قابرہ ولیقرأ عند راسہ بفاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ سورۃ البقرۃ فی قبرہ۔ (طبرانیؒ بیہقی) جب تم میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو اس کو (دیر تک) روک نہ رکھو۔ (جہاں تک ہو سکے) اس کو اس کی قبر تک جلد پہنچا دو۔ اور چاہیئے کہ اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی (چار آیتیں مفلحون تک) اور اس کے پائینتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے) قبر کے پاس پڑھی جائیں " جنازہ جلد اٹھانے میں یہ فائدہ ہے کہ اگر وہ نیک ہے تو اس کو اس کی نیکی کی طرف جلد پہنچا دو تا کہ وہ اپنی نیکیوں سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ یہاں روک رکھنے میں کیا رکھا ہے؟ اور اگر وہ بد ہے تو یہ بلا اپنے سر سے جلد اتار دو۔ اور ان آیات کریمہ میں ایمان والوں کے اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ میت نیک ہو تو ان کی تلاوت کا فائدہ ظاہر ہے کہ یہ ان اوصاف کا حامل تھا۔ اور اگر وہ ان اوصاف کا حامل نہ تھا تو کم از کم اس کا قائل تو تھا۔ یہ بھی اس کے لئے فائدے سے خالی نہیں۔

حضرت علاء کی وصیت

حضرت عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاجؒ فرماتے ہیں کہ

ان کو ان کے والد ماجد حضرت علاء بن لجلاجؓ نے وصیت فرمائی:۔۔۔ یا بنی اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ثم سن علی التراب سنا ثم اقرأ عند رأسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمتھا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذٰلك۔ (طبرانی) اے برخوردار! جب تم مجھے میری لحد میں رکھنے لگو تو یوں کہو:۔۔۔ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ (اللہ کے نام سے قبر میں اتار رہا ہوں اور یہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت پر تھے۔) پھر مجھ پر مٹی ڈال دو۔ پھر میرے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور (پائینتی) اس کی آخری آیتیں پڑھ دو۔ کیونکہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی ہدایت فرماتے ہوئے سنا ہے۔"

آیات حرب کی فضیلت حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے یہ حدیث شریف بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔

من قرأ فی لیلۃ ثلاثا وثلاثین آیۃ لم یضرہ فی تلك اللیلۃ سبع ضار ولا لص طار وعوفی فی نفسہ واھلہ ومالہ حتی یصبح۔ اربع آیات من اول البقرۃ الی قولہ المفلحون وآیۃ الکرسی وآیتان بعدھا الی قولہ خالدون والثلاث آیات من آخر البقرۃ للہ ما فی السماوات وما فی الارض الی آخرھا وثلاث آیات من الاعراف

ان ربکم اللہ الی قولہ من المحسنین، وآخر بنی اسرائیل قل ادعوا اللہ
او ادعوا الرحمٰن الی آخرھا، وعشر آیات من اول الصافات الی قولہ
لازب، وآیتان من الرحمٰن یا معشر الجن والانس الی قولہ فلا تنتصران
ومن آخر الحشر لو انزلنا ھٰذا القرآن علی جبل الی آخر السورۃ،
وآیتان من قل اوحی الی وانہ تعالیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ
الی قولہ شططا۔ جو کوئی شخص رات میں یہ (۳۳) تینتیس آیتیں پڑھ لے تو اس
رات میں نہ کوئی ضرر رساں درندہ اس کو ضرر پہنچا سکیگا اور نہ کوئی جیب کترا چور
اس کا کوئی نقصان کر سکیگا۔ اور صبح ہونے تک اس کی جان، مال اور اہل و عیال،
میں عافیت رہے گی۔ (تینتیس آیتیں یہ ہیں) :۔ سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار
آیتیں المفلحون تک، آیۃ الکرسی، اور اس کے بعد کی دو آیتیں خالدون تک،
اور آخر بقرہ کی تین آیتیں للہ ما فی السماوات وما فی الارض سے آخر سورت
تک، اور سورۂ اعراف کی یہ تین آیتیں ان ربکم اللہ سے من المحسنین تک،
اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیتیں قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن سے
آخر سورت تک، اور دس آیتیں سورہ صافات کی ابتدا سے لازب تک، اور
سورۂ الرحمٰن کی یہ دو آیتیں یا معشر الجن والانس سے فلا تنتصران تک،

اور سورۂ حشر کی آخری آیتیں لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل سے آخر سورت تک اور دو آیتیں سورۂ جن کی وانّہ تعالٰی جدّ ربّنا سے شططا تک ۔"

ابن سیرین کا ایک نادر واقعہ

حضرت محمد بن سیرین راوی حدیث فرماتے ہیں :۔ نزلنا بھم بسیری فاتا نا اھل ذلک المنزل فقالوا ارحلوا فانّہ لم ینزل عندنا ھذا المنزل احد الّا اتخذ متاعہ فرحل اصحابی وتخلّفت للحدیث الذی حدّثنی ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فلمّا امسینا لم انم حتّی رأیتھم قد جاؤوا اکثر من ثلاثین مرّۃ مخترطین سیوفھم فما یصلون الیّ ۔ فلمّا اصبحت رحلت فلقینی شیخ منھم فقال یا ھذا انسی ام جنّی قلت بل انسی قال فما بالک لقد اتیناک اکثر من سبعین مرّۃ کل ذلک یحال بیننا وبینک بسور من حدید فذکرت لہ الحدیث ۔ (ہم ایک سفر میں تھے شام ہوئی تو) ایک منزل میں اتر پڑے ۔ اتنے میں وہاں کے باشندے ہمارے پاس آئے اور کہا کہ یہاں سے کوچ کرو کیونکہ جو کوئی شخص (رات) یہاں بسیرا لیتا ہے اس کا مال ومتاع لوٹ لیا جاتا ہے ۔ یہ سن کر میرے تمام ساتھی وہاں سے چل بسے اور (اکیلا) میں ٹھہر ا رہا اس حدیث شریف کی بنا پر جس کو حضرت ابن عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

روایت فرمارہے تھے (جو اوپر گزری) جب شام ہوئی تو میں سو نہ سکا تا آنکہ میں نے ان کو دیکھ لیا کہ تیس دفعہ سے زیادہ اپنی تلواریں سوت کر آرہے تھے۔ لیکن وہ مجھ تک پہنچ نہ سکتے تھے اسی حالت میں صبح ہوئی تو میں نے وہاں سے کوچ کیا۔ اتنے میں ان کا ایک بوڑھا مجھے ملا اور کہنے لگا کہ اے شخص! تم کون ہو؟ انسان ہو یا جن؟ میں نے جواب دیا (جن نہیں) بلکہ انسان ہوں۔ اس نے کہا پھر کیا بات ہے کہ ہم نے ستر دفعہ سے زیادہ تمہارے پاس آنے کی کوشش کی۔ ہر دفعہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک آہنی دیوار کھینچی ہوئی ہوتی تھی۔ اس پر میں نے اسکو حدیث بالا سنائی۔"

آیات حرب ہر مرض کی دوا، اگرچہ مرض لاعلاج ہو

حضرت محمد بن سیرین کا یہ بھی بیان ہے:۔ فذکرت هذا الحديث لشعيب بن حرب فقال لی كنا نسمّيها آيات الحرب ويقال انّ فيها شفآء من كلّ دآء فعدّ علىّ الجنون والجذام والبرص وغير ذلك قال محمد بن علىّ فقرأتها على شيخ لنا قد فلج حتى اذهب الله عنه ذلك۔ (ابن النجار) پھر میں نے حضرت شعیب بن حربؒ سے اس حدیث شریف کا ذکر کیا (اور اپنا واقعہ بھی سنایا) انھوں نے مجھ سے فرمایا ان آیات کریمہ کا ہم نے آیات حرب نام رکھا تھا (یعنی جنگ میں پڑھنے کی آیتیں) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان آیات کریمہ میں

ہر بیماری کا دفعیہ ہے چنانچہ انھوں نے چند (لاعلاج امراض) جنون، جذام اور برص وغیرہ کا بھی گن گن کر نام لیا۔ حضرت محمد (باقر) بن علی (زین العابدین) علی جدہما وعلیہما السلام نے فرمایا میں بھی ان کو ہمارے ایک فالج زدہ ضعیف العمر شخص پر پڑھا تھا اللہ پاک نے اس سے اس مرض کو دفع فرما دیا۔"

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ 2-6
لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰٓ 2-7
أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ بے شک جو کافر ہو چکے ع ۱

برابر ان کو آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لانے کے مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے عذاب ہے بڑا۔"

آیات صدر کی تفسیر اوپر کی آیات کریمہ میں متقین (اولیاء اللہ) کا بیان تھا جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ ان اولیآؤہ الا المتقون "متقین ہی اس کے مقرب اور دوست ہیں"۔ اب ان کی ضد یعنی اعدآء اللہ کا بیان فرمایا جا رہا ہے اور یہ دونوں آیتیں کفار ہی کے بیان میں ہیں لیکن یہاں وہ کافر مراد ہیں جن کا کفر پر اڑے رہنا علم الٰہی میں ثابت و محقق ہو چکا کہ وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے

(اے نبی کریم !) آپ ان کو آخرت سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں صورتیں برابر ہیں
وہ اپنے کفر سے نکلنا نہیں چاہتے' جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ جن کا خاتمہ کفر ہی پر
ہوا۔ اللہ نے بھی ان کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے لہٰذا وہ ایمان کی حقیقت سمجھ نہیں
سکتے۔ اور ان کے کانوں پر بھی مہر لگا دی ہے اب وہ ایمان کی بات سن نہیں سکتے۔
اور ان کی آنکھوں پر (غفلت ونکبت کا) پردہ پڑا ہوا ہے اب حق بات ان کو دکھائی
نہیں دے سکتی۔ (یہ تو ان کی دنیوی تباہی تھی) اور ان کی آخرت کی تباہی یہ ہے کہ
ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے ایسا کہ عذاب کے دیگر اقسام میں سے جو عذاب بھی
تصور کیا جائے ان کا عذاب اس سے بہت بڑا ہوگا۔ پھر اس عذاب عظیم سے وہ کبھی
نکل نہیں سکیں گے۔

ان آیات سے خاطر اقدس کی تسکین مطلوب ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یحرص ان یؤمن جمیع
الناس و یتابعوہ علی الھدی فاخبرہ اللہ انہ لا یؤمن الا من سبق
لہ من اللہ السعادۃ فی الذکر الاول ولا یضل الا من سبق لہ من اللہ
الشقاء فی الذکر الاول۔ (ابن جریر' ابن ابی حاتم' طبرانی' ابن مردویہ' بیہقی) حضور
رحمۃ للعالمین علیہ افضل صلوات المصلین وازکی سلام المسلمین کی ہمیشہ یہ آرزو رہتی تھی کہ

تمام لوگ ایمان لائیں اور جو ہدایت آپ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اس کا اتباع کریں۔ (لیکن نتیجہ ایسا برآمد نہ ہونے سے آپ ملول خاطر رہتے تھے آپ کی تسلی کے لئے) حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر فرمادیا کہ مشرف بایمان وہی ہوگا کہ علم الٰہی ازلی میں جس کی سعادت کا فیصلہ فرمادیا گیا ہو اور (اسی طرح) گمراہی پر بھی وہی اڑا ہوا رہیگا کہ علم الٰہی ازلی میں شقاوت کا فیصلہ صادر فرمادیا گیا ہوگا لہٰذا آپ کے ملول رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے اور بس۔

صحابۂ کرام کی خشیت اور حضور اکرم کی وضاحت

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: قیل یارسول اللہ انا نقرأ من القرآن فنرجو و نقرأ فنکاد نیأس فقال الا اخبرکم عن اھل الجنۃ وعن اھل النار قالوا بلی یارسول اللہ قال الٓمٓ ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین الی قولہ المفلحون ھؤلآء اھل الجنۃ قالوا انا نرجوا ان نکون ھؤلآء ثم قال ان الذین کفروا سوآء علیھم ءانذرتھم الی قولہ عظیم ھؤلآء اھل النار قلنا لسنا ھم یارسول اللہ قال اجل۔ (ابن ابی حاتم) حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو (جنت کے) امیدوار بنے رہتے ہیں۔ پھر (کچھ حصے کی) تلاوت کرتے ہیں تو قریب قریب مایوسی سی

معلوم ہوتی ہے (یہ کیا بات ہے؟) اس پر ارشاد مبارک ہوا کیا میں تم کو خبر نہ دوں کہ اہل جنت کون ہیں اور اہل نار کون؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور ارشاد فرمائیے یا رسول اللہ! (یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں) آپ نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیات مفلحون تک تلاوت فرمائیں پھر ارشاد ہوا کہ یہ لوگ (جو ان صفات کے حامل ہیں وہ) جنتی ہیں۔ ہم نے عرض کیا ہم بھی امید وار ہیں کہ ہم اس کے مصداق ٹھہریں۔ پھر ارشاد مبارک ہوا انّ الذین کفروا سوآءٌ علیھم سے عظیم تک۔ یہ سن کر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس کے مصداق بننا نہیں چاہتے۔ فرمایا ہاں (ٹھیک ہے)۔"

کفار اہل کتاب بھی اس آیت میں داخل ہیں

حضرت ابن عباسؓ نے ایک موقع پر ان دو آیتوں کی تفسیر دوسری طرح فرمائی۔ انّ الذین کفروا ای بما انزل علیك وان قالوا انا قد آمنا بما جاءمن قبلك سوآءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ای انھم قد کفروا بما عندھم من ذکرك وجحد وا ما اخذ علیھم من المیثاق لك فقد کفروا بما جاءك وبما عندھم مما جاءھم بہ غیرك فکیف یسمعون منك انذارا وتخویفا وقد کفروا بما عندھم من نعتك ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ

ای عن الھدی ان یصیبوہ ابدا بغیر ما کذبوا بہ من الحق الذی جاءك من ربك حتی یؤمنوا بہ وان آمنوا بکل ما کان قبلك ولھم بما ھم علیہ من خلا فك عذاب عظیم ٭ ھذا فی الاحبار من الیھود ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم ابن اسحاق) بے شک جن لوگوں نے انکار کیا یعنی اس کتاب کا جو آپ کی طرف اتاری گئی اگرچہ انھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ان کتابوں پر جو آپ سے پیشتر آئی ہیں۔ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں وہ کبھی ایمان نہ لائینگے۔ یعنی انھوں نے انکار کیا آپ کے ذکر کا جو ان کی کتابوں میں ہے اور وہ مکر گئے اس عہد و میثاق سے جو آپ کے بارے میں ان سے لیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ انکار کر رہے ہیں اس کتاب کا جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ان کتابوں کا بھی جو دوسرے انبیاء ان کے پاس لائے تھے۔ ایسی صورت میں وہ ڈراوے اور تخویف کو کیوں سننے لگے؟ درحالیکہ آپ کا بیان انکی کتابوں میں بصراحت ان کے پاس موجود تھا۔ اللہ سبحانہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ اب راہ ہدایت انکو کبھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اس تکذیب حق کی وجہ سے جو آپ کے پاس آپ کے رب کے پاس سے آیا کہ وہ اس پر ایمان لاسکیں۔ گو ان کا زعم یہ ہو کہ آپ کے پیشتر کی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور ان کے لئے اس وجہ سے کہ وہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں بڑا عذاب ہے۔

اس اعتبار سے یہ آیات علمائے یہود کے باب میں بھی ہوسکتی ہیں۔" بہرحال یہ دو آیتیں کفار کے باب میں ہیں جن میں کفار اہل کتاب بھی داخل ہیں۔ اب اس کے بعد سے وہ آیات کریمہ آرہی ہیں جو منافقین کے بارے میں ہیں۔ یہ حسب روایات سابقہ تیرہ آیتیں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم 2-8
بِمُؤْمِنِينَ ۝ اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روز آخر پر، حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔"

منافقین کے احوال اور ان کے احکام

یعنی بعض لوگوں کا مجرد دعوی ہے کہ وہ اللہ پر اور آخری دن پر (جو اصل ایمان ہے) یقین رکھتے ہیں یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتے ہیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ یہ سب ان کا زبانی جمع خرچ ہے۔ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کو یقین قلبی ہرگز نہیں اور اہل ایمان میں ان کا کبھی بھی شمار نہیں۔ محض دکھاوے کے افعال اور سناوے کے اقوال ہیں۔ زبان پر کلمۂ ایمان ہے اور دل میں کفر بھرا ہوا ہے یہ محض اسلئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ منافقین کے احکام پہلے بیان کر دیے گئے کہ دنیا میں ان کے ساتھ ایمان والوں کے مثل سلوک اور برتاؤ کیا جائے گا۔ اس بنا پر کہ وہ زبانی اقرار کر رہے ہیں دلوں کا حال علام الغیوب ہی کو ہے۔ مفسرین کرام

فرماتے ہیں کہ یہ آیات عبداللہ بن اُبی اور اس کے ہم خیال رفقا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اگرچہ ان کا حکم عام ہے۔

احوال منافقین کی ایک تمثیل

حضرت قتادہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:—

ھذا نعت المنافق نعت عبد اخائن السریرۃ کثیر الاخلاف یعرف بلسانہ وینکر بقلبہ ویصدق بلسانہ ویخالف بعملہ ویصبح علی حال ویمسی علی غیرہ ویتلقأ تتکفوٴ السفینۃ کلّما ھبّت ریح ھبّت فیھا (عبد بن حمید) یہ منافق کا بیان ہے۔ اس غلام کا سا جس کا باطن خیانت سے پُر ہے بڑی مخالفت رکھنے والا۔ زبان سے اعتراف کرتا اور دل سے انکار کرتا رہتا ہے۔ زبان سے تصدیق کرتا اور عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ اس کی صبح ایک حال پر اور شام اس کے سوا کسی دوسری حالت پر ہوا کرتی ہے، وہ کشتی کی طرح ڈھلکتا اور تھپیڑے کھاتا رہتا ہے۔ جدھر کی ہوا چلی اسی طرف بہتا جاتا ہے" ع چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔

علامہ قاشانی کی توجیہ

علامہ قاشانیؒ فرماتے ہیں کہ کفار جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے ان کا بیان صرف دو آیتوں میں اور منافقین کا بیان تیرہ آیات میں اس بنا پر ہے کہ ایسے کفار سے خطاب ہی بے سود ہے اس لئے مختصراً ان کا حال بتا دیا گیا تاکہ تضیع اوقات نہ ہو۔ اور منافقین اگرچہ ان کا حال کفار سے بھی برا ہے لیکن اگر ان کی برائیاں ان پر

ظاہر کی جائیں اور افہام و تفہیم سے کام لیا جائے تو امید ہو سکتی ہے کہ وہ نفاق سے توبہ کر لیں۔ اور ان کا انجام بخیر ہو۔ ارشاد باری ہے :۔ الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینھم للہ فاولٰئک مع المومنین وسوف یؤت اللہ المؤمنین اجرا عظیما۔ مگر ان میں سے) جو لوگ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں اور اللہ (کی رسی کو) مضبوطی سے تھام لیں اور اپنا دین خلوص کے ساتھ اللہ کے لئے بنا لیں تو یہ مومنین (مخلصین) کے ساتھ ہوں گے اور اللہ سبحانہ ایمان والوں کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اس لئے منافقین کا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے

ایک سوال مقدر کا جواب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ منافقین ایسی دورخی اور دو عملی کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے :۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ 2-9

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور ان کو شعور نہیں ؎

منافقین کا فریب یعنی منافقین اپنی ان چال بازیوں کے ذریعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اور مومنین کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ پاک کے مقابلے میں ان کی کوئی چال بازی چل نہیں سکتی کیونکہ وہ غیب داں ہے ان کے دلوں کی حالت

خوب واقف ہے اور اسی طرح اہل ایمان کے ساتھ بھی ان کی کوئی چال چل نہیں سکتی
اس لئے کہ اللّٰہُ ولی الذین آمنوا۔ اللہ سبحانہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں موجود ہیں۔ اللہ سبحانہ وقتاً فوقتاً وحی کے ذریعہ اپنے
حبیب پاک کو ان کی ہر چال سے آگاہ فرماتا رہتا ہے۔ قرآن کریم کے ذریعہ ان کے
منصوبوں اور فریب کاریوں سے باخبر کردیتا ہے۔ لہذا ان کی فریب کاری کا کوئی
اثر کسی پر پڑ نہیں سکتا۔ البتہ اگر اس کا وبال کسی پر پڑ سکتا ہے تو خود ان ہی کی ذات پر۔
اگر وہ شعور رکھتے اور غور وفکر سے کام لیتے تو یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آسکتی تھی مگر انکو
کچھ احساس ہی نہیں تو وہ غور وفکر کیا کرتے اور اس کے انجام کو کس طرح سمجھ سکتے؟

خود منافقین فریب خوردہ ہیں منافقین کا خود اپنی ذات کو دھوکہ میں رکھنا
اس طرح ہے کہ اگر ان کا آمنّا باللہ والیوم الآخر کہنا مومنین مخلصین کی طرح ہوتا تو
یہ بھی اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون کا مصداق ٹھہرتے
دارین میں ان کی خیر ہوتی۔ دنیوی زندگی باطمینان خاطر ہدایت ربانی کے مطابق
بسر ہوتی اور آخرت میں فوز و فلاح پاتے۔ مگر ان کی دورخی چال کا حال یہ ہے کہ
ان کو ہر وقت یہ دغدغہ لگا ہوا ہے کہ نہ معلوم کب ہمارے نفاق کا بھانڈا پھوٹ
جائے گا اور کب ہم کو دنیا ہی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے سزا ملے گی اور ہم ذلیل وخوار

ہوں گے۔ رہی آخرت، ظاہر ہے کہ منافقین اس کے قائل ہی نہیں۔ اسی وجہ سے وہ زبان سے آمنّا کہہ کر اپنی جان و مال کو مسلمانوں سے محفوظ کر لینا چاہتے ہیں دنیوی تحفظ نصیب بھی ہوا اگر یہ دو روزہ ہے۔ اخروی نجات تو ان کو نہ مل سکی۔ جو ابدالآباد کا معاملہ ہے۔ چاہتے تھے خدا اور رسول اور ایمان والوں کو دھوکے میں رکھنا اس طرح کہ دل میں کفر کو چھپائے رکھ کر زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے اور مسلمانوں کو باور کرانے کے لئے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ روزے کے ایام میں روزہ دار کی صورت بنا لیتے۔ مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد میں شریک ہو جاتے اور جب ہلاکت کا اندیشہ پاتے تو کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر کے راہ فرار اختیار کرتے اور دل میں خوش ہوتے کہ اس طریق سے ہم نے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا ہے اور اپنی جان و مال کا تحفظ کر لیا ہے۔ گویا دنیوی عذاب سے محفوظ و مصئون ہیں۔ اس پر غور نہیں کیا کہ خود ہی فریب خوردہ رہ کر ابدالآباد کا خسارہ مول لیا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہورہا ہے:۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون وہ نہیں دھوکے میں ڈال رہے ہیں مگر وہ اپنی جانوں کو اور حال یہ ہے کہ ان کو اس کا احساس نہیں۔"

فریب کا مقام دوزخ ہے	حضرت قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں:۔ لولا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المکر والخدیعۃ فی النار

لکنت امکر ھذہ الامّۃ ۔ (بیہقی) میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ مکاری اور چال بازی کا مقام دوزخ میں ہے ۔ اگر یہ سنا نہ ہوتا تو امتہ مرحومہ میں سب سے بڑھ کر میں مکار اور چال باز ہوتا۔" مطلب یہ ایسی چالبازی دوسرے بھی کر سکتے ہیں منافقین پر ہی موقوف و منحصر نہیں ہے لیکن جن کے دلوں میں خدا اور رسول کا خوف ہے اور آخرت پر جن کا ایمان ہے بھلا وہ ایسی غلطی کیوں کرنے لگے ۔ اور دیدہ و دانستہ خود کو عذاب نار کا ایندھن بنانا کیوں گوارا کریں گے ؟

منافقین کی رسوائی ایک صحابیؓ فرماتے ہیں :۔ انّ قائلا من المسلمین قال یا رسول اللہ ما النجاۃ غدا قال لا تخادع اللہ قال وکیف نخادع اللہ قال ان تعمل بما امرک اللہ بہ ترید بہ غیرہ فاتقوا الریاء فانّہ الشرک باللہ فانّ المرائی ینادی بہ یوم القیامۃ علی رؤس الخلائق باربعۃ اسماء یا کافر یا فاجر یا خاسر یا غادر ضلّ عملک وبطل اجرک فلا خلاق لک الیوم عند اللہ فالتمس اجرک ممّن کنت تعمل لہ یا مخادع وقرأ..... انّ المنافقین یخادعون اللہ ۔ (احمد بن منیع) ایک مسلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ ! فرمائیے قیامت میں نجات کی کیا صورت ہو گی ؟

ارشاد ہوا کہ اللہ سبحانہ کو دھوکہ دینا نہ چاہو۔ عرض کیا بھلا ہم اللہ پاک کو دھوکہ کس طرح دے سکتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو بجالاتے وقت تمہاری نیت اگر اللہ کے لئے نہ ہو بلکہ اس کے سوا کسی اور کو دکھانے کی ہو تو یہ دھوکہ بازی ہے لہذا ریاکاری سے بچتے رہو۔ یہ بھی اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ (ریا سے بچتے رہو) اس لئے کہ قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد ریاکار کو ان چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر! اے بدکار! اے گھاٹے میں رہنے والے! اے عہد شکن بدعہد! تیرا عمل ضائع ہو گیا۔ اور تیرا ثواب باطل قرار پا گیا۔ آج اللہ سبحانہ کے پاس تیرا کچھ بھی حصہ نہیں۔ اے دھوکہ باز! اپنے عمل کا صلہ اس کے پاس ڈھونڈھ لے جس کے لئے تو عمل کرتا رہا۔ پھر آپ نے چند آیات کریمہ تلاوت فرمائیں (جو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ از انجملہ ایک آیۂ کریمہ یہ ہے:-)
ان المنافقین یخادعون اللہ یقین جانو کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور اس نے خود ان کو فریب خوردہ بنا رکھا ہے۔"

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًاۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ 2-10
اَلِيْمٌۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ ان کے دلوں میں روگ ہے پھر بڑھا دیا
اللہ نے ان کا روگ، اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک اس پاداش میں کہ وہ جھوٹ

بولتے تھے۔"

منافقین کا مرض نفاق اعتدال طبعی سے مزاج کے ہٹ جانے کو مرض (بیماری، روگ) کہتے ہیں جس کے باعث مریض کمزور ناتوان ہو کر گھلنے لگتا اور اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ یہ ایک عارضہ ہے جو بدن کو لاحق ہوتا ہے جیسا کہ سب جانتے ہیں لیکن عام طور پر اعراض نفسانیہ مثلاً جہل، حسد، کفر اور بداعتقادی وغیرہ پر بھی مرض کا اطلاق ہوتا ہے۔ منافقین ایسے ہی اعراض نفسانیہ میں مبتلا تھے۔ علم سے کوسوں دور تھے مسلمانوں کے ساتھ حسد رکھتے تھے، دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے اور دین حق پر ان کو اعتقاد ہی نہ تھا۔ نہ خدا اور رسول پر ان کو ایمان اور نہ قرآن کریم اور اس کے احکام و ہدایات سے ان کو کوئی واسطہ۔ واقعہ ہجرت سے پہلے وہ اس تیاری میں تھے کہ اپنی ریاست اور حکومت مدینہ میں قائم کریں اور عبداللہ بن اُبَیّ جو منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا اس کی تاج پوشی کر کے پادشاہ تسلیم کرنے کی فکر میں تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے اور سینکڑوں مسلمان بھی ہجرت کر کر کے آپ سے آملے۔ نیز انصار کے دو بڑے قبیلے اوس و خزرج جو سالہا سال سے آپس میں دست و گریباں تھے حضور اقدس کی تشریف آوری ہی کی بدولت مسلمان ہو کر باہم شیر و شکر ہو گئے۔ تو بادشاہت اور ریاست کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

اور یہ سب کچھ فضل الٰہی تھا تو وہ حسد کے مارے دل میں کڑھنے اور جلنے لگے۔ اس واقعہ کی طرف ایما فرمایا جا رہا ہے کہ منافقین کے دلوں میں پیشتر ہی سے روگ تھا اب مسلمانوں کے اتحاد و ترقی اور اسلامی حکومت قائم ہونے کے آثار سے اور بھی حسد کرنے اور جلنے لگے ہیں اس لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کے پرانے روگ میں اور اضافہ فرما دیا۔ بدن اور جسم کا مرض ہو تو صرف حیات دنیوی متاثر ہونے کا اندیشہ رہتا ہے مگر منافقین کا مرض ان کے دلوں کو تباہ کر رہا تھا اور ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ان کی حیات اخروی برباد ہو رہی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے :۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو دوسرے ہر دردناک عذاب سے کہیں زیادہ دردناک ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ وہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ وہ اس کی شہادت دے رہے ہیں لیکن اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے اذا جآءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون۔ (اے نبی کریم ؐ) جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (ارشاد باری ہے) اور اللہ کو بھی خوب معلوم ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ کی گواہی یہ ہے کہ یہ منافقین (آپ سے) جھوٹ کہہ رہے ہیں۔" اسی جھوٹ کی پاداش میں

ارشاد الٰہی ہو رہا ہے۔ ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون۔ ان کے لئے نہایت دردناک عذاب ہے اِس پاداش میں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں "۔

منافقین کو مرض جسمانی نہیں ہے

یہاں مرض سے جسمانی مرض مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۂ منافقون میں ارشاد ہوا ہے:۔ واذا رأیتھم تعجبك اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ۔ (اے نبی کریم!) جب آپ ان (کی جسمانی حالت) کو دیکھیں گے تو ان کے اجسام (بھلے چنگے) پسندیدہ نظر آئیں گے اور اگر وہ بولنے لگیں تو (ایسی چکنی چوپڑی خوشامدی باتیں کریں گے کہ) ان کی گفتگو سنتے ہی رہیں۔ وہ (ایسے موٹے تازے، قوی توانا ہیں) گویا کہ وہ (کسی عالی شان مکان کے) ستون ہیں ٹیک لگا کر استادہ کئے ہوئے "۔ حضرت ابن زیدؒ آیہ کریمہ فی قلوبھم مرض کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ھذا مرض فی الدین ولیس مرضا فی الاجساد وھم المنافقون والمرض الشك الذی دخل فی الاسلام (ابن جریر) یہ مرض دین کے بارے میں ہے۔ جسمانی مرض مراد نہیں ہے۔ اور وہ منافقین ہیں (جو دینی اعتبار سے روگیلے ہیں) اور ان کا مرض شک وشبہ ہے جو اسلام (کے باب) میں ہے "۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ایاکم والکذب فانہ من باب النفاق وانا واللہ ما رأینا عملا قطّ اسرع فی فساد قلب عبد

من کبر او کذب۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) جھوٹ سے بچتے رہو۔ کیونکہ یہ نفاق کے دروازے سے آتا ہے۔ خدا کی قسم! ہم نے کوئی عمل انسان کے دل کو فساد زدہ بنانے میں تکبر اور جھوٹ سے زیادہ بنانے میں تکبر اور جھوٹ سے زیادہ سرایت کرنے والا کبھی نہیں دیکھا۔"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ 2-11
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور جب کہا جائے ان سے 2-12
کہ فساد نہ پھیلاؤ زمین میں تو کہیں کہ ہم تو سنوارنے والے ہیں۔ سنتے ہو وہی فسادی ہیں
مگر انھیں شعور نہیں۔"

عہد جاہلیت اور حضور مصلح اعظم

کون نہیں جانتا کہ عہد جاہلیت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے ساری زمین پر کفر و شرک کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ علانیہ بُرے سے بُرے گناہ کئے جاتے تھے' جزیرۃ العرب کی حالت تو اور بھی بگڑی ہوئی تھی۔ جاہل عرب نہ صرف کفر و شرک میں مبتلا اور گناہوں کے عادی تھے بلکہ اس پر فخر کرتے تھے۔ بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مجامع میں اپنی بداطواریوں کے قصیدے سناتے اور عوام الناس کو اس سے زیادہ فسق و فجور پر اکساتے تھے۔ لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں۔ حضور مصلح اعظم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف فرمائی کی برکت تھی کہ ایک ایک مفسدہ کو جڑ سے نکال پھینکنے کی سعی کی گئی۔ ہجرت ہوئی تو جرائم کی سزائیں مقرر ہوئیں۔ حدود نافذ کئے گئے۔ اس طرح اصلاحی قدم اٹھایا گیا اور اللہ کی زمین کفر و شرک اور فسق و فجور کی آلائشوں سے پاک ہونے لگی۔ مگر منافقین ان اصلاحات کو پسند نہ کرتے کیونکہ وہ ان بداطواریوں کے خوگر ہو چکے تھے۔

فساد کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الفساد ھو الکفر والعمل بالمعصیة (ابن جریر) یہاں فساد سے کفر مراد ہے اور معصیت پر عمل پیرا ہونا"۔ جیسا کہ منافقین کا عام شیوہ تھا کہ جو کفر ان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا معصیت کے کرتے رہنے پر ان کو دلیر بنا دیا تھا۔ بلکہ معصیت ان کی نظر میں معصیت ہی نہ تھی۔ جیسا کہ حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے:۔ اذا رکبوا معصیة فقیل لھم لا تفعلوا کذا قالوا انّما نحن علی الھدیٰ۔ (ابن جریر) جب وہ (منافقین) کسی گناہ، معصیت کا ارتکاب کرتے اور ان کو (مسلمانوں کی طرف سے) کہا جاتا کہ (یہ گناہ ہے) ایسا نہ کرو تو وہ کہتے کہ یہ تو ہمیں ہدایت ہے جس پر ہم قائم ہیں"۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقین کی عادت یہ بھی تھی کہ جب ان کو فساد پھیلانے سے منع کیا جاتا تو وہ کہتے:۔ انّما نرید الاصلاح بین الفریقین من المؤمنین اھل الکتاب

2-13

(ابن اسحاق' ابن جریر' ابن ابی حاتم) ہم تو اہل ایمان اور اہل کتاب ان دو فریق کے درمیان صلح و آشتی قائم کرنا چاہتے ہیں "

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ۝ اور جب کہا جائے ان کو کہ ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسا ایمان لائے ہیں بے وقوف؟ سنئے ہو یقیناً وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے "

نصیحت کے طریقے نصیحت اور خیر خواہی کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں۔ ایک امر بالمعروف (اچھی باتوں کا حکم دینا) دوسرا نہی عن المنکر (بری باتوں سے منع کرنا) اگلی آیہ کریمہ میں لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ کہا گیا تھا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ "۔ اب اس آیہ کریمہ میں منافقین سے فرمائش کی جا رہی ہے :۔ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ ۔ ایمان لاؤ جیسا کہ دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں " تاکہ نصیحت کے دونوں پہلوؤں کی تکمیل ہو جائے ۔ ایمان کے معنی ہیں " گرویدن " یعنی جس امر پر ایمان لایا جائے اس کے والہ و شیدا ہونا۔ اس طرح کہ اگر اس کی محبت میں مال خرچ کر دینے کی ضرورت ہو تو صدق دل سے اس کو قربان کر دیا جائے اور اگر جان کی قربانی کی ضرورت آن پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ایمان کا یہی اثر تھا

ضرورت پر انھوں نے اپنا مال بھی قربان کردیا اور جان کی قربانی کی صورت در پیش ہوئی تو اس سے بھی کبھی دریغ نہ کیا۔ تاریخ وسیر کی کتابیں ان کے ان مبارک کارناموں کی تفصیلات اور واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ منافقین بھی ایمان کے دعویدار تھے مگر ان کا یہ دعویٰ محض زبانی تھا۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ زبانی دعویٰ لائق سماعت نہیں اور نہ اللہ سبحانہ کے پاس اس کا کوئی اعتبار ہے۔ نام ونمود وہاں کارآمد نہیں۔ مومنین مخلصین کی طرح دین پر شیفتگی مطلوب ہے۔ منافقین اس موقع پر کہتے :۔

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۔ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بے وقوف اور نافہم لوگ ایمان لائے ہیں" یہ اس بنا پر کہ اکثر مسلمان فقرا ومساکین تھے اور بعضوں پر غلامی کا دور بھی گزر چکا تھا جیسے حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ۔ حالانکہ ان میں جو فقراء ومساکین تھے وہ اکثر مہاجرین تھے جنھوں نے اپنا دین محفوظ رکھنے کے لئے اپنا وطن، کاروبار، مال ومتاع اور گھر بار چھوڑ کر فی سبیل اللہ ہجرت کی تھی۔ اپنے رشتے ناطے بلکہ بی بی بچوں کو بھی جو ان کے طریق پر نہ تھے رب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ منافقین، ایسے مخلص مسلمانوں کو سفہآء بے وقوف اور نافہم خیال کرتے تھے۔

منافقین کی بیوقوفی اور نافہمی

اللہ سبحانہ کا اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے :۔
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ ۔ آگاہ رہو کہ یہ منافقین خود ہی

پرلے درجے کے بے وقوف اور ناسمجھ ہیں۔ جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے اور باقی پر فانی کو اختیار کر رہے ہیں۔ دو روزہ دنیا کے عیش کو ابدالآباد کی راحت و سکون کے مقابلہ میں اختیار کر لینا کہاں کی دانائی ہے؟ خود ہی حمقی اور بے وقوفی میں مبتلا رہ کر، دوسروں کو جو کمال دانائی کا عملی ثبوت دے رہے ہیں ان کو سفہآء ٹھہرانا کس درجہ کی سفاہت اور حماقت ہے ذرا اس پر غور کر لیں۔ اس پر وہی غور کر سکتے ہیں جن کو علم صحیح سے کچھ حصہ ملا ہو۔ منافقین تو نرے جاہل ہیں۔ وہ اس حقیقت نفس الامری کو کیا جانیں؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن وہ (منافقین) نہیں جانتے۔"

آمن الناس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے کما آمن الناس کی تفسیر میں فرمایا:۔ ابو بکر و عمر و عثمان و علی۔ (ابن عساکر) وہ حضرات، ابوبکر، عمر، عثمان، علی ہیں۔" جو حقیقی اور مثالی ایمان کے حامل ہیں لہذا اے منافقین! تم بھی ان جیسا ایمان لانے کی کوشش کرو۔ نمائشی ایمان کارآمد نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے موقع پر فرمایا:۔ صدقوا کما صدق اصحاب محمد انه نبی و رسول و ان ما انزل علیه حق۔ قالوا انؤمن کما آمن السفهآء یعنون اصحاب محمد الا انهم هم السفهآء ولکن لا یعلمون یقول لا یعقلون۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم) یعنی (اے منافقین! جو کچھ زبانی دعوے کر رہے ہو ان کی دل سے)
تصدیق کرو، اس طرح جیسی کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے
تصدیق کی ہے یعنی مہاجرین وانصار اور عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء کہ
حضور انور اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اور آپ پر جو کتاب (قرآن کریم) اتاری گئی ہے
وہ حق ہے۔ منافقین نے جواباً کہا کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا کہ بے وقوفوں کا ایمان
ہے اس سے ان کی مراد حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پاک ہیں۔
آگاہ رہو کہ یہ منافقین ہی پرلے درجہ کے بے وقوف اور احمق ہیں لیکن وہ اسکو نہیں
جانتے۔ یعنی ان کو عقل ہی نہیں" پاگل ہیں اور پاگلوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی بلاغت اس آیۂ کریمہ میں منافقین کو لا یعلمون اور آیہ ماسبق
میں لا یشعرون ارشاد ہوا تھا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ آمنوا کما آمن الناس میں
ان سے ایمان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور ایمان میں ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان
بالکتب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر، ایمان بالیوم الآخر وغیرہ سبھی امور داخل
تھے۔ اور ان امور دینیہ پر ایمان لانا غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ اور یہ غور و فکر
سے عاری تھے اس لئے لا یعلمون ارشاد ہو رہا ہے۔ اور لا تفسدوا کا حکم
محتاج غور و فکر نہ تھا بلکہ ظاہری حس اور ادنیٰ التفات سے اس کی واقعیت معلوم

ہو سکتی تھی مگر اتنی سی بات بھی وہ نہ سمجھ سکے اس لئے لا یشعرون ارشاد ہوا۔ بہرحال منافقین کی گمراہی اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ نہ امر بالمعروف سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ نہی عن المنکر سے وہ سبق لینا چاہتے۔ بلکہ اُلٹی تقریریں کر کے کسی طرح اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے درپے ہیں۔ اسی سے ان کی بے حسی اور احمقی ظاہر ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ منافقین کا یہ کہنا انومن کما آمن السفھآء کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا کہ یہ تمام بے وقوف ایمان لائے ہوئے ہیں؟ یہ تو ان کے کفر کا مظاہرہ کر رہے ہیں پھر یہ نفاق کہاں ہوا' یہ تو علانیہ کفر کا اظہار ہے مگر واقعہ ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں کبھی وہ اپنے ہم خیال منافقین کے سامنے کیا کرتے تھے اور کبھی اپنے دل میں کہتے تھے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہاں ان کی پوشیدہ اور دلی باتوں کی اطلاع بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کی دلی کیفیات اور اندرونی جذبات سے آگاہ کیا جائے ورنہ ان گردن زدنیوں کو اتنی ہمت کہاں کہ علی الاعلان اپنے کفر و عناد کا اظہار کر سکیں۔ اگر وہ برملا ان باتوں کو کہتے تو اسی وقت اپنے کیفر کردار کو پہنچا دئے جاتے۔ یہ ان کا تکبر اور غرور ہے جو ان کے دل میں جاگزیں ہے اسکی صراحت آگے کی آیۂ کریمہ میں آرہی ہے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

کسے را کہ پندار در سر بود پندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ شقائق بباراں نروید ز سنگ

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ 2-14
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اور جب ملیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہوئے ہیں تو کہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوں اپنے شیطانوں کیساتھ تو کہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم صرف استہزا کر رہے ہیں۔"

منافقین کی دورخی یعنی منافقین جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ (تمھاری طرح ہم بھی ایمان لا چکے ہیں۔ اور جب اپنے سربرآوردہ لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (حقیقت میں) تمھارے ساتھ ہی ہیں۔ ہمارا یہ ظاہری میل ملاپ مذاق اور تمسخر کے طور پر ہے۔

شانِ نزول منافقین کا تمسخر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت ھذہ الآیۃ فی عبد اللہ بن ابی واصحابہ وذلک انھم خرجوا ذات یوم فاستقبلھم نفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عبد اللہ بن ابی انظروا کیف ارد ھؤلاء السفہاء عنکم فذھب فاخذ بید ابی بکر فقال مرحبا بالصدیق سید بنی تیم وشیخ الاسلام

وثانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الغار الباذل نفسہ ومالہ لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ثم اخذ بید عمر فقال مرحبا بسید عدی بن کعب
الفاروق القوی فی دین اللہ الباذل نفسہ ومالہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ثم اخذ بید علی وقال مرحبا بابن عم رسول اللہ وختنہ سید
بنی ہاشم ما خلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم افترقوا فقال
عبد اللہ لاصحابہ کیف رأیتمونی فعلت فاذا رأیتموہم فافعلوا کما
فعلت فاثنوا علیہ خیرا فرجع المسلمون الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
واخبروہ بذلک فانزلت ہذہ الآیۃ۔ (واحدی ثعلبی) یہ آیۂ کریمہ عبد اللہ
ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے باب میں نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ
یہ لوگ ایک دن باہر نکلے اور اتفاق سے ان کا سامنا حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت سے ہوا۔ عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے
کہا دیکھو میں ان بیوقوفوں کا تم سے کیا پیچھا چھڑاتا ہوں۔ آگے بڑھا اور حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ مرحبا آئیے صدیق، قبیلہ بنی تیم
کے سردار، شیخ الاسلام اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار، جو اپنی
جان ومال حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فدا کرنے تیار ہیں۔ پھر حضرت

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ مرحبا آیئے قبیلہ عدی بن کعب کے سردار فاروق اعظم اللہ کے دین کے پہلوان جو اپنی جان ومال حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ پھر سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ مرحبا آیئے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم اور آپ کے داماد اور حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر باقی تمام بنی ہاشم کے سردار اس کے بعد یہ حضرات اس سے چھوٹ کر اپنے کام پر چلے گئے تو عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے ان کو کیسا بنایا؟ تم بھی جب انکو دیکھو تو ان کے ساتھ ایسا ہی کیا کرو۔ یہ سن کر اس کے ساتھیوں نے اس کی بڑی لمبی چوڑی تعریف کی۔ جب یہ حضرات حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو مذکورہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

شیاطینھم کی تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ منافقین کا جو سلوک ظاہر و باطن میں تھا یہ واقعہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ انکو شیاطین جو کہا گیا اس کی نسبت حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ قوله واذا خلوا الى شياطينهم قال الى اخوانهم من المشركين ورؤسهم وقادتهم فى الشر قالوا انا معكم انما نحن مستهزؤن يقولون انما نسخر من هولاء القوم ونستهزئ بهم۔

(عبد بن حمید، ابن جریر) اور جب وہ منافقین اپنے شیطانوں کے ساتھ تخلیہ میں ہوتے ہیں یعنی اپنے ہم خیال مشرکین اور ان کے رؤسا، اور پیشواؤں کے ساتھ جو شرارت میں ان کے شریک کار ہیں ان کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یقین جانئے ہم سب آپ ہی کے ساتھ ہیں مسلمانوں کے ساتھ ہم صرف استہزاء کر رہے ہیں یعنی ان کے ساتھ مذاق اور مسخرہ پن کرتے اور ان کی ہنسی اڑاتے اور ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔" حضرت مجاہدؒ نے الی شیاطینهم کی تفسیر میں فرمایا:۔ اصحابهم من المنافقین والمشرکین۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یعنی اپنے ہم خیال منافقین اور مشرکین کے ساتھ ہوتے ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ وهم منافقوا اهل الکتاب۔ (بیہقی) شیاطین سے اہل کتاب کے منافقین مراد ہیں۔" دوسرے موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ صراحت بھی فرمائی:۔ کان رجال من الیهود اذا لقوا اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم او بعضهم قالوا انا علی دینکم واذا خلوا الی شیاطینهم وهم اخوانهم قالوا انا معکم۔ ای علی مثل ما انتم علیه (ابن جریر، ابن ابی حاتم) یہودیوں میں کچھ ایسے بھی تھے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے دین پر ہیں اور جب اپنے ہم قوم برادری والوں سے

ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یعنی جو خیالات اور عقائد تمہارے ہیں ویسے ہی
ہمارے بھی ہیں۔" بہرحال منافقین دونوں گروہ میں بھی تھے۔ مشرکین و کفار میں بھی
اور یہود میں بھی۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں:۔ وھم خمسة نفر من
الیھود۔ کعب بن اشرف بالمدینة وابو بردة فی بنی اسلم وعبدالدار
فی جھینة وعوف بن عامر فی بنی اسد وعبد اللہ بن السوداء فی
الشام۔ (مظہری، روح البیان) رؤسائے منافقین یہودیوں کے پانچ اشخاص تھے
مدینہ میں کعب بن اشرف، اور قبیلہ بنی اسلم میں ابو بردہ، اور قبیلہ جہینہ میں
عبدالدار اور قبیلۂ بنی اسد میں عوف بن عامر، اور شام میں عبداللہ بن سوداء
منافقین کے استہزا کا جواب حق تعالیٰ یوں دیتے ہیں:۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ 2-15

اللہ استہزاء فرماتا ہے ان سے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں کہ
بھٹکتے رہیں۔"

Continued on p.257

تمسخر کی سزا یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو آخرت میں استہزاء کی سزا دیتا جاتا، اور اس کا بدلہ کرتا اور سزا دیتا رہتا ہے اور ان کو دنیا میں ڈھیل دیتا جاتا ہے تاکہ خوب سرکشی کرتے جائیں اور اسی طرح بھٹکتے رہیں۔ انجام کار کیا ہوگا اس پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ اور اسی سرکشی و طغیان کی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہو جائیں پھر جب قیامت ہوگی اور نامہ ہائے اعمال کھلیں گے اور اعمال تولے جائیں گے پھر ان سے سوال ہوگا تو دنیا میں اہل ایمان کے ساتھ جو استہزاء کیا جاتا رہا اس پر پشیمان ہوں گے مگر یہ بعد از وقت پشیمانی ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے گی۔ فرد جرم لگنے اور سزایاب ہونے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ منافقین کا کلمہ اسلام پڑھنا، نمازیں پڑھنا، روزہ رکھنا، زکاۃ دینا، حج کرنا، جہاد میں شریک رہنا، مجالس وعظ میں شرکت کرنا یہ تمام کام چونکہ محض دکھانے کے لئے کئے گئے تھے لہذا ان میں سے ایک کام بھی ان کے کارآمد نہ ہوگا۔ اور ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار کے مطابق ان کو دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ذلت و خواری کے ساتھ ابدالآباد کے لئے جلتے بھنتے پڑے رہنا پڑے گا۔

بعض لغات کی توضیح و تشریح استہزاء کے معنی کسی کے ساتھ مسخرہ پن کرنے اور

اس کو سُبک اور حقیر جاننے کے ہیں۔منافقین اسی تصور کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کیا کرتے تھے۔اس کے جواب میں اللّٰہ یستہزئ بھم جو ارشاد ہوا ہے علم معانی میں اس کو "مشاکلت" کہتے ہیں یعنی مخاطب نے متکلم کے مقابلے میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہی لفظ اس پر پھیر دیا جائے لیکن اس فوبت پر وہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس کی جزاد بنا مراد ہوتا ہے۔ جیسے جزآء سیئۃ سیئۃ مثلھا برائی کا بدلہ برائی ہونا ارشاد ہوا ہے۔ یعنی برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینا حقیقۃً برائی نہیں بلکہ انصاف ہے طغیان کے معنی حد سے بڑھنے اور سرکشی کے ہیں یمد مشتق ہے مدّ سے۔اور مدّ و امداد ایک ہی ہیں۔فرق اس قدر ہے کہ عموماً امداد کارِ خیر میں ہوتی ہے اور مدّ کا استعمال شر میں ہوا کرتا ہے اور یعمھون مشتق ہے عمہ سے جس کے معنی گرفتار رہنے متردد رہنے کے ہیں نہ جاننے اور تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اور عمیٰ کے معنی بھی نابینائی کے ہیں۔فرق یہ ہے کہ جس کو بصارت نہ ہو وہ اعمیٰ ہے اور جس کو بصیرت نہ ہو وہ اعمہ ہے۔

تمسخر کی سزا کا ایک نمونہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یفتح لھم باب من الجنۃ فاذا انتھوا الیہ سدّ عنھم وردّوا الی النار۔ (بغوی) منافقین کے

سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اس کو دیکھتے ہی یہ لپک کر اس طرف جائیں گے۔ جب یہ وہاں پہنچیں گے تو ان کو باہر ہی چھوڑ کر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ اور یہ ناکام و نامراد دوزخ کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔" گویا ان کے استہزا کی جزا اس طرح دی جائے گی اور وہ ابد الآباد اسی اُدھیڑ بُن میں گرفتار رہ کر چکر کاٹتے رہیں گے۔ اس کی تائید حضرت حسن بصریؒ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:۔ ان المستھزئین بالناس یفتح لاحدھم باب الی الجنۃ فیقال ھلمّ ھلمّ فیجیئ فاذا اتاہ غلق دونہ فما یزال کذلک (ابن ابی الدنیا) جو لوگ دوسروں کے ساتھ استہزا کرتے اور اُن کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں ان میں سے ایک ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جلد آؤ۔ تیزی سے آؤ۔ اس پر وہ دوڑے دوڑے آئیں گے جب اس کے قریب پہنچیں گے تو ان کو باہر ہی چھوڑ کر دروازہ بند کر لیا جائیگا۔ اور ان کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک ہوتا رہے گا۔"

تمسخر کی سزا کا دوسرا نمونہ حضرت ابو صالحؒ آیہ کریمہ اللہ یستھزی بھم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ یقال لاھل النار وھم فی النار اخرجوا و تفتح لھم ابواب النار فاذا رأوھا قد فتحت اقبلوا الیھا یریدون

الخزرج والمؤمنون ینظرون الیھم علی الارائك فاذا انتھوا الی ابوابھا غلقت دونھم فذلك قوله الله یستھزئ بھم وتضحك علیھم المؤمنون حین غلقت دونھم فذلك قوله فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون علی الارائك ینظرون الآیة۔ (ابن المنذر) دوزخی جب دوزخ میں جھونک دئے جائیں گے دوزخ کے دروازے کھول کر ان سے کہا جائے گا کہ یہاں سے نکل بھاگو۔ یہ لوگ جب دیکھیں گے کہ دروازے کھول دئے گئے ہیں تو دوزخ سے نکل بھاگنے کے لئے دروازوں کی طرف آئیں گے اور اہل ایمان اس وقت جنت میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھتے رہیں گے۔ جب وہ دروازوں تک پہنچ جائیں گے تو ان کے خارج ہونے سے پیشتر ہی تمام دروازے بند کر دئیے جائیں گے آیۂ کریمہ فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون علی الارائك ینظرون (جو سورۂ مطففین کے آخر میں وارد ہوئی ہے) اس کا مطلب یہی ہے کہ آج ایمان والے کافروں کو اس عالت میں دیکھ کر ہنستے رہیں گے درحالیکہ وہ جنت میں صوفوں پر بیٹھے نظارہ کرتے رہوں گے۔" جو حضرات ان آیات کی تفسیر دیکھنا چاہتے ہیں وہ سورۂ مطففین کے آخری آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمالیں۔

مؤمن کی عند اللہ منزلت بہرحال اس آیۂ کریمہ اللہ یستھزئ بھم میں یہ

بتانا منظور ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ دنیا میں منافقین ان کا مذاق اڑاتے ہوں
یا کفار ان کی تضحیک کرتے ہوں مسلمان اس سے شکستہ خاطر نہ ہوں اور نہ ان کا جواب دینے کی
زحمت گوارا کریں اس سے خود کو بالاتر رکھ کر تقرب الٰہی کے جو کام بتائے گئے ہیں ان میں
مشغول رہیں خدا اور رسول کی رضا جوئی جو ان کا مقدس فریضہ ہے مخلصانہ طور پر اس کی
ادائی ہر وقت پیش نظر رہے۔ ان کفار و منافقین کی سزادہی رب العالمین نے اپنے
ذمہ لے لی ہے اور وہ سزا کیا اور کس طرح ہوگی؟ اس کے یہ نمونے بتا دئے گئے ہیں۔
جو اپنے وقت پر ہو رہے گی۔ اپنا عزیز وقت ان باتوں میں ضائع نہ کریں۔ یہیں سے یہ بات
بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ مومن مخلص کی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس کیسی قدر و منزلت
ہے کہ رب العالمین خود ہی ان کے مخالفین کی سزادہی کا کفیل و وکیل ہے حسبنا اللہ
ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ 2-16
وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ یہ وہی ہیں جنھوں نے خریدی گمراہی بدلے میں ہدایت کے

پھر نہ ہوئی سود مند ان کی تجارت، اور وہ نہ تھے ہدایت پانے والے۔"

دنیا تجارت گاہ آخرت ہے	یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ دنیا ایک عظیم الشان تجارتی منڈی ہے جس میں ہر قسم کا سامانِ تجارت رکھا ہوا ہے۔ انسان کچھ نفع

کمالینے کے لئے یہاں آیا ہے۔ فطرت سلیمہ اس کا سرمایہ ہے۔ عقل و فہم، علم، تجربہ، حواس وغیرہ اس کے ممد و معاون ہیں انبیاء علیہم السلام اور ان پر نازل کی ہوئی کتابیں انکی رہنما ہیں جو شخص ان معاونین کی مدد سے فطرت سلیمہ پر قائم رہے اور کتاب اللہ کے احکام اور پیغمبروں کی ہدایات کے مطابق، زندگی کے بازار میں اپنے کاروبار جاری رکھے وہی آخرت کی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہے۔ مگر منافقین کا حال یہ ہے کہ اس بازار میں اپنے نفاق کے باعث، ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اور ضلالت خرید لیے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تجارت سے نفع حاصل کرنے کے بجائے نہ صرف نقصان اور گھاٹا پایا۔ بلکہ فطرت سلیمہ جو سرمایہ اور راس المال ہے اس کو بھی گنوا دیا اور خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ٹھہرے۔

اشتروا الضلالۃ کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الکفر بالایمان (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) منافقین نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید کیا۔" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:۔ اخذوا الضلالۃ و ترکوا الھدیٰ۔ (ابن جریر) گمراہی اختیار کی اور ہدایت کو چھوڑ دیا۔" حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ آمنوا ثم کفروا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا۔" یعنی دین اسلام کو قبول کر لینے کے بعد

اس سے پھر گئے" العیاذ باللہ ۔ اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا: استحبوا الضلالۃ علی الھدیٰ فما ربحت تجارتھم قال قد واللہ رأیتھم خرجوا من الھدیٰ الی الضلالۃ ومن الجماعۃ الی الفرقۃ ومن الامن الی الخوف ومن السنۃ الی البدعۃ ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) منافقین نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو دوست رکھا لہٰذا ان کی یہ تجارت سودمند نہ ہوئی۔ حضرت قتادہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بخدا میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ ہدایت سے نکل کر گمراہی کی طرف چلے گئے اور جماعت سے خارج ہو کر افتراق پسندی کی، اور امن سے نکل کر خوف میں گرفتار ہو گئے، اور سنت کو چھوڑ کر بدعت اختیار کی۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ 2-17
ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ ان کی مثال

اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی، پھر جب روشن کر دیا اس (آگ) نے اس کے آس پاس کو، گل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو تاریکیوں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے"

احوال منافقین کی ایک تمثیل	یعنی منافقین کی مثال اس رہرو یا مسافر کی سی ہے جو اندھیری رات میں راستہ طے کرتا چلا جاتا ہے راستہ معلوم کرنے کے لئے

اس نے آگ سلگائی، جب آگ روشن ہوی اور راستہ دیکھنے کا امکان پیدا ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی روشنی گل کر دی اب کئی قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو کر اسکو کچھ نہیں سوجھتا۔ ایک تاریکی رات کی۔ دوسری تاریکی ناواقفیت کی کہ منزل مقصود کدھر ہے؟ تیسری تاریکی جو روشنی کے غائب ہو جانے سے پیدا ہو گئی ہے۔ اب وہ حیران وششدر کھڑا ہوا ہے کہ کس طرف جائے اور کیا تدبیر اختیار کرے؟ اس مثال سے یوں آگاہ کرنا مقصود ہے کہ انسان دنیا میں سفر آخرت طے کرنے کے لئے آیا ہے اس کا راستہ ہی معلوم نہیں تو قدم قدم پر رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ رہروان آخرت کو دیکھا کہ نور ایمان کی روشنی اور کتاب وسنت کی رہنمائی میں باطمینان خاطر راستہ طے کر رہے ہیں۔ اس نے بھی کلمہ اسلام پڑھا۔ مگر دل سے نہیں صرف زبانی۔ اس سے کچھ روشنی کی جھلک دکھائی دی مگر جب موت کے بعد میدان آخرت میں قدم رکھا تو وہ جھلک جو نمائشی تھی غائب ہو گئی۔ اب دار آخرت میں پہنچنے کے بعد سوائے سزا بھگتنے کے کوئی صورت ہی باقی نہ رہی۔ اگر اہل ایمان کی طرح منافقین دل سے اسلام قبول کرتے اور اخلاص کے ساتھ کتاب وسنت پر عمل پیرا رہتے اور اس حالت میں ان کو موت آتی تو مومنین کی طرح فوز وفلاح پاتے۔ کاش منافقین اسکو سمجھتے۔

تفسیر حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ھذا مثل

ضربه الله للمنافقين كانوا يعتزّون بالاسلام فيناكحهم المسلمون ويوارثونهم ويقاسمونهم الفئ فلمّا ماتوا سلبهم العزّ كما سلب صاحب النار ضوءه وتركهم فى ظلمات يقول فى عذاب۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم صابونی) یہ ایک تمثیل ہے جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے بیان فرمائی ہے کہ کلمۂ اسلام پڑھنے کی باعث ان کو عزت ملی تھی چنانچہ اس بنا پر اہل اسلام ان کو مسلمان جان کر ان کے ساتھ شادی بیاہ کرتے، ان کو اپنا وارث بناتے، اور مال غنیمت میں ان کو حصہ دیتے تھے۔ (عمر بھر ان کا نفاق، اہل اسلام پر ظاہر نہ ہو سکا) جب وہ مرے تو ان کی عزت چھین لی گئی جیسا کہ آگ روشن کرنے والے کی روشنی (آگ بجھ جانے کی وجہ سے) سلب ہوگئی اب وہ تاریکیوں میں یعنی عذاب میں چھوڑ دیا گیا۔"

تفسیر حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا:۔ انّ ناسا دخلوا فى الاسلام مقدم النبى صلى الله عليه وسلّم المدينة ثمّ نافقوا فكان مثلهم كمثل رجل كان فى ظلمة فاوقد نارا فاضاءت ما حوله من قذى او اذى فابصره حتّى عرف ما يتّقى فبينا هو كذلك اذ طفئت ناره فاقبل لا يدرى ما يتّقى من اذى فكذلك المنافق كان فى ظلمة الشرك فاسلم فعرف الحلال الحرام والخير

من الشر فبينا هو كذلك اذ كفر فصار لا يعرف الحلال من الحرام ولا الخير من الشر۔ (ابن جریر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ رونق افروز ہوئے تو کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر منافقین میں شامل ہو گئے تو ان کی مثال اس شخص کی سی ہوئی جو تاریکی میں تھا پھر اس نے آگ روشن کی جس سے آس پاس کا حصہ روشن ہو گیا اور گھانس پات اور ضرر رساں چیزیں اس کو دکھائی دینے لگیں اب اسکو کن چیزوں سے بچنا چاہیئے وہ نظر آرہی تھیں۔ پھر وہ اسی حالت میں تھا کہ اسکی آگ بجھ گئی اب اس کو کن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے اس کو کچھ پتہ چلنے لگا۔ بس منافق کا بھی یہی حال ہے کہ وہ شرک کی تاریکی میں مبتلا تھا۔ اسلام لایا تو حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچاننے لگا پھر وہ اسی حال میں تھا کہ کفر اختیار کر لیا۔ اب وہ نہ حلال و حرام کو پہچان سکتا اور نہ خیر و شر میں تمیز ہی کر سکتا ہے۔" ظاہر ہے کہ اسی حالت میں اگر اس کا وقت آخر آجائے اور کفر و نفاق پر اس کا خاتمہ ہو تو دائمی عذاب کے سوا اس کو کیا مل سکتا ہے؟

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۙ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، لہذا وہ (حق کی طرف) نہیں لوٹینگے۔ 2-18

صم بکم عمی کی تفسیر	یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ وہ بہرے بن گئے ہیں

کوئی حق بات ان سے کہی جائے تو وہ سنتے تک نہیں۔ گونگے ہیں۔ سچی بات اور حق کا کلمہ کبھی ان کی زبان سے جاری نہیں ہونے پاتا، اندھے ہیں حق بات کبھی ان کو دکھائی نہیں دیتی۔ باطل پرستی ان پر اس درجہ غالب ہوگئی ہے کہ باطل سے حق کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ منافقین کو اگرچہ بظاہر ثقل سمع نہیں ہے۔ زبان گونگی نہیں۔ بولتے چالتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں سب کچھ دیکھتے ہیں مگر باطل کا غلبہ ان پر ایسا ہے کہ یہ سب کچھ بڑے بہرے، گونگے، اندھے بنے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم آذان لا یسمعون بھا و لھم اعین لا یبصرون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ ان کے دل ہیں اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان ہیں پر سنتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ؟" کیونکہ چوپائے اپنے آقا کی پکار کو پہچان کر اس کا منشا پالیتے ہیں۔ اور اس کے بلاوے پر آجاتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے اور دُم ہلانے لگ جاتے ہیں۔ اور موقع محل کا اندازہ کرکے مناسب حال کام پر لگ جاتے ہیں۔ لیکن منافقین کا حال یہ ہے کہ جانوروں سے بھی بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ اب ان کی اصلاح کی کیا صورت ہوسکتی ہے غور طلب امر ہے۔ ان کے کان، آنکھ، دل سب بیکار اور ضائع ہوئے لہذا ان کو بہرے، گونگے، اندھے

کہنا صحیح ثابت ہوا۔ اس اعتبار سے تمثیل حقیقت بن گئی۔ اور جب حقیقت بن گئی تو
وہ کس طرح بدل سکتی ہے؟

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ 2-19
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ
بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم 2-20
مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ع ۲ (ان کی مثال ایسی ہے)

جیسے زوردار بارش آسمان سے برس رہی ہو اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور بجلی (کی چمک) رکھ لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے بچنے کے لئے موت سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔ قریب ہے کہ بجلی اڑا لے انکی بصارت جب چمکتی ہے ان پر تو چلے اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا چھا جائے ان پر تو کھڑے رہ گئے۔ اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کی سماعت اور بصارت، بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

احوال منافقین کی دوسری تمثیل	حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ کان رجلان من المنافقین من اھل المدینۃ ھربا من رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم الی المشرکین فاصابھما ھذا المطر الذی ذکر اللہ فیہ رعد شدید وصواعق وبرق فجعلا کلما اصابھما الصواعق یجعلان اصابعھما فی آذانھما من الفرق ان تدخل الصواعق فی مسامعھما فتقتلھما واذا لمع البرق مشیا فی ضوئہ واذا لم یلمع لم یبصرا قاما مکانھما لا یمشیان فجعلا یقولان لیتنا قد اصبحنا فنأتی محمد افنضع ایدینا فی یدہ "مدینے کے منافقین میں سے دو شخص حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے فرار ہوکر مشرکین سے ملنے کے لئے جارہے تھے ان کو اس بارش سے سابقہ پڑا جس کا ذکر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں فرمایا ہے۔ اس بارش میں شدت کی گرج تھی اور بجلیاں کوندرہی تھیں اور کچھ چمک رہی تھیں۔ بجلی کڑکتی تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں کرلیتے اس ڈر سے کہ کہیں وہ کان میں نہ گھس جائیں جس سے ان کی ہلاکت واقع ہوجائے اور جب کوئی بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں چلنے لگتے اور جب چمکنا موقوف ہوتا تو اپنی رفتار موقوف کرکے وہیں ٹھہرے رہتے۔ بالآخر تنگ آکر کہنے لگے اے کاش! صبح ہوجاتی تو حضور رحمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر اپنے ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دیدیتے۔ (یعنی آپ سے بیعت ہوجاتے)۔"

مذکورہ اشخاص کا قبول اسلام	فاصبحا فاتیاہ فاسلما ووضعا ایدیھما

فی یدہ وحسن اسلامھما فضرب اللہ شان ھذین المنافقین الخارجین
مثلا للمنافقین الذین فی المدینۃ ۔ وکان المنافقون اذا حضروا مجلس النبی
صلی اللہ علیہ وسلم جعلوا اصابعھم فی اٰذانھم فرقا من کلام النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ان ینزل فیھم شیئ او یذکر بشیئ فیقتلوا کما کان ذانک المنافقان
الخارجان یجعلان اصابعھما فی اٰذانھما واذا اضاء لھم مشوا فیہ ۔ چنانچہ
خدا خدا کرکے صبح ہوئی تو وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ
حق پرست پر مسلمان ہو گئے اور اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دیکر بیعت ہو گئے
پھر بفضل خدا ان کی اسلامی حالت درست ہو گئی ۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ادھر اللہ
سبحانہٗ تعالیٰ نے اس واقعہ کو مدینے کے دوسرے منافقین کے لئے موجب ترغیب و
تشویش قرار دیکر ضرب المثل ہی بنا دیا ۔ مدینے کے منافقین کی عام حالت بھی یہی تھی کہ
جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو اپنے کانوں
میں انگلیاں رکھ لیتے اس اندیشے سے کہ ان کے باب میں کوئی وحی نازل ہو جائے
یا ان کے نفاق کا بھانڈا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام سے پھوٹ جائے
تو یہ قتل کر دئے جائیں ۔ مدینے کے منافقین بھی اپنے کانوں میں انگلیاں اسی طرح
رکھ لیتے تھے جیسا کہ یہ دو منافق مدینے سے نکل کر باہر سفر کر رہے تھے اپنے کانوں میں

انگلیاں رکھ لیتے تھے اور جب بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں چلتے تھے۔"

اضاءلھم اور اظلم علیھم کی تفسیر

حضرت ابن مسعودؓ نے آیۂ کریمہ واذا اضاءلھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا کی تفسیر میں فرمایا :-

فاذا کثرت اموالھم و ولدھم واصابوا غنیمۃ و فتحا مشوا فیہ وقالوا ان دین محمد حینئذ صادق واستقاموا علیہ کما کان ذانک المنافقان یمشیان اذا اضاءھما البرق واذا اظلم علیھم قاموا فکانوا اذا ھلکت اموالھم و ولدھم واصابھم البلاء قالوا ھذا من اجل دین محمد و ارتدو ا کفارا کما کان ذانک المنافقان حین اظلم البرق علیھما۔ (ابن جریر)

پھر جب منافقین کے مال و دولت اور ان کی اولاد میں اضافہ ہوجاتا اور (اسلامی) فتوحات میں مال غنیمت خوب ملتا تو مسلمانوں میں شامل ہوکر ان کے ساتھ ساتھ چلتے اور کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین اس وقت سچا ہے اور اس پر قائم رہتے جیسا کہ وہ دو منافق بجلی چمکتی دیکھ کر اس کی روشنی میں چلتے تھے۔ اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ ان کا مال و متاع تباہ و برباد ہوگیا اور ان کے بچے مرگئے یا اور کوئی مصیبت آئی تو کہتے کہ یہ سب کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کی نکبت ہے۔ اور کفر کی طرف پلٹ جاتے جیسا کہ بجلی کا چمکنا موقوف ہوکر اندھیرا چھا جانے کی صورت میں

اُن دو منافقین کا حال تھا" گویا منافقین ابن الوقت ہیں یا فتح کے نقارچی انکو دین سے کچھ سروکار نہیں۔

حضرت مجاہد کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے مثلھم کمثل الذی استوقد نارا کی تفسیر میں فرمایا:- اما اضاءۃ النار فاقبالھم الی المومنین والھدیٰ وذھاب نورھم اقبالھم الی الکافرین والضلالۃ واضاءۃ البرق واظلامہ علی نحو ذلک المثل واللہ محیط بالکافرین قال جامعھم فی جھنم۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) آگ روشن کرنے کی مثال سے منافقین کا اہل ایمان اور ہدایت کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے۔ اور ان کی روشنی غائب ہو جانے سے مراد ان کا کافروں اور گمراہی کی طرف رخ کرنا ہے۔ بجلی کی چمک۔ اور اس کے نہ چمکنے کے باعث اندھیرا چھا جانے سے مراد بھی ان کی ایسی ہی دورُخی ہے۔ اور اللہ ان کو گھیرے ہوتے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جمع کرکے دوزخ میں جھونک دیگا۔"

استوقد نارا کی تفسیر حضرت قتادہؓ نے ان دونوں تمثیلوں کی تفسیر اس طرح فرمائی چنانچہ مثلھم کمثل الذی استوقد نارا کی تفسیر میں فرمایا:- ھذا مثل ضربہ اللہ للمنافق ان المنافق تکلم بلا الہ الا اللہ فناکح بھا

المسلمین ووارث بھا المسلمین وغازی بھا المسلمین وحقن بھا دمہ ومالہ فلما کان عند الموت لم یکن لھا اصل فی قلبہ ولا حقیقۃ فی عملہ فسلبھا المنافق عند الموت فترک فی ظلمات وعمی یتسکع فیھا کما کان اعمی فی الدنیا عن حق اللہ وطاعۃ صم عن الحق فھم لا یرجعون عن ضلالتھم ولا یتذکرون۔ یہ منافقین کی مثال ہے جس کو اللہ سبحانہ نے ضرب المثل قرار دیا کہ منافق نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا تو اس کی بنا پر مسلمانوں نے اس کے ساتھ شادی بیاہ کو جاری رکھا۔ وہ مسلمانوں کے وارث قرار دئے گئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے (اور فتحمند ہونے پر غنیمت سے حصہ لیتے) اور اپنی جان و مال کا اس طرح تحفظ تو کر لیا مگر جب موت آن پہنچی تو اس کے دل میں ایمان کا شائبہ تک نہ تھا اور اس کے اعمال تمام بے حقیقت قرار پائے مرتے وقت اس کا ایمان و عمل سب سلب کر لیا گیا اور کفر و شرک کی تاریکیوں اور اندھیریوں میں حیران و پریشان چھوڑ دیا گیا۔ وہ اندھے اٹھائے گئے جیسا کہ وہ دنیا میں حقوق اللہ کی ادائی اور انکی طاعت سے اندھے بنے ہوئے تھے اور حق بات کے سننے سے بہرے بنا دئے گئے اب وہ اپنی گمراہی سے کبھی نہیں نکل سکتے نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت لے سکتے ؎

کصیب من السماء کی تفسیر | حضرت قتادہؓ نے آیۂ کریمہ او کصیب من السماء کی

تفسیر میں فرمایا:۔ ھذا مثل ضربه الله للمنافق لجبنه لا یسمع صوتا الا ظن انه اتی ولا یسمع صیاحا الا ظن انه قد اتی ولا یسمع صیاحا الا ظن انه میت اجبن قوم واخذ له للحق وقال الله فی آیة اخری یحسبون کل صیحة علیهم۔ یکاد البرق یخطف ابصارهم قال البرق هو الاسلام والظلمة هو البلاء والفتنة فاذا رأی المنافق من الاسلام طمانینة وعافیة ورخاء وسلوة من عیش قالوا انا معکم ومنکم واذا رأی من الاسلام شدة وبلاء فحقح عند الشدة فلا یصبر لبلائها ولم یحتسب اجرها ولم یرج عاقبتها انما هو صاحب دنیا لها یغضب ولها یرضی وهو کما نعته الله۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یہ دوسری تمثیل ہے جس میں منافقین کی بزدلی کی جانب ایما فرمایا جا رہا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جو کوئی آواز سن پاتے ہیں۔ انکو گمان غالب یہ ہوتا ہے کہ انہیں کی گرفتاری کے لئے آ رہا ہے۔ اور جب کوئی پکار ہوتی ہے تو ان کو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ انہیں کے لئے آیا۔ اور جہاں کوئی ڈانٹنی سن پائی تو یقین کر لیا کہ اب موت کا سامنا ہے۔ تمام قوموں میں سب سے زیادہ بزدل منافقین ہیں اور حقیقت پوچھو تو سب سے زیادہ ذلیل وخوار یہی ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالی نے دوسری جگہ (سورۂ

منافقون میں) فرمایا کہ یحسبون کل صیحۃ علیھم ہر پکار کو وہ اپنے خلاف ہی خیال کرتے ہیں" (سورۂ منافقون میں اس کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے) یکاد البرق والی آیہ کریمہ میں برق سے اسلام مراد ہے اور ظلمۃ سے بلاء (آزمائش) اور فتنہ (امتحان) مراد ہے۔ جب منافق دیکھتا ہے کہ اسلام لانے سے اطمینان نفس، آرام و عافیت، سہولت اور نرمی اور تسلی خاطر حاصل ہوتی ہے تو ہر منافق، مسلمانوں سے کہتا ہے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور تم میں داخل و شامل ہیں۔ اور کبھی سختی اور آزمائش کی صورت نمودار ہوئی تو گھبراجاتا، واویلا مچاتا ہے آزمائش کے موقع پر صبر نہیں جانتا، اور نہ اس میں کسی اجر کا متوقع رہتا اور نہ صبر و بلا کے اچھے انجام پر اس کی نظر رہتی ہے، منافق پکا دنیادار ہے اس کی ناراضی اور رضا دنیا کے ملنے نہ ملنے پر ہی موقوف ہے۔ منافق بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے ان آیات کریمہ میں اس کا احوال بیان فرمایا ہے" یہ تیرہ آیات منافقین کے بیان میں تھے۔ اس کے بعد خطاب عام فرمایا جا رہا ہے جس میں مومنین، کفار اور منافقین سب ہی داخل ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ 2-21
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَّ 2-22
السَّمَآءَ بِنَآءً وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ

رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اے لوگو

بندگی کرتے رہو اپنے پروردگار کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے

تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا' اور آسمان

کو چھت' اور اتارا آسمان سے پانی' پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے

واسطے' لہذا نہ ٹھہراؤ کسی کو اس کے برابر کا' اور تم تو جانتے ہو۔"

یا حرف نداء کی تفسیر

"یا" حرف ندا ہے جو سوتوں کو جگانے' غافلوں کو آگاہ کرنے غائبین کو حاضر کرنے' ساکنین کو حرکت میں لانے' ناواقفین کو واقف کرنے' کام میں لگے ہوئے لوگوں کو معمولی کام سے ہٹا کر اس سے اہم کام میں لگانے' اعراض کرنے والوں کو متوجہ کرنے' محبین میں چستی پیدا کرنے' اور مطیعین کو شوق دلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں چونکہ اعبدوا کا حکم ہو رہا ہے کہ تم بندگی بجالاتے رہو۔ اور بندگی بجالانے میں کچھ تکلیف بھی متصور ہے اسلئے اس کلفت کو ندا کی لذت خطاب سے مبدل کرنا منظور ہے۔ مطلب یہ کہ عبادت کی تکلیف کا خیال نہ کیا جائے بلکہ عبادت کا جو ثمرہ ملنے والا ہے اس پر نظر رکھی جائے تو وہ تکالیف راحت سے مبدل ہو جائے گی اور عبادت کی ادائی کا ذوق و شوق پیدا ہوگا۔

ناس کی تفسیر اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ لفظ "ناس" عام ہے جس میں مومن، کافر، فاسق، منافق سبھی قسم کے لوگ داخل ہیں۔ ناس کا اشتقاق یا تو "انس" سے ہے جس کے معنی انست و محبت کے ہیں یا نسیان سے، جس کے معنی بھول جانے یا فراموش کرنے کے ہیں۔ انسان میں طبعاً وحشت نہیں بلکہ انست ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ابنائے جنس سے بلکہ کائنات کی ہر چیز سے انست رکھتا ہے اور اس اعتبار سے کہ … ری کائنا … ت کائنات کی بنائی ہوئی ہے اس کو خالق کائنات سے بھی انست حاصل ہے بلکہ دوسری چیزوں کے مقابل خالق کائنات کے ساتھ زیادہ تر اس کو مانوس رہنا چاہیئے۔ اور اس اعتبار سے کہ ناس کا اشتقاق نسیان یعنی بھول چوک سے ہے انسان میں بھول چوک کی صفت بھی اس کی فطری صفت ہے۔ اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے:— اوّل ناس اوّل ناس۔ تمام لوگوں میں سب سے پہلا انسان، بھولنے والوں میں بھی سب سے پہلا بھولنے والا ہے" یہ ہمارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آپ کو سب سے پہلے وجود میں لایا گیا بھول چوک بھی سب سے پہلے آپ سے صادر ہوئی۔ چنانچہ آپ کی نسبت ارشاد الٰہی ہوا:— فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ وہ بھول گئے۔ اور ہم نے ان کا عزم مصمم نہ پایا" یعنی لا تقربا ﮬٰ ﺫه الشجرۃ کے ذریعہ جو ممانعت انکو

کی گئی تھی اس کو وہ بھول گئے۔ عزم بالجزم کے ساتھ اس کا خلاف نہ کیا۔

یاَیُّھا النّاس کی تفسیر

جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے یاَیُّھا النّاس کے معنی درست ہوتے ہیں۔ اعتبار اول کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے :۔ اے انست و الفت والو! تم اپنے فطری اُنس کو نہ بھولو۔ اور اعتبار ثانی کے لحاظ سے یہ معنی ہونگے اے لوگو جن کی خمیر میں نسیان اور بھول ہے متنبہ ہو جاؤ۔ اور اپنی وہ حالت نہ بھولو جبکہ تم خود بھولے بسرے تھے۔ قابل ذکر نہ تھے۔ ہم نے تمھاری خمیر کی۔ مٹی کا گارا بنایا۔ پھر نطفہ کی صورت دی' پھر خون بنایا' پھر بستہ خون کیا' پھر مضغہ بنایا' پھر ہڈی اور گوشت گردانا' رگ پٹھے' جلد پوست بنایا پھر اس میں اپنی روح پھونک کر نومولود کی شکل دی' پھر درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے طفل صبی' نوجوان' ادھیڑ اور بوڑھا بنایا۔ عمر کے یہ تمام درجات ہماری نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہوئے طے کئے۔ مگر طاعت و عبادت کے قابل بننے کے بعد کیا تیری انست والفت کا یہی اقتضا تھا کہ ہم کو چھوڑ کر تم لوگ غیر اللہ کی طاعت و عبادت کرنے لگے۔ یا یہ کہ تم نے اپنی خودی کو ایسا فراموش کر دیا کہ ہم ہی سے غافل ہو گئے۔ تم اپنے نفس اور خواہشات کا اتباع کرتے ہو اور اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کر رہے ہو۔ دیکھو اپنے خالق کو نہ بھولو اس نے تم کو لاشئے سے شئے بنایا۔ قوی اور صلاحیتیں دیں۔ علم دیا' عزت دی' اور جو وجود دینا تھا

سب کچھ دیا، لیکن ہماری نعمتوں کا بدلہ ناشکری سے اور ہمارے احکام کا جواب نافرمانی سے دے رہے ہو۔ اے ہمارے مخالفو! ہم جانتے ہیں کہ تم نے ایسا قصداً نہیں کیا بلکہ بھول کر کیا۔ اور یہ بھول تمھاری خمیر میں تھی۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمھاری فطرت میں انست والفت ہے بالآخر تم اپنی فطرت کی طرف لوٹ آؤ گے لہٰذا اگر اب بھی ہمارے بلاوے پر ہماری طرف آجاؤ گے اور ہماری بات سننے کیلئے تیار ہو جاؤ گے تو سابقہ غفلت اور بھول سب کچھ ہم معاف کر دیں گے اور تمھاری عمر بھر کی خطائیں اس ایک لبیک پر بخش دیں گے۔

یاَیّھا الناس اور یاَیّھا الذین آمنوا کا فرق

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ما کان یاَیّھا الذین آمنوا انزل بالمدینۃ وما کان یاَیّھا الناس بمکۃ۔ (بزار، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) جن آیات کریمہ کی ابتدا یاَیّھا الذین آمنوا سے فرمائی گئی یا ان کلمات سے مخاطب فرمایا گیا وہ مدنی ہیں۔ مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور جن کی ابتدا یاَیّھا الناس سے کی گئی اور ایسا خطاب فرمایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اسی قسم کی روایات حضرت ابن عباس، میمون بن مہران، علقمہ، ضحاک، عروہ بن زبیر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: قرأنا المفصّل حججا ونحن بمکّۃ لیس فیھا یاَیّھا الذین آمنوا

(ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ) ہم مکہ مکرمہ میں برسوں مفصلات (طوال مفصل اوساط مفصل اور قصار مفصل) پڑھتے رہے ان میں سے کسی میں بھی یا یھا الذین آمنوا سے خطاب نہیں فرمایا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اس لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کلام پاک میں خطاب عام یا یھا الناس فرمایا جاتا رہا جس میں سبھی شامل تھے۔ ہجرت کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو مہاجرین و انصار کو ملا کر مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی اس لئے خطاب خاص یا یھا الذین آمنوا کے ساتھ مخاطب فرمایا جانے لگا۔

مکی اور مدنی آیات کا دوسرا فرق

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:۔ ما کان من حج او فریضۃ فانہ نزل بالمدینۃ او حد او جھاد فانہ نزل بالمدینۃ وما کان من ذکر الامم والقرون وضرب الامثال فانہ نزل بمکۃ۔ (ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ) فریضہ حج یا دیگر فرائض کا جن آیات کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے وہ سب مدنی ہیں۔ اسی طرح حدود شرعیہ در جہاد کے باب میں جس قدر آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں وہ سب مدنی ہیں اور جن میں امم سابقہ اور ازمنۂ سالفہ یا ضرب الامثال بیان ہوئی ہیں وہ مکی ہیں۔ پہلا فرق لفظی تھا

یعنی خطاب خاص اور خطاب عام کے ذریعہ ان کی شناخت کی جاسکتی ہے اور یہ دوسرا فرق معنوی ہے یعنی قرآن کریم کے معانی ومطالب جاننے والے ہی اسکو دریافت کرسکتے ہیں۔ نیز یہ ہر دو فرق عموم و اکثریت پر مبنی ہیں۔

اعبدوا ربکم کی تفسیر اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ بندگی اختیار کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا۔ یہاں عقیدۂ توحید کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو اصل اصول اسلام ہے۔ وہ اس طرح کہ تمہارا پیدا کرنے والا اور تم کو نیست سے ہست کرنے والا اور ہر مرتبۂ وجود میں تمہاری تربیت اور نگہداشت کرنے والا ہی مستحق عبادت ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کی جاسکتی۔ انسان کی تخلیق اور ہر مرتبہ وجود میں اس کی بقا، تحفظ اور اس کی ترقی کے منازل پر جو اوپر گنائے گئے اگر غور کیا جائے تو صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان تمام امور اور مراتب میں دست قدرت الٰہیہ ہی کارفرما ہے کسی اور کو مطلقاً ان میں دخل نہیں۔ جب تخلیق و تربیت خالصاً اللہ سبحانہ کے ہاتھ ہے تو عبادت بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہوگی۔

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کی تفسیر وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اور ان کو بھی (پیدا کیا) جو تم سے پہلے تھے۔ یعنی امم سابقہ جو ازمنۂ سالفہ میں گزرچکی ہیں۔ خواہ وہ تمہارے آباء و اجداد ہوں یا ان کے بھائی برادر۔ کیونکہ تمہارے اصول کو پیدا کرنا بھی

ہمارے استحقاق عبودیت کو مستلزم ہے۔ اسی طرح جیسا کہ تم کو پیدا کرنا ہمارے استحقاق عبادت کو مستلزم ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی ایک زمانہ میں تھے پھر گزر گئے۔ وہ تم سے پہلے صفحہ ہستی پر آئے تھے پھر اپنی جگہ تم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اب تم کو بھی ایک نہ ایک دن یہاں سے چلنا ہے لہٰذا جب تک تم یہاں ہو اس دن کو نہ بھولو زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جان کر ہماری طاعت وعبادت میں لگے رہو کہ یہی مقصد حیات ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ "تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ" بلکہ تم یقیناً پرہیزگار بن جاؤ گے۔

لَعَلَّكُمْ کی تفسیر حضرت ابو مالکؒ فرماتے ہیں: قولہ لَعَلَّكُمْ یعنی کی غیر آیۃ فی الشعراء لعلکم تخلدون۔ یعنی کأنکم تخلدون۔ (ابن ابی حاتم) ارشاد باری تعالیٰ جو لَعَلَّكُمْ ہے اس کے معنی ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (اسی طرح قرآن کریم میں جہاں کہیں لَعَلَّكُمْ وارد ہوا ہے اس کے معنی کَی کے ہیں یعنی تاکہ) سوائے سورۂ شعراء میں ایک جگہ جو لعلکم تخلدون آیا ہے اس کے معنی کأنکم کے ہیں یعنی گویا کہ تم" اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سورۂ شعراء میں ملاحظہ کر لی جائے۔ اور حضرت عون بن عبداللہ بن غنیہؒ فرماتے ہیں: لعل من اللہ

واجب۔ (ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کلام پاک میں لعلّ آئے تو اس کے معنی (توقع اور امید کے نہیں بلکہ) واجب، ضروری اور یقینی کے ہوں گے "۔ اس اعتبار سے ارشاد باری لعلکم تتقون کے معنی یہ ہوئے کہ یقیناً تم پرہیزگار بن جاؤگے۔ جبکہ سب کو چھوڑ کر اپنے خالق ہی کی عبادت کرتے رہوگے۔

تَتَّقُوْنَ کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے تتقون کی تفسیر میں فرمایا:۔ تطیعون (وکیع، عبد بن حمید، ابن جبیر، ابوالشیخ) تم اطاعت گزار بن جاؤگے "۔ کیونکہ تقویٰ کے معنی ہیں اوامر کو بجالانا، اور منہیات سے دور رہنا، اطاعت گزاری اسی کا نام ہے اور حضرت ضحاک نے تتقون کی تفسیر میں فرمایا:۔ تتقون النار۔ (ابن ابی حاتم) تم نار دوزخ سے بچ گے "۔ یہ تفسیر نتیجہ تقویٰ کی ہے۔ یعنی غیر اللہ کی عبادت چھوڑ کر اگر اپنے خالق واحد کی عبادت کرتے رہوگے تو اس کا نتیجہ اور فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ یقیناً تم آگ کے عذاب سے جو دوزخ میں ہوگا محفوظ رہوگے۔ اس سورت شریفہ کے آغاز پر تبلایا گیا تھا ھدی للمتقین۔ یہ قرآن کریم متقین کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اب یہاں یہ ہدایت ہو رہی ہے کہ خدائے واحد کی عبادت ہی حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اہل سلوک کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ تقویٰ کا حاصل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ سالک وعابد اپنے سلوک و عبادت پر نازاں نہ ہو۔ یہ شیطانی

فریب ہے بلکہ ہمیشہ خوف و رجا کے درمیان اپنا سلوک و عبادت جاری رکھے۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

اگر مردی از مردیٔ خود مگوئے ۔۔۔ نہ ہر شہسوارے بدر برُ د گوئے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا کی تفسیر

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۔ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت ۔ یعنی عبادت کرتے رہو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے گزرے ۔ اسی نے زمین کو تمہارا بچھونا اور آسمان کو تمہاری چھت ۔ اگر اللہ سبحانہٗ تم کو صرف پیدا کر دیتا اور تمہارے آرام و سکون کا سامان نہ فرماتا تو مبتلائے مصیبت ہو جاتے ۔ وہ تمہارا رب بھی ہے کہ زمین کو تمہاری قرارگاہ اور آسمان کو تمہاری چھت بنائی ۔ اب آرام و سکون کے ساتھ زمین پر بیٹھتے، سوتے، چلتے، پھرتے اور سارے کام کاج انجام دیتے ہو ۔ آسمان تو ہر طرف سے تم پر محیط ہے ۔ اس کے سایہ سے نکل نہیں سکتے ۔ اور زمین کا یہ حال ہے کہ اس کا کچھ حصہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور کچھ پانی سے باہر ہے ۔ اسی بیرونی حصے میں تمہاری بود و باش ہے ۔ اس کو حد درجہ نرم بنا دیا جاتا تو تم اس پر قدم رکھتے ہی اندر دھنس جاتے ۔ اور حد درجہ سخت بھی نہ بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس کی سختی سے تکلیف میں رہتے

بلکہ کسیقدر سخت اور کسیقدر نرم بنایا۔ بچھونا بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ دیکھو تمھارے ساتھ کیا مناسب حال سلوک فرمایا؟ اور یہ سب کچھ اسی خدائے واحد کی عنایت و مہربانی ہے جو تمھارے ساتھ روا رکھی گئی۔ اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ہر آن اور ہر لحظہ اس کے شکر گزار رہو اور اس کی عبادت و اطاعت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ بھولو نہیں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کی تفسیر

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ۔ اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس پانی سے میوے تمھارے کھانے کو" زمین پر بسنے والے انسان کو اپنی زندگی کا وسیع میدان طے کرنے کے لئے روزی کی ضرورت تھی۔ اس کا اہتمام یہ فرمایا کہ آسمان سے پانی اتار لایا۔ اور اس پانی سے ثمرات پیدا کئے جن کو انسان اپنا رزق بناتا ہے اگر پانی نہ ہوتا تو انسان بھوکوں مرجاتا اور پیاس کے مارے جاں بلب رہ جاتا۔ پانی ایسی نعمت ہے کہ ہم اس سے پیاس بھی بجھاتے اور غلہ میوے سب اسی کی بدولت ہم کو میسر آتے ہیں۔ آسمان تک ہماری رسائی نہ تھی مگر کرم دیکھو کہ بے مانگے اپنے وقت اور موسم پر برستا ہی رہتا ہے۔ اور ہمارے عیش و زندگانی کا سامان ہوا کرتا ہے۔

بارش کا مبداء آسمان ہے

حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ اَلْمَطَرُ مِنَ السَّمَآءِ اَمْ مِنَ السَّحَابِ قَالَ مِنَ السَّمَآءِ اِنَّمَا السَّحَابُ عَلَمٌ

يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْمَاءُ مِنَ السَّمَآءِ۔ (ابوالشیخ) بارش آسمان سے آتی ہے یا ابر سے؟ انھوں نے جواب دیا آسمان سے آتی ہے۔ ابر ایک نشان اور علامت ہے جس پر آسمان سے پانی اترتا ہے۔" حضرت وہب بن منبہؒ نے فرمایا:۔ لَا اَدْرِیْ الْمَطَرُ اُنْزِلَ قَطْرَةً مِنَ السَّمَآءِ فِي السَّحَابِ اَمْ خُلِقَ فِي السَّحَابِ فَاَمْطَرَ (ابوالشیخ) میں نہیں بتا سکتا کہ بارش کا ایک ایک قطرہ آسمان سے ابر میں اتر آتا ہے یا ابر میں ہی پیدا ہوتا ہے تو پھر برسنے لگتا ہے؟"

نظام بارش کعب احبار کہتے ہیں:۔ اَلسَّحَابُ غِرْبَالُ الْمَطَرِ وَلَوْلَا السَّحَابُ حِيْنَ يَنْزِلُ الْمَاءُ مِنَ السَّمَاءِ لَاَفْسَدَ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ مِنَ الْاَرْضِ وَالْبَذْرُ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ۔ (ابن ابی حاتمؒ ابوالشیخ) ابر بارش کی چھلنی ہے۔ آسمان سے پانی اترتے وقت اگر ابر درمیان میں حائل نہ ہو تو آسمان سے اترا ہوا پانی زمین کے اس حصے کو خراب کر دیتا ہے جس پر آسمان کا پانی (ابر کے توسط گرا ہے) اور تخم (بیج بھی پانی کی طرح) آسمان سے اترتا ہے۔" حضرت خالد بن معدانؒ نے فرمایا:۔ اَلْمَطَرُ مَاءٌ يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ فَيَنْزِلُ مِنْ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ حَتّٰى يَجْتَمِعَ فِي السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَجْتَمِعُ فِي مَقَامٍ يُقَالُ لَهُ الْاَبْرَمُ فَتَجِيْءُ السَّحَابُ السُّوْدُ فَتَدْخُلُهُ فَتَشْرَبُهُ مِثْلَ شُرْبِ

الا بفیحته فیسوقها الله حیث یشآء (ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) بارش وہ پانی جو عرش اعظم کے نیچے سے نکلتا اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف اترتا رہتا ہے۔ تا آنکہ تمام پانی زمین سے قریب تر آسمان میں ایک مقام پر جس کو "ابرم" کہا جاتا ہے جمع ہو جاتا ہے۔ پھر کالی کالی گھٹائیں آتی اور اس میں گھس کر اس پانی کو پی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اسفنج پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ پھر اُن گھٹاؤں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ جہاں چاہے بھیج دیتا ہے" حضرت عکرمہ نے فرمایا:۔ ینزل الماء من السماء السابعة فتقع القطرة منه على السحابة مثل البعير (ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) پانی ساتویں آسمان سے اترتا ہے تو اس کا ایک ایک قطرہ جو ابر پر ٹپکتا ہے وہ ایک اونٹ کے برابر ہوتا ہے" حضرت خالد بن یزید فرماتے ہیں:۔ المطر منه من السماء ومنه ماء يسقيه الغيم من البحر فيعذبه الرعد والبرق فاما ما كان من البحر فلا يكون له نبات واما النبات فمما كان من السماء۔ (ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) بارش کچھ تو آسمان سے آتی ہے اور کچھ وہ پانی ہے جس کو ابر نے سمندر سے لیا ہے۔ بجلی کی گرج اور چمک سمندر سے لئے ہوئے پانی کو شیریں بنا دیتی ہے۔ پھر جو پانی سمندر سے لیا گیا تھا اس سے نباتات نہیں پیدا ہوتے اور آسمان سے جو پانی برستا ہے

اسی سے نباتات ہوتے ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اِذَا جَآءَ الْقَطْرُ مِنَ السَّحَابِ تَفَتَّحَتْ لَهُ الْاَصْدَافُ فَكَانَ لُؤْلُؤًا۔ (ابن ابی الدنیا) جب ا بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں تو ان کے لئے سیپیاں کھل جاتی ہیں (ان سیپیوں میں پانی کی بوندیاں گرتی ہیں) تو ان سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔" حضرت عکرمہ نے یہ بھی فرمایا: مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ قَطْرَةً اِلَّا نَبَتَ بِهَا فِي الْاَرْضِ عُشْبَةٌ اَوْ فِي الْبَحْرِ لُؤْلُؤًا (ابن ابی الدنیا) حکم الٰہی سے جو کوئی بوند پانی کی آسمان سے آتی ہے تو زمین پر اس سے کوئی نہ کوئی سبزی اگتی ہے اور اگر وہ بوند سمندر میں پڑے تو اس سے موتی بنتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: يَخْلُقُ اللّٰهُ اللُّؤْلُؤَ فِي الْاَصْدَافِ مِنَ الْمَطَرِ تَفْتَحُ الْاَصْدَافُ اَفْوَاهَهَا عِنْدَ الْمَطَرِ فَاللُّؤْلُؤَةُ الْعَظِيْمَةُ مِنَ الْقَطْرَةِ الْعَظِيْمَةِ وَاللُّؤْلُؤَةُ الصَّغِيْرَةُ مِنَ الْقَطْرَةِ الصَّغِيْرَةِ۔ (ابوالشیخ) اللہ سبحانہ تعالیٰ بارش کے قطروں سے سیپی میں موتی پیدا کرتا ہے۔ برسات میں سیپیاں اپنا منہ کھولی رہتی ہیں۔ بڑے بڑے موتی، بڑی بڑی بوندوں سے اور چھوٹے موتی چھوٹی بوندوں سے پیدا ہوتے ہیں۔"

حضرت مطلب بن حنطب فرماتے ہیں: — اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ سَاعَۃٍ مِّنْ لَّیْلٍ وَّ لَا نَھَارٍ اِلَّا وَالسَّمَآءُ تَمْطُرُ فِیْھَا یَصْرِفُہُ اللّٰہُ حَیْثُ یَشَآءُ۔ (کتاب الام للشافعی ابن ابی الدنیا) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات دن کی کوئی گھڑی ایسی گزرنے نہیں پاتی جس میں آسمان سے بارش نہ برستی ہو۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ جہاں چاہے اس کو پھیر دیتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے: — مَا نَزَلَ مَطَرٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَّا وَمَعَہُ الْبَذْرُ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ بَسَطْتُمْ نِطْعًا لَّرَاَیْتُمُوْہُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) آسمان سے جب کبھی کوئی بارش ہوتی ہے تو اس کے ساتھ تخم (بیج) بھی ہوتے ہیں۔ اگر تم برسات ہوتے وقت کوئی کپڑا (ٹاٹ وغیرہ) بچھادو تو (آسمان سے اترے ہوئے بیج بھی ضرور دیکھ لوگے") حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا: — اَلْمَطَرُ مِزَاجُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ فَاِذَا عَظُمَ الْمِزَاجُ عَظُمَتِ الْبَرَکَۃُ وَاِنْ قَلَّ الْمَطَرُ وَاِذَا قَلَّ الْمِزَاجُ قَلَّتِ الْبَرَکَۃُ وَاِنْ کَثُرَ الْمَطَرُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) بارش کو ربط و مناسبت جنت سے ہے۔ جب اس کا ربط زیادہ ہوتا ہے تو اس میں برکت بھی زیادہ ہوتی ہے اگرچہ بارش کم ہو۔ اور جب اس کا ربط و تعلق جنت سے کم ہو تو اس میں برکت بھی کم ہوتی ہے اگرچہ بارش زیادہ ہو۔" حضرت حسن بصریؒ

فرماتے ہیں :۔ مَا مِنْ عَامٍ بِاَمْطَرَ مِنْ عَامٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْرِفُهٗ حَيْثُ يَشَآءُ وَيَنْزِلُ مَعَ الْمَطَرِ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يَكْتُبُوْنَ حَيْثُ يَقَعُ ذٰلِكَ الْمَطَرُ وَمَنْ يُّرْزَقُهٗ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهُ مَعَ كُلِّ قَطْرَةٍ (ابوالشیخ) ایک سال دوسرے سال سے بارش کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہوا کرتا۔ (ہر سال بارش برابر ہوا کرتی ہے) لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ بارش کو جہاں چاہے پھیر دیتا ہے۔ اور بارش کے ہر قطرے کے ساتھ اتنے اتنے فرشتے نازل ہوتے ہیں جو (حکم الٰہی سے) یہ لکھتے رہتے ہیں کہ یہ بارش کہاں برسے گی اور کون کون لوگ اس سے رزق حاصل کریں گے اور بارش کے ہر قطرے سے کتنی پیداوار ہوگی؟"

نظامِ بارش پر ایک نظر روایات بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بارش کا معاملہ اندھا دھند نہیں ہے جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ برسات کے موسم میں پانی پڑتا اور بہ جاتا ہے۔ بلکہ بارش کا بھی ایک باقاعدہ نظام قائم ہے۔ عرش اعظم سے اس کا سلسلہ جاری ہوتا اور ساتوں آسمانوں میں سلسلہ بہ سلسلہ اس کا نزول ہوتا ہے۔ ابر کی کالی گھٹائیں آسمان دنیا پر آکر اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں۔ ایک ایک قطرہ اونٹ کے برابر ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی جگہ برسے تو زمین کا وہ حصہ خراب و ناکارہ ہو جائے۔ اور عجب نہیں کہ اگر اسی طرح انسانوں اور جانوروں

گرے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ ابر اس کو اپنے اندر جذب کرکے اس کو چھوٹی چھوٹی بوندوں میں تبدیل کرتا اور ہر بوند کے ساتھ فرشتے نازل ہو کر حکم الٰہی کے مطابق اس کی تقسیم کرتے ہیں اس طرح کہ ایک قطرہ بھی ادھر ادھر ہونے نہیں پاتا۔ ہر ایک چپہ زمین کو اس کا حصہ بغیر کسی کمی و بیشی کے پہنچ کر رہتا ہے اور مقررہ پیداوار ہوتی اور ہر متنفس کو اس کا حصہ پہنچتا رہتا ہے۔ یہ تمام نظم و نسق دست قدرت میں ہے۔ ایسے نظام کو قائم رکھنا دست قدرت کے سوا اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس آسمانی پانی سے بے شمار رزق اور ثمرات پیدا ہوتے ہیں جو ہمارے کارہائے معیشت میں ممد و معاون ہوتے ہیں جس پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش کا ایک ایک قطرہ ہمارے حق میں بے شمار نعمتوں کا پیش خیمہ ہے۔ ؎

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

رب قدیر کا فضل و کرم

تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ ہماری آفرینش اور ہمارے سابقین کی آفرینش، زمین کو ہمارا بچھونا بنانا، اور آسمان کو ہماری چھت قرار دینا، آسمان سے پانی اتارنا، اور اس سے غلے اور میوے پیدا کرنا جس سے ہماری زندگی استوار اور خوشگوار رہے۔ یہ تمام کام خدائے واحد نے اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔ اللہ سبحانہ کے ساتھ ان مہمات میں کوئی بھی شریک

نہیں تو عبادت و بندگی بھی اسی رب واحد اور خالق یکتا کی ہوگی۔ کوئی دوسری ہستی کائنات کی عبادت کی مستحق قرار نہیں پا سکتی۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ لہٰذا تم اللہ کے ساتھ کسی کو اس کے برابر کا شریک نہ ٹھہراؤ در حالیکہ مذکورالصدر حالات و واقعات کو خوب جانتے ہو۔" کفار و مشرکین توحید الٰہی سے بے خبر طرح طرح کے شرک میں گرفتار تھے۔ لیکن اگر ان سے دریافت کیا جاتا کہ مَنْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ تم کو اور تمہارے اسلاف کو کس نے پیدا کیا ؟" تو وہ بے ساختہ بول اٹھتے تھے :۔ لیقولن اللّٰہ ۔ وہ بالضرور یہی کہتے کہ اللہ نے ان سب کو پیدا کیا۔ پھر یہ بھی ارشاد ہوا :۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السموات والارض لیقولن اللّٰہ ۔ اور اگر اے مخاطب ! تو ان سے پوچھے کہ ان آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور بنایا تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے اور صرف اللہ نے " اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو کفار و مشرکین بھی آسمان و زمین کا خالق یکتا سمجھتے تھے۔ تو اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مستحق عبادت خدائے واحد ہی ہے جو اپنی ذات و صفات میں یکہ و تنہا ہے۔ اور یہ بات اتنی صاف ظاہر ہے کہ اس کو ہر کوئی جانتا ہے۔ جانتے بوجھتے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ 2-23
مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝
فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ 2-24
وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جس کو
ہم تھوڑا تھوڑا اتارتے جا رہے ہیں اپنے بندۂ خاص پر، تو اس جیسی کوئی سورت
لاؤ اور دعوت دو اپنے حمایتی لوگوں کو، اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا
نہ کر سکو اور تم ایسا ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کے ایندھن لوگ ہوں گے
اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے منکروں کے لیے۔"

یعنی اگر تم شک میں پڑے ہوئے ہو اس کتاب سے جو ہمارے بندۂ خاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑی تھوڑی اترتی جا رہی ہے تو تم سب مل کر اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا دوسرے تمام حمایتیوں کو بلا لاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو ڈرتے رہو اس آگ سے جس کو سلگایا گیا ہے لوگوں سے اور پتھروں سے جن کو تم پوجتے ہو یہ آگ منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔" یعنی پوجے جانے والے بتوں اور ان کے پجاریوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے۔

ریب و تردد کے اسباب

اوپر بتلایا گیا تھا کہ ریب و تردد و شک کسی کلام میں ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کلام سچا نہ ہو تو محل ریب وہ کلام ہوگا۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ کہہ کر پہلی صورت کی نفی فرما دی گئی تھی کہ قرآن کریم میں جو کچھ ارشاد الٰہی ہو رہا ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں جس کے واقعی اور سچ ہونے میں کسی قسم کے ریب و تردد کی گنجائش ہو۔ اس اعتبار سے پورا قرآن کریم سچائی اور حقیقت نفس الامری سے مالا مال ہونا ظاہر ہو چکا۔ اور دوسری صورت ریب و تردد کی یہ ہو سکتی تھی کہ سننے والے کے قصور فہم اور بغض و عناد کو اس میں دخل ہو۔ اس صورت میں محل ریب خود سننے والے کے فہم کی کوتاہی اور اس کا بغض و عناد ہے اس کے دفعیہ کی آسان تدبیر بتلائی جا رہی ہے کہ اگر قرآن کریم جو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہو رہا ہے اگر یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ بشری کلام ہے تو بشر تم بھی ہو اور فصاحت و بلاغت کے دعویدار ہو تو اس جیسا کوئی کلام بنا لاؤ۔ جو کسی ایک سورت کے برابر ہو۔ سورۂ بقرہ تو (۲۸۶) آیات کریمہ پر مشتمل ہے۔ اتنی بڑی سورت نہ سہی قرآن کریم کی بعض سورتیں صرف تین آیات کریمہ پر مشتمل ہیں جیسے سورۂ کوثر اور سورۂ والعصر۔ ان جیسی کوئی سورت بنا لاؤ۔ جس کی ابتدا بھی ہو اور انتہا بھی۔ اگر سورۂ کوثر اور والعصر

بشری کلام ہے تو بشر تم بھی ہو تمھارے لئے ایسی کوئی سورت بنالاتا کیا مشکل ہے؟ اگر تم سے یکہ و تنہا بنالاتا نہ ہو سکے تو تمھارے ہم خیال اشخاص، مشہور شعراء خطباء ہیں فصاحت و بلاغت میں یدطولیٰ رکھتے ہیں ان سے مدد لے سکتے ہو یا اپنے معبودان باطل سے تضرع و زاری کے ساتھ التجا کر سکتے ہو کہ ایسے نازک وقت میں وہ سب مل کر تمھاری مدد کریں۔ اور ہم قبل از وقت سنائے دیتے ہیں کہ ایسی کوئی سورت نہ تو تم تیار کر سکتے ہو اور نہ تمھارے اعوان و انصار خواہ وہ شعراء ہوں یا خطباء، فصحا ہوں یا بلغا یا تمھارے معبودان باطل جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ سب مل کر بھی کوئی سورت تیار نہیں کر سکتے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ اور اسی کے ضمن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی ثابت ہو چکی اس کے بعد بھی کسی کا منکر ہونا محض اس کا قصور فہم اور دیدہ و دانستہ بغض و عناد ہے۔ جس کی سزا نار دوزخ ہے لہذا یا تو اس سزا کو بھگتنے کے لئے تیار رہو یا باطل خیالات کو چھوڑ کر خدا اور اس کے کلام اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی صداقت تسلیم کر کے ایمان لاؤ تاکہ نار دوزخ سے نجات ملے۔ تاریخ شاہد ہے کہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی کسی منکر کو اس کی جرأت نہیں ہوسکی پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔

کے ذریعہ آیا ہے وہ گندھک کے پتھر ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے پاس پیدا کیا ہے
اللہ نے ان کو جیسا چاہا پیدا کیا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ ھِیَ حِجَارَۃٌ
فِی النَّارِ مِنْ کِبْرِیْتٍ اَسْوَدَ یُعَذَّبُوْنَ بِہٖ مَعَ النَّارِ۔ (ابن جریر)
"وہ دوزخی پتھر ہیں جو کالی گندھک کے پہاڑ ہیں جن کے ذریعہ کافروں کو سزا
دی جائے گی۔" حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں:۔ ھِیَ حِجَارَۃٌ مِنْ کِبْرِیْتٍ
خَلَقَھَا اللّٰہُ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِی السَّمَآءِ الدُّنْیَا
فَاَعَدَّھَا لِلْکٰفِرِیْنَ۔ (ابن جریر) "وہ گندھک کے پہاڑ ہیں جن کو اللہ سبحانہ
تعالیٰ نے اسی دن پیدا کیا جبکہ آسمانوں اور زمین کو آسمان دنیا پر پیدا کیا پھر ان کو
کافروں کے لئے تیار کر رکھا۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ
فَقَالَ اُوْقِدَ عَلَیْھَا اَلْفَ عَامٍ حَتّٰی اَحْمَرَّتْ وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰی اَبْیَضَّتْ
وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰی اَسْوَدَّتْ فَھِیَ سَوْدَآءُ مُظْلِمَۃٌ لَا یُطْفَاُ لَھَبُھَا۔
(ابن مردویہ، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ وقودھا الناس
تلاوت فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ ان پتھروں کو پیدا کرنے کے بعد
ایک ہزار سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا۔ کہ وہ پتھر سیاہ ہو گئے۔ پھر ایک ہزار

کے ذریعہ آیا ہے وہ گندھک کے پتھر ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے پاس پیدا کیا ہے اللہ نے ان کو جیسا چاہا پیدا کیا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ هِيَ حِجَارَةٌ فِي النَّارِ مِنْ كِبْرِيتٍ أَسْوَدَ يُعَذَّبُونَ بِهِ مَعَ النَّارِ۔ (ابن جریر) وہ دوزخی پتھر ہیں جو کالی گندھک کے پہاڑ ہیں جن کے ذریعہ کافروں کو سزا دی جائے گی۔" حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں:۔ هِيَ حِجَارَةٌ مِنْ كِبْرِيتٍ خَلَقَهَا اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَأَعَدَّهَا لِلْكَافِرِينَ۔ (ابن جریر) وہ گندھک کے پہاڑ ہیں جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اسی دن پیدا کیا جبکہ آسمانوں اور زمین کو آسمان دنیا پر پیدا کیا پھر ان کو کافروں کے لئے تیار کر رکھا۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ فَقَالَ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ عَامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَأَلْفَ عَامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ وَأَلْفَ عَامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ لَا يُطْفَأُ لَهَبُهَا۔ (ابن مردویہ، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ وقودھا الناس تلاوت فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ ان پتھروں کو پیدا کرنے کے بعد ایک ہزار سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا۔ کہ وہ پتھر سیاہ ہو گئے۔ پھر ایک ہزار

سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا تاآنکہ وہ سفید ہوگئے۔ پھر مزید ایک ہزار سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا کہ وہ سب سیاہ ہوگئے۔ اب وہ سیاہ تاریک ہیں جن کے شعلے بجھنے نہیں پاتے۔"

نارِ دوزخ کی اہمیت نارِ دوزخ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُ بَنِىْ آدَمَ الَّتِىْ تُوْقِدُوْنَ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَارِ جَهَنَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فَاِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا۔ (امام احمدؒ امام مالکؒ بخاری مسلم بیہقی) حضور اقدس و اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم کی آگ جس کو تم لوگ سلگایا کرتے ہو دوزخ کی آگ کا 1/70 حصہ ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جلانے کے لئے تو یہی بس تھی۔ آپ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ اس آگ سے 69/70 درجے بڑھی ہوئی ہے جس کے ہر جزو میں اتنی ہی حرارت بڑھ چڑھ کر ہے۔" العیاذ باللہ۔ اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی مروی ہے جو ترمذی شریف میں بروایت حسن مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت یوں ہے:۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اُوْقِدَتِ النَّارُ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَآءُ مُظْلِمَةٌ۔ (ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی) حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ ایک ہزار سال تک دھونکی جاتی رہی یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک دھونکا جاتا رہا تا آنکہ وہ سپید ہو گئی۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک دھونکا جاتا رہا تا آنکہ وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ حد درجہ سیاہ و تاریک ہے۔" (خدا کی پناہ) حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت اور مروی ہے۔ انھوں نے کہا:۔ اَتُرَوْنَهَا حَمْرَآءَ مِثْلَ نَارِكُمْ هٰذِهِ الَّتِيْ تُوْقِدُوْنَ اِنَّهَا لَاَشَدُّ سَوَادًا مِنَ الْقَارِ۔ (امام مالک، بیہقی) نار دوزخ کو کیا تم اپنی آگ کی طرح سرخ خیال کرتے ہو جس کو تم لوگ سلگاتے ہو؟ نار دوزخ ڈانبر سے بھی زیادہ تر سیاہ ہے۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اِنَّ نَارَكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ وَلَوْلَا اَنَّهَا اُطْفِئَتْ بِالْمَاءِ مَرَّتَيْنِ مَا انْتَفَعْتُمْ مِنْهَا بِشَيْءٍ لَتَدْعُوا اللّٰهَ اَنْ لَّا يُعِيْدَهَا فِيْهَا۔ (ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ) یقین جانو کہ تمھاری

یہ آگ، نارِ جہنم کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اور اگر تمھاری آگ پانی میں دو دفعہ ڈبوئی گئی نہ ہوتی تو تم اس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ کرسکتے اور تمھاری یہ آگ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہتی ہے کہ اس کو دوبارہ دوزخ میں نہ لیجایا جائے۔" حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ انّ نارکم ھذہ تعوّذ من نارِ جھنّم (ابن ابی شیبہ) "تمھاری یہ آگ، نارِ دوزخ سے پناہ مانگتی رہتی ہے۔"

اعدّت للکافرین کی تفسیر

اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔ تیار کی گئی ہے منکروں کے لئے۔" یعنی دوزخ اور اس کی جملہ تکالیف خدا تعالیٰ کے منکرین کو سزا دینے کے لئے تیار کی گئی ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:۔ اَیْ لِمَنْ کَانَ عَلٰی مِثْلِ مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ مِنَ الْکُفْرِ۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) یعنی یہ دوزخ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو حالتِ کفر پر قائم ہوں، جیسا کہ تم قبول اسلام سے قبل حالتِ کفر پر تھے۔ اگر اسی حال پر تمھارا خاتمہ ہوتا تو تمھارا حشر بھی یہی ہوتا۔ لیکن تم کو شکرگزار رہنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو کفر سے نکال کر ایمان و اسلام کی طرف لایا۔ اب اس پر قائم رہو تو نارِ جہنم سے نجات پاؤ گے ان شاء اللہ تعالیٰ

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ 2-25
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا
هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ
مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اور (اے نبی کریم!) خوشخبری سنایئے
ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک کام کہ ان کے لئے باغات ہیں
بہتی رہینگی ان کے نیچے نہریں، جب کبھی دیا جائے گا ان کا پھل کھانے کو تو کہیں گے
یہ وہی میوہ ہے جو دیا گیا تھا ہم کو اس سے پیشتر، اور لایا جائے گا ایک ایک پھل
دوسرے سے ملتا جلتا، اور ان کے لئے بی بیاں ہوں گی پاکیزہ صاف ستھری،
اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

ماقبل سے ربط دار آخرت میں کافروں کا ٹھکانا اور اس کے احوال بتانے کے بعد، اہل ایمان صالحین کے لئے جو تیاری وہاں کی گئی ہے اس کو بیان فرمایا جا رہا ہے تاکہ فریقین کا حال اور ان کا باہمی امتیاز ظاہر ہو جائے۔ اور ہر فریق اپنے لئے جو مقام پسند کرے اس کے مطابق اور مناسب حال رویہ اختیار کرے۔ کیونکہ اس میں کسی پر کسی قسم کا جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ اپنی اپنی پسند ہے جو راہ چاہے اس کو اختیار کر کے اسی پر گامزن ہو۔

ایمان اساس اور عمل صالح عمارت ہے	باری تعالیٰ شانہ عز اسمہٗ کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہو رہا ہے:۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور (اے نبی کریم!) خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کرتے رہے نیک۔ کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں؟ اس آیۂ کریمہ میں استحقاق جنت کی دو شرطیں بتائی گئی ہیں۔ ایک ایمان اور دوسری اعمال صالحہ۔ ایمان جو شرط اول ہے وہ بمنزلۂ اساس اور پائے کے ہے کہ پائے کے بغیر کوئی عمارت قائم و برقرار نہیں رہ سکتی۔ اور دوسری شرط جو اعمال صالحہ کی ہے وہ عمارت ہے۔ ایمان و عمل اگرچہ دو مستقل شرطیں ہیں لیکن ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایمان نہ ہو اور انسان اعمال صالحہ کرتا رہے تو عمل کا کوئی ثمرہ اس کو نہیں مل سکتا۔ اسی طرح اگر صرف ایمان ہو اور اعمال صالحہ میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو تو صرف پائے اور اساس سے اس بشارت کا کوئی فائدہ اس کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں آمَنُوْا [1] وَعَمِلُوا [2] الصَّالِحَاتِ کی دو شرطیں عاید کی گئی ہیں۔

تحصیل جنت کی ترغیب	حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول الثقلین

کمربستہ ہیں"۔ گویا دنیا ہی میں جملہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنت کی بشارت سنا دی گئی۔ رضی اللہ عنہم۔

جنت کی تعمیر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حَدِّثْنَا عَنِ الْجَنَّۃِ مَا بِنَآؤُھَا؟ قَالَ لَبِنَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ وَّ لَبِنَۃٌ مِنْ فِضَّۃٍ وَّ حَصْبَآؤُھَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَمِلَاطُھَا الْمِسْکُ وَ تُرَابُھَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَّدْخُلُھَا یَنْعَمُ لَا یَبْأَسُ لَا تَبْلٰی ثِیَابُہٗ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُہٗ۔ (امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ترمذیؒ ابن حبانؒ بیہقیؒ) ہم عرض پرداز ہوئے کہ اے خدا کے پیارے رسول! ہم سے جنت کی صفت بیان فرمائیے کہ اس کی تعمیر کیسی ہے؟ ارشاد مبارک ہوا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی (یعنی جنت کی دیواریں گنگاجمنی اینٹوں کی ہوں گی) اور اس کا کنکر پیٹ لعل و گوہر کا اور اس کی استرکاری مشک کی اور اس کی مٹی زعفران کی طرح خوشبودار خوش رنگ) جو اس میں داخل ہوگا دل پسند نعمتوں سے مالامال ہوگا کسی طرح کی ناگواری نہ ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیگا اسکے کپڑے بوسیدہ نہ ہوں گے اور اس کا شباب زائل نہ ہوگا۔

جنت کی صفت حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَنَّةِ كَيْفَ هِيَ قَالَ مَنْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ يَحْيَا لَا يَمُوْتُ وَيَنْعَمُ لَا يَبْأَسُ لَا تَبْلٰى ثِيَابُهٗ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهٗ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ بِنَآؤُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ مِلَاطُهَا مِسْكٌ اِذْ فَرُ وَحَصْبَآؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ وَتُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ ۔ (ابن ابی شیبہ ابن ابی الدنیا طبرانی ابن مردویہ) حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کے باب میں سوال کیا گیا کہ وہ کیسی ہے؟ فرمایا جو کوئی جنت میں داخل ہو گا زندہ رہے گا اس کو کبھی موت نہ آئے گی۔ خوش عیش رہے گا کوئی ناگواری نہ ہوگی۔ اس کا لباس بوسیدہ نہ ہو گا اور نہ اس کا شباب کبھی زائل ہو گا۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس تعمیر کیسی ہے؟ فرمایا کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے۔ اسکی استرکاری مہکتے ہوئے مُشک کی اور اس کا کنکریٹ لعل و گہر کا ہے۔ اور اسکی مٹی زعفران ہے۔"

اہل جنت کا بخور | حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اِنَّ حَائِطَ الْجَنَّةِ لَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمَجَامِرُهُمُ الْاَلُوَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ

تُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ وَطِيْبُهَا الْمِسْكُ۔ (بزار، بیہقی) جنت کی دیواریں سونے کی ایک ایک اینٹ اور چاندی کی ایک ایک اینٹ سے بنی ہوئی ہیں اور ان کا بخور اَلْوَّۃ ہوگا (یہ اعلیٰ درجہ کا عود ہے جو نہایت نایاب ہے) اور اس کی کنگھیاں سونے کی اور اس کی مٹی زعفران اور اس کا عطر مشک کا ہوگا۔"

رحمت کی ہوا سے جنتیوں کا حسن دوبالا

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اَرْضُ الْجَنَّةِ بَيْضَآءُ عَرْصَتُهَا صُخُوْرُ الْكَافُوْرِ وَقَدْ اَحَاطَ بِهِ الْمِسْكُ مِثْلُ كُثْبَانِ الرَّمْلِ فِيْهَا اَنْهَارٌ مُطَّرِدَةٌ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اَدْنَاهُمْ وَآخِرُهُمْ يَتَعَارَفُوْنَ فَيَبْعَثُ اللهُ عَلَيْهِمْ رِيْحَ الرَّحْمَةِ عَلَيْهِمُ الْمِسْكُ فَيَرْجِعُ الرَّجُلُ اِلٰى زَوْجِهٖ وَقَدِ ازْدَادَ حُسْنًا وَّطِيْبًا فَتَقُوْلُ لَقَدْ خَرَجْتَ مِنْ عِنْدِيْ وَاَنَا بِكَ مُعْجَبَةٌ وَاَنَا بِكَ الْاٰنَ اَشَدُّ اِعْجَابًا۔ (ابن ابی الدنیا) جنت کی زمین سپید ہوگی اس کے میدانوں میں کافور کی چٹانیں ہوں گی جن کو مشک اس طرح گھیرا ہوا ہوگا جیسے کہ ریتی کے ٹیلے ہوتے ہیں اس میں مسلسل بہتی ہوئی نہریں ہوں گی۔ ان کو دیکھنے کے لئے اہل جنت اول سے آخر تک جمع ہوں گے جو ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ

ان پر رحمت کی ہوا چلائے گا تو ان پر مشک پڑا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد ایک ایک شخص اپنی بی بی کے پاس لوٹ آئے گا ایسی حالت میں کہ اس کے حسن اور خوشبو میں معقول اضافہ ہوگا تو وہ کہے گی کہ آپ میرے پاس سے جا رہے تھے تو میں آپ کو بہت پسند کرتی تھی اور اب تو میں آپ کو بہت زیادہ پسند کرتی ہوں۔

جنت شاہی محل حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اِنَّ اللّٰہَ اَحَاطَ حَائِطَ الْجَنَّۃِ بِلَبِنَۃٍ مِنْ ذَھَبٍ وَلَبِنَۃٍ مِنْ فِضَّۃٍ ثُمَّ شَقَّقَ فِیْھَا الْاَنْھَارَ وَغَرَسَ فِیْھَا الْاَشْجَارَ فَلَمَّا نَظَرَتِ الْمَلَائِکَۃُ اِلٰی حُسْنِھَا وَزَھْرَتِھَا قَالَتْ طُوْبَاکِ مَنَازِلُ الْمُلُوْکِ۔ (بزار، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جنت کی دیوار کا احاطہ سونے چاندی کی اینٹوں سے تیار کرایا ہے۔ پھر اس میں نہریں کاٹ لائیں۔ پھر اس میں درخت لگائے۔ فرشتوں نے جب قصر جنت کی یہ خوبصورتی اور تازگی و رونق دیکھی تو بے ساختہ بول اٹھے کہ بادشاہوں کے یہ محلات قابل مبارک باد ہیں۔"

بخیل جنت میں نہ جائے گا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ خَلَقَ اللّٰہُ جَنَّۃَ عَدْنٍ بِیَدِہٖ وَدَلَّلَ فِیْھَا ثِمَارَھَا وَشَقَّ فِیْھَا اَنْھَارَھَا ثُمَّ نَظَرَ اِلَیْھَا فَقَالَ لَھَا تَکَلَّمِیْ

فَقَالَتْ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ فَقَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا یُجَاوِرُنِیْ فِیْكِ بَخِیْلٌ۔ (طبرانی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جنت عدن کو خاص اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اس کے میووں کو بسہولت چننے کے قابل بنایا۔ پھر اس میں نہریں کاٹ کر نکالیں پھر اس کو دیکھا اور فرمایا کہ کچھ بول۔ اس نے کہا یقیناً اہل ایمان اپنی مراد کو پہنچے۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا۔ میری عزت و جلال کی قسم! میرے پڑوس میں تجھ میں کوئی بخیل نہ آسکیگا" مراد یہ ہے کہ بخل کی سزا ایسے بغیر بخیل جنت میں نہ آسکیگا حضرت سعدیؒ نے غالباً یہیں سے فرمایا ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر بہشتی نباشد بحکم خبر

جنتیوں کا لباس حضرت ابن عباسؓ سے ابو زمیل نے دریافت کیا:۔ مَا اَرْضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ مَرْمَرَةٌ بَيْضَاءُ مِنْ فِضَّةٍ كَأَنَّهَا مِرْآةٌ قَالَ مَا نُورُهَا قَالَ مَا رَأَيْتَ السَّاعَةَ الَّتِيْ يَكُوْنُ فِيْهَا طُلُوْعُ الشَّمْسِ فَذٰلِكَ نُوْرُهَا إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ فِيْهَا شَمْسٌ وَلَا زَمْهَرِيْرٌ قَالَ فَمَا أَنْهَارُهَا أَفِيْ أُخْدُوْدٍ قَالَ لَا وَلٰكِنَّهَا يَفِيْضُ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ لَا يَفِيْضُ هٰهُنَا وَلَا هٰهُنَا قَالَ فَمَا حُلَلُهَا قَالَ فِيْهَا الشَّجَرُ فِيْهَا الثَّمَرُ كَأَنَّهُ الرُّمَّانُ فَإِذَا أَرَادَ وَلِيُّ اللّٰهِ مِنْهَا كِسْوَةً

اِنْحَدَرَتْ اِلَيْهِ مِنْ اَغْصَانِهَا فَانْفَلَقَتْ لَهٗ مِنْ سَبْعِيْنَ حُلَّةً اَلْوَانًا بَعْدَ اَلْوَانٍ ثُمَّ لَتَنْطَبِقُ فَتَرْجِعُ كَمَا كَانَتْ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) ارضِ جنت کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ پانی بہتی ہوئی سفید ہے چاندی سے بنی ہوئی گویا کہ وہ آئینہ ہے۔ پھر پوچھا کہ اسکی روشنی کا کیا حال ہے؟ جواب ملا کہ آفتاب طلوع ہونے وقت جو روشنی ہوتی ہے اسی کے مثل سمجھ لو لیکن وہاں نہ آفتاب کی گرمی ہوگی اور نہ زمہریر کی سردی۔ پھر پوچھا کہ اس کی نہروں کا کیا حال ہے؟ کیا نالیاں بنی ہوئی ہیں؟ فرمایا کہ نہیں لیکن سطحِ زمین پر پانی بہتا رہتا ہے نہ یہاں اور نہ وہاں یعنی سیدھی چلتی ہیں اِدھر اُدھر پھیلتی نہیں پھر پوچھا کہ جنت کے لباس کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ جنت میں درخت ہیں جن پر بار آیا ہوا ہے انار کے مانند جب کوئی ولی اللہ اس سے کپڑوں کا جوڑا لینا چاہتا ہے تو درخت کی شاخیں جھک پڑتی ہیں اور ان کے پھل شق ہو کر رنگ برنگ کے ستر جوڑے برآمد ہوتے ہیں (جو چاہو لیکر زیب تن کرو) اس کے بعد وہ پھل بند ہو جاتے اور شاخیں اپنی سابقہ حالت پر آجاتی ہیں۔"

جنت کا ذرا سا حصہ دنیا و مافیہا سے بہتر	حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:—

مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ) جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ بھی دنیا ومافیہا سے کہیں بہتر ہے۔" حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ لَشِبْرٌ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (ابن ابی شیبہ، ہناد بن سری، ابن ماجہ) جنت کی بالشت بھر جگہ بھی دنیا ومافیہا سے کہیں بہتر ہے۔" حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لَوْ أَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِمَّا فِي الْجَنَّةِ لَتَزَخْرَفَتْ لَهُ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَ فَبَدَا أَسَاوِرُهُ لَطَمَسَ ضَوْءُ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُوْمِ۔ (ترمذی، ابن ابی الدنیا) فرض کرو کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز جنت کی ناخن برابر بھی اٹھالائی جائے تو آسمانوں اور زمین کے درمیان کی تمام فضا روشن ہو جائے۔ اور اگر فرض کرو کہ اہل جنت میں سے ایک شخص بھی دنیا کی طرف جھانک لے اور اس کا ایک کنگن بھی ظاہر ہو جائے تو آفتاب کی روشنی غائب ہو جائے جیسا کہ آفتاب کی روشنی سے تمام تاروں کی روشنیاں غائب ہو جاتی ہیں۔" حضرت ابوہریرہؓ

فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ۔ (امام احمد بخاری مسلم) تم میں سے کسی ایک کی کمان کے برابر جگہ بھی جنت میں ان تمام چیزوں سے کہیں بہتر ہے جن پر آفتاب طلوع یا غروب ہوتا رہتا ہے۔"

شہید کا مقام جنت الفردوس

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ۔ اُصِیْبَ حَارِثَةُ یَوْمَ بَدْرٍ فَجَآءَتْ اُمُّهٗ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّیْ فَاِنْ یَّكُنْ فِی الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَاِنْ یَكُنْ غَیْرَ ذٰلِكَ تَرٰی مَا اَصْنَعُ فَقَالَ اِنَّهَا لَیْسَتْ بِجَنَّةٍ وَّاحِدَةٍ اِنَّهَا جِنَانٌ كَثِیْرَةٌ وَّاِنَّهٗ فِی الْفِرْدَوْسِ الْاَعْلٰی۔ (بخاری) غزوہ بدر میں حارثہؓ شہید ہوگئے تو ان کی ماں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض رسا ہوئیں کہ یارسول اللہ حارثہ سے مجھے جو دلبستگی تھی وہ آپ کو خوب معلوم ہے۔ اب اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرلوں گی۔ اور اگر اس کے سوا کوئی اور بات ہے تو میں جو کچھ کروں گی آپ اس کو مشاہدہ فرمالیں گے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت ایک نہیں ہے

بہت سارے باغات ہیں اور حارثہ فردوس اعلیٰ میں ہے "جنت الفردوس وسط جنت ہے۔ خیر الامور اوساطھا مشہور ہے۔ یہ انگور کا باغ ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ حارثہ کم عمر نابالغ تھے۔ بچوں کو غزوات میں لے جانے کا دستور نہ تھا۔ یہ بلا علم و اطلاع غازیان اسلام کے ساتھ غزوہ بدر میں چلے گئے۔ وہاں جانے کے بعد پانی پینے یا لینے کے لئے پانی کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ اسی اثنا میں کافروں کی طرف سے ایک تیر آیا اور ان کو لگ گیا جس سے حارثہ شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سحر خیزی کی فضیلت، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ۔ (ترمذی بروایت حسن حاکم بروایت صحیح) جو ڈرتا ہے وہ سویرے اٹھتا ہے اور جو صبح سویرے اٹھتا ہے وہ منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ سبحانہ کا سامان گراں قدر ہے۔ کوئی چیز مطلوب ہے تو اس کی قیمت بھی ادا کرنی ہوگی۔ جنت کا طلبگار خواب غفلات میں پڑا نہیں رہتا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے ان کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے:۔

جَآءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَآءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔ (حاکم)

آئی کپکپا دینے والی گھڑی۔ اس کے بعد آنے والی گھڑی بھی آگئی۔ موت اپنے لوازم کے ساتھ آچکی" ساعت قیامت مراد ہے۔ جو لرزہ براندام کرنے والی ہے اس کی ابتدا ساعت موت سے ہوتی ہے۔

اہل جنت کی خوبصورتی ترقی پر ہوگی

حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا:— وَالَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ لَیَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَّجَمَالًا کَمَا تَزْدَادُوْنَ فِی الدُّنْیَا قَبَاحَۃً وَّھَرَمًا۔ (ابن ابی شیبہ) قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی کتاب کریم قرآن عظیم اتاری یقیناً اہل جنت کا حسن وجمال (یوماً فیوماً بلکہ ساعۃً فساعۃً) ترقی پر ہوگا جیسا کہ دنیا میں تمہاری بدصورتی اور بڑھاپا بڑھتا رہتا تھا" ایک شاعر نے لکھ مارا ؎

ایسی جنت کو کیا کریں لے کر — جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

کاش یہ حدیث شریف اس کے پیش نظر ہوتی۔

نہروں کا بیان

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھَارُ۔ ان باغات کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی" حضرت ابو مالکؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:— اَیْ یَعْنِی الْمَسَاکِنَ تَجْرِیْ اَسْفَلَھَا اَنْھَارُھَا۔ (ابن ابی حاتم)

یعنی جنتی مکانات کے زیریں حصے سے نہریں بہتی ہوں گی "۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ تَفْجُرُ مِنْ تَحْتِ جِبَالِ مِسْكٍ۔ (ابن ابی حاتم، ابن حبان، طبرانی، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) جنت کی نہریں، مشک کے پہاڑوں کے نیچے سے پھوٹ نکلتی ہیں "۔ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس کو ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن حبان، بیہقی نے بروایت صحیح) اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

نہر بیدخ کی سیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ نَهَرًا يُقَالُ لَهُ الْبَيْدَخُ عَلَيْهِ قِبَابٌ مِنْ يَاقُوْتٍ تَحْتَهُ جَوَارٍ نَابِتَاتٌ يَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ انْطَلِقُوْا بِنَا اِلَى الْبَيْدَخِ فَيَجِيْئُوْنَ فَيَتَصَفَّحُوْنَ تِلْكَ الْجَوَارِيَ فَاِذَا اَعْجَبَ رَجُلًا مِنْهُمْ بِجَارِيَةٍ مَسَّ مِعْصَمَهَا فَتَتْبَعُهُ وَتَنْبُتُ مَكَانَهَا اُخْرٰى۔ (امام احمد، مسلم) یقین جانو کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کو "بیدخ" کہا جاتا ہے اس کے دونوں

ﻋـﻪ بیدخ "بادہ" کا معرب ہے۔ یعنی شراب کی نہر۔

کناروں پر لعل سرخ کے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اس کے نیچے جوان لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جنتی لوگ کہیں گے کہ ہم کو بیدخ کی طرف لے چلو۔ چنانچہ وہ آئیں گے اور اُن لڑکیوں کو یکے بعد دیگرے دیکھیں گے۔ ان میں سے کسی شخص کو ان میں کی کوئی لڑکی پسند آئے گی تو اس کی کلائی کو چھولے گا۔ چھونے کے ساتھ ہی وہ اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ اور اس کی جگہ دوسری پیدا ہو گی۔"

ایک صحابیہ کا رویائے صالحہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُہُ الرُّؤْیَا فَجَاءَتِ امْرَأَۃٌ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَأَنِّیْ اُخْرِجْتُ فَاُدْخِلْتُ الْجَنَّۃَ فَسَمِعْتُ وَجْبَۃً اِرْتَجَّتْ لَھَا الْجَنَّۃُ فَاِذَا اَنَا بِفُلَانٍ وَ فُلَانٍ حَتّٰی عَدَّتِ اثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا وَ قَدْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً قَبْلَ ذٰلِکَ فَجِیْءَ بِھِمْ عَلَیْھِمْ ثِیَابٌ طُلْسٌ تَشْخُبُ اَوْدَاجُھُمْ فَقِیْلَ اذْھَبُوْا بِھِمْ اِلٰی نَھَرِ الْبَیْدَخِ فَغُمِسُوْا فِیْہِ فَخَرَجُوْا وُجُوْھُھُمْ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَاُتُوْا بِکَرَاسِیَّ مِنْ ذَھَبٍ فَقَعَدُوْا عَلَیْھَا وَجِیْءَ بِصَحْفَۃٍ مِنْ ذَھَبٍ فِیْھَا بُسْرَۃٌ فَاَکَلُوْا مِنْ بُسْرِہٖ مَا شَاءَ وَاِنَّمَا یُقَلِّبُوْنَھَا

اِلَی جِھَۃٍ اِلَّا اَکَلُوْا مِنْ فَاکِھَۃٍ مَّا شَآءُ وْ۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب پسند آتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت آئی اور عرض رسا ہوئی کہ اے اللہ کے پیارے رسول! میں نے خواب دیکھا گویا میں دنیا سے نکال دی گئی اور مجھے جنت میں داخل کیا گیا میں نے لوگوں کے آنے کی آہٹ سنی جس سے جنت بھی ان کے آنے کی مشتاق ہوگئی۔ ایسے میں میں نے دیکھا فلاں فلاں اس طرح بارہ آدمیوں کے نام اس نے گن بتائے جن کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستۂ فوج کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا تھا۔ پھر ان کو لایا گیا وہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور ان کی رگوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ پھر کہا گیا کہ ان کو نہر بیدخ کی طرف لے جاؤ۔ یہ لوگ وہاں پہنچے اور نہر میں ایک غوطہ لگایا۔ پھر وہ باہر نکلے تو ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ پھر ان کے لئے طلائی کرسیاں لائی گئیں اور وہ ان پر آرام سے بیٹھ گئے۔ اور ایک سونے کا طبق لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں ان لوگوں نے اس میں سے جتنا جی چاہا کھائیں یہ لوگ اس کے جس حصے کی طرف رخ کرتے جتنے میوے چاہتے کھاتے تھے"۔

مذکورہ خواب کی تصدیق	فَجَآءَ الْبَشِیْرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ

كَذَا وَكَذَا وَأُصِيبَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ حَتَّى عَدَّ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَقَالَ عَلَيَّ بِالْمَرْأَةِ فَجَاءَتْ فَقَالَ قُصِّي رُؤْيَاكِ عَلَى هٰذَا فَقَالَ الرَّجُلُ هُوَ كَمَا قَالَتْ أُصِيبَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ۔ (امام احمد عبد بن حمید، نسائی، ابویعلیٰ، بیہقی، ضیا رمقدسی بروایت صحیحہ) اتنے میں خوش خبری دینے والا پیام رساں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! (آپ نے جو فوجی دستہ روانہ فرمایا تھا اس کو) ایسی ایسی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور فلاں فلاں اشخاص کام آئے ایسے بارہ شہیدوں کے نام اس نے گن بتائے حضور اکرمؐ کا ارشاد ہوا اس عورت کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنا خواب ان سے بیان کرو۔ پیام رساں نے کہا کہ واقعہ بالکل ایسا ہی پیش آیا کہ فلاں فلاں بارہ آدمی شہید ہوئے۔"

اہل جنت کی سامعہ نوازی

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: — إِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهَرًا طُولَ الْجَنَّةِ حَافَّتَاهُ الْعَذَارَى قِيَامٌ مُتَقَابِلَاتٌ يُغَنِّينَ بِأَحْسَنِ أَصْوَاتٍ يَسْمَعُهَا الْخَلَائِقُ حَتَّى مَا يَرَوْنَ أَنَّ فِي الْجَنَّةِ لَذَّةً مِثْلَهَا قُلْنَا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَمَا ذَاكَ الْغِنَاءُ قَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ التَّسْبِيحُ وَالتَّحْمِيدُ وَالتَّقْدِيسُ وَثَنَاءٌ

عَلَى السَّرَبِ (بیہقی) جنت میں ایک نہر ہے جہاں تک جنت کی درازی ہے وہ نہر بھی رواں ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر دوشیزہ لڑکیاں آمنے سامنے خوش آوازی سے گاتی کھڑی ہیں۔ جس کو تمام اہل جنت کمال دلچسپی اور محویت سے سنتے رہیں گے۔ ان کا یہ خیال ہوگا کہ جنت میں ایسی کوئی لذت نہ ہوگی۔ ہم نے کہا ابو ہریرہ! وہ گانا کیا ہوگا؟ فرمایا ان شاء اللہ تسبیح تقدیس اور اور حمد و ثنائے رب العالمین پر مشتمل ہوگا۔"

دوشیزہ اُگانے والی نہر حضرت معتمر بن سلیمانؓ فرماتے ہیں:- اِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهَرًا يُنْبِتُ الْجَوَارِي الْأَبْكَارَ۔ (امام احمد دارقطنی) "یقیناً جنت میں ایک نہر ایسی بھی ہے جس سے دوشیزہ باکرہ لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔" حضرت انسؓ سے یہ مرفوع حدیث مروی ہے:- فِي الْجَنَّةِ نَهَرٌ يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ عَلَيْهِ مَدِيْنَةٌ مِّنْ مَّرْجَانٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ بَابٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّفِضَّةٍ لِحَامِلِ الْقُرْآنِ۔ (ابن عساکر) جنت میں ایک نہر ہے جس کو ریّان کہا جاتا ہے اس پر ایک شہر بسا ہوا ہے مرجان سے بنا ہوا۔ اس کے ستر ہزار دروازے سونے چاندی کے ہوں گے۔ یہ شہر حافظ قرآن کے لئے مختص ہوگا۔

انہار جنت کی خوشبو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَظُنُّوْنَ اَنَّ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ اُخْدُوْدٌ فِي الْاَرْضِ لَا وَاللّٰهِ
اِنَّهَا لَسَائِحَةٌ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ حَافَّتَاهَا خِيَامُ اللُّؤْلُؤِ وَطِيْنُهَا
الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاَذْفَرُ قَالَ الَّذِيْ لَا خِلْطَ
مَعَهٗ ۔ (ابن مردویہ، ابونعیم، ضیاء مقدسی) شاید تمہارا گمان یہ ہے کہ جنت کی نہریں
زمین میں نالیاں کھود کر لائی گئی ہیں۔ بخدا ایسا نہیں ہے۔ وہ روئے زمین پر بہہ
رہی ہیں۔ اس کے دونوں کناروں پر موتی کے ڈیرے لگائے ہوئے ہیں اس کا کیچڑ
خالص مشک اذفر ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اذفر سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا
جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو"

انہار جنت کی روانی

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
روایت فرماتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَشْخَبُ مِنْ جَنَّةِ
عَدْنٍ فِيْ جُوْبَةٍ ثُمَّ تَصَدَّعُ بَعْدُ اَنْهَارًا ۔ (ابن ابی الدنیا، ابن مردویہ،
ضیاء) یقین جانو کہ جنت کی نہریں جنت عدن سے یک دم بہ نکلتی ہیں۔ پھر بعد کو
متفرق نہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں"

اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا کی تفسیر

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا
الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔

جب کبھی کوئی رزق ان کو کھانے کیلئے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی چیز ہے جو ہم کو اس سے پہلے کھانے کو دی گئی تھی اور ان کے پاس ملتے جلتے میوے لائے جائیں گے۔"

حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے انھوں نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:— اُتُوْا بِالثَّمَرَةِ فِي الْجَنَّةِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهَا فَقَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا اللَّوْنِ وَالْمَرْأٰى وَلَيْسَ يُشْبِهُ الطَّعْمَ۔ (ابن جریر) جنتیوں کے پاس جنت میں میوے لائے جائیں گے۔ وہ ان کو دیکھتے ہی کہیں گے یہ تو وہی ہیں جو ہم کو اس سے پیشتر دنیا میں کھانے کو دئے گئے تھے۔ اور ان کے پاس ان سے صرف رنگ اور دیکھنے میں ملتے جلتے میوے لائے جائیں گے جو ذائقہ دار اور مزے میں ان کے مشابہ نہ ہونگے"۔ یعنی جنتی میوں کی صورت اور رنگت دنیا کے میووں سے ملتی جلتی ہوگی لیکن ان کا ذائقہ اور مزہ ایسا عمدہ ہوگا کہ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ ہوگا کہ یہ میوہ ایسا ذائقہ دار بھی ہوتا ہے اور اس میں ایسی خوشبو بھی ہوتی ہے؟ دنیا کے میووں سے ملتے جلتے میوے لانے میں حکمت یہ ہے کہ مختلف صورت اور رنگ کے میووں سے اہل جنت کو وحشت نہ ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟ ان کو کوئی کھاتا بھی ہے؟ اور اس کے کھانے کا کیا طریقہ ہے؟

دنیا میں کھائے ہوئے میوے لائے جائیں تو چونکہ ان سے انسیت تھی دیکھتے ہی
ان کی طرف رغبت پیدا ہو گی۔ کیونکہ دنیا میں بھی وہ مرغوب خاطر تھے۔ جی بھر کھانے کا
موقع نہیں ملتا تھا۔ بعض میوے ایسے بھی تھے جو جی چاہتا تھا کہ اسی کو پیٹ بھر کھا لیا
جائے۔ مگر اس بہتات سے میسر نہ آتے تھے۔ آج جنت میں خوش نصیبی کا یہ حال ہے کہ
جو میوہ جتنا چاہو کھاؤ۔ ایسا ذائقہ دار اور خوشبودار دنیا میں کبھی نصیب تک نہ ہوا
تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہی نہیں۔ اس میں کسی موسم کی
قید نہیں جس موسم کا میوہ جب وقت جتنا چاہو چشم زدن میں میسر ہو گا۔

دنیا کے کھانوں کو جنتی اغذیہ سے کوئی نسبت نہیں

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
یَقُوْلُ فِیْ طَعَامِ الْعُرْسِ مِثْقَالٌ مِّنْ رِّیْحِ الْجَنَّۃِ۔ (دیلمی) حضور رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا آپ شادیوں کے کھانوں کے باب میں ارشاد
فرماتے تھے کہ ان میں جنت کی خوشبو کے صرف ایک مثقال کے برابر ہے۔" مشاہدہ ہے کہ
آج بھی دنیا میں ایسی تقاریب میں بہتر سے بہتر خوش ذائقہ خوشبودار خوش رنگ
کھانے ہوتے ہیں لیکن جنت کے عام کھانوں کے ساتھ ان کی نسبت ایک مثقال برابر
بھی نہیں ہوتی۔ اس سے جنت کے کھانوں کی لطافت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

متقال جو کے (۱۰۰) دانوں کا ہم وزن ہوتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس کی تائید حضرت قتادہؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے آیہ کریمہ قَالُوا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا کی تفسیر میں فرمایا:۔ یُشْبِهُ ثِمَارَ الدُّنْیَا غَیْرَ اَنَّ ثِمَارَ الْجَنَّةِ اَطْیَبُ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن الانباری) جنت کے میوے، دنیا کے میووں کے صرف شبیہ اور ہم شکل ہونگے لیکن جنت کے میوے دنیا کے میووں سے لطیف ترین ہوں گے"۔ جنت کے کھانوں کا بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لَیْسَ فِی الدُّنْیَا مِمَّا فِی الْجَنَّةِ شَیْئٌ اِلَّا الْاَسْمَاءُ۔ (مسدد، ہناد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) دنیا میں جو کچھ ہے اس کو جنت کی چیزوں کے مقابل نام کے اشتراک کے سوا کوئی نسبت ہی نہیں"۔

جنتی میووں میں کوئی سڑا گلا نہیں

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ خِیَارُهٗ كُلُّهٗ یُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا لَا رَذْلَ فِیْهِ اَلَمْ تَرَ اِلٰی ثِمَارِ الدُّنْیَا كَیْفَ تَرْذُلُوْنَ بَعْضَهٗ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) جنت کے جملہ میوے اچھے ہی اچھے اور پسندیدہ تر ہوں گے کوئی دانہ ناپسند نہ ہوگا۔ کیا تم نے دنیا کے پھلوں کو نہیں دیکھا کہ ان میں بعض دانے کیسے ناپسند اور غیر مرغوب ہوتے ہیں؟"

جن کو خریدتے وقت تم ان کو علیحدہ کردیتے ہو۔ ان کو کھانا تو درکنار لینا بلکہ ہاتھ لگانا تک پسند نہیں کرتے۔ اسی مضمون کی روایات حضرت قتادہ وغیرہ سے بھی مروی ہیں جو عبد بن حمیدؒ اور ابن جریر کی تفاسیر میں منقول ہیں۔

خالد بن یزید کا نصرانی راہب سے مکالمہ

حضرت خالد بن یزید کا بیان ہے: — بَیْنَا اَنَا اَسِیْرُ فِیْ اَرْضِ الْجَزِیْرَۃِ اِذْ مَرَرْتُ بِرُھْبَانٍ وَّقِسِّیْسِیْنَ وَاَسَاقِفَۃٍ فَسَلَّمْتُ فَرَدُّوْا السَّلَامَ فَقُلْتُ اَیْنَ تُرِیْدُوْنَ فَقَالُوْا نُرِیْدُ رَاھِبًا فِیْ ھٰذَا الدَّیْرِ نَاْتِیْہِ کُلَّ عَامٍ فَیُخْبِرُنَا بِمَا یَکُوْنُ فِیْ ذٰلِکَ الْعَامِ لِمِثْلِہٖ مِنْ قَابِلٍ فَقُلْتُ لَاٰتِیَنَّ ھٰذَا الرَّاھِبَ فَلَاَنْظُرَنَّ مَا عِنْدَہٗ وَکُنْتُ مُعْنِیًا بِالْکُتُبِ فَاَتَیْتُہٗ وَھُوَ عَلٰی بَابِ دَیْرِہٖ فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مِمَّنْ اَنْتَ فَقُلْتُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ قَالَ اَمِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ مِنْ عُلَمَآئِھِمْ اَمْ اَنْتَ مِنْ جُھَّالِھِمْ قُلْتُ مَا اَنَا مِنْ عُلَمَآئِھِمْ وَلَا اَنَا مِنْ جُھَّالِھِمْ قَالَ فَاِنَّکُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّکُمْ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ فَتَاْکُلُوْنَ مِنْ طَعَامِھَا وَتَشْرَبُوْنَ مِنْ شَرَابِھَا وَلَا تَبُوْلُوْنَ وَلَا تَتَغَوَّطُوْنَ قُلْتُ نَحْنُ نَقُوْلُ ذٰلِکَ وَھُوَ کَذٰلِکَ قَالَ فَاِنَّ لَہٗ مَثَلًا فِی الدُّنْیَا فَاَخْبِرْنِیْ

مَا هُوَ قُلْتُ مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْجَنِيْنِ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَتَاهُ يَأْتِيْهِ رِزْقُ اللّٰهِ
فِيْ بَطْنِهَا وَلَا يَبُوْلُ وَلَا يَتَغَوَّطُ قَالَ فَارْبَدَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ
اَمَا اَخْبَرْتَنِيْ اَنَّكَ لَسْتَ مِنْ عُلَمَآئِهِمْ قُلْتُ مَا كَذَبْتُكَ قَالَ
فَاِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّكُمْ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَتَاْكُلُوْنَ مِنْ
طَعَامِهَا وَتَشْرَبُوْنَ مِنْ شَرَابِهَا وَلَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْهَا شَيْئًا
قُلْتُ نَحْنُ نَقُوْلُ ذٰلِكَ وَهُوَ كَذٰلِكَ قَالَ فَاِنَّ لَهٗ مَثَلًا فِي الدُّنْيَا
فَاَخْبِرْنِيْ مَا هُوَ قُلْتُ مَثَلُهٗ فِي الدُّنْيَا كَمَثَلِ الْحِكْمَةِ لَوْ تَعَلَّمَ مِنْهَا
الْخَلْقُ اَجْمَعُوْنَ لَمْ يَنْقُصْ ذٰلِكَ مِنْهَا شَيْئًا فَتَرَبَّدَ وَجْهُهٗ ثُمَّ
قَالَ اَمَا اَخْبَرْتَنِيْ اَنَّكَ لَسْتَ مِنْ عُلَمَآئِهِمْ قُلْتُ مَا كَذَبْتُكَ
مَا اَنَا مِنْ عُلَمَآئِهِمْ وَلَا مِنْ جُهَّالِهِمْ۔ (ابن عساکر) میں سرزمین جزیرہ کی سیر
کررہا تھا اتنے میں میرا گزر چند تارک الدنیا علمائے نصاریٰ اور ان کے پوچھے پاس
ہوا۔ میں نے سلام کیا انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ
لوگ کہاں جارہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ اس گرجا گھر میں ایک راہب ہے
ہم ہر سال اس کے پاس جاتے ہیں۔ وہ آئندہ سال جو واقعات درپیش ہونے والے
ہیں ہم کو ان سے باخبر کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں بھی اس کے پاس جاؤں گا۔ اور

دیکھوں گا کہ اس کا مبلغ علم کیا ہے ؟ میں ان دنوں مطالعہ کتب کا دلدادہ تھا
چنانچہ میں اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ دروازہ پر ہی کھڑا ہے۔ میں نے سلام کیا اس نے
جواب سلام دیا پھر اس نے پوچھا کہ تم کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو ؟ میں نے کہا کہ
میں اہل اسلام سے ہوں۔ اس نے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت
سے ہو ؟ میں نے کہا ہاں۔ انھیں کا امتی ہوں۔ اس نے دریافت کیا تم ان کے
علماء سے ہو یا ان کے جاہلوں سے ؟ میں نے جواب دیا نہ میں علماء سے ہوں اور
نہ جاہلوں سے۔ اس نے کہا تم لوگوں کا ادعا ہے کہ تم لوگ جنت میں جائیں گے
وہاں کے کھانے کھاتے اور وہاں کے شربت پیتے رہیں گے لیکن بول و براز
نہیں کریں گے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم اس کے قائل ہیں اور واقعہ بھی ایسا ہی
ہے۔ اس نے کہا۔ کیا دنیا میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے ؟ میں نے کہا جنین
(پیٹ میں کا بچہ) جب تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اللہ سبحانہ کا رزق اسکو
پہنچتا رہتا ہے۔ اور وہ اس کو کھاتا پیتا رہتا ہے لیکن بول و براز نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی
اس کا چہرہ غصہ کے مارے متغیر ہو گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے کہا نہیں تھا
کہ میں علماء سے نہیں ہوں ؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ پھر اس نے
دوسرا سوال کیا کہ تم لوگوں کا یہ زعم بھی ہے کہ تم جنت میں جانے کے بعد کھاتے پیتے

رہو گے اور وہاں کی کوئی چیز کم نہ ہونے پائے گی ؟ میں نے کہا ہمارا عقیدہ یہی ہے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے ؟ میں نے کہا کہ علم و حکمت اس کی مثال ہے اگر ساری دنیا اس کو حاصل کرتی رہے تو اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی۔ یہ سنکر بھی اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جھنجلا کر اس نے کہا۔ کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ میں علماء سے نہیں ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ نہ میرا شمار اپنے علماء میں ہے اور نہ جہلاء میں" مطلب یہ کہ نہ عالم متبحر ہوں اور نہ نرا جاہل۔ جو کچھ معلومات حاصل ہیں ان کا اظہار اپنے حد علم تک کر دیا ہے اور بس۔

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر

هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی ایک تفسیر یوں بھی کی گئی ہے: حضرت عکرمہ فرماتے ہیں :۔ قَوْلُهُمْ مِنْ قَبْلُ مَعْنَاهُ مِثْلُ الَّذِیْ كَانَ بِالْاَمْسِ۔ (عبد بن حمید) اہل جنت کا یہ کہنا کہ "یہ تو وہی کھانا ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا" سے ان کی مراد یہ ہوگی کہ جنت ہی میں جو غذا ہم کو کل دی گئی تھی وہی آج بھی دی جا رہی ہے" اس پر فرشتے کہیں گے كُلْ فَاِنَّ اللَّوْنَ وَاحِدٌ وَالطَّعْمَ مُخْتَلِفٌ۔ کھاؤ تو سہی۔ کھانے کا رنگ اگرچہ ایک ہی ہے مگر مزا جداگانہ ہے" حضرت مجاہد فرماتے ہیں : یَقُوْلُوْنَ مَا اَشْبَهَهٗ بِهٖ يَقُوْلُ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ مِثْلٌ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) اہل جنت وہاں کے میووں کو دیکھ

کہیں گے کہ پہلے دیے ہوئے میووں سے یہ میوے کیا ہی مشابہ ہیں۔ اس پر ارشاد باری ہوگا کہ ہر قسم کے مماثل ہے۔ یعنی جنت میں کھانے کی ہر چیز کا مثل ہوگا۔" فَسُبْحَانَ مَنْ لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا نَظِيْرَ وَلَا شَبِيْهَ۔ پاک ہے وہ ذات جس کا نہ کوئی مثل ہے اور نہ نظیر اور نہ شبیہ۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ اور ان جنتیوں کو جنت میں پاکیزہ بی بیاں ملیں گی۔"

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر

حضرت ابوسعید خدری حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:۔ قَالَ مِنَ الْحَيْضِ وَالْغَائِطِ وَالنُّخَامَةِ وَالْبُزَاقِ (حاکم ابن مردویہ بروایت صحیحہ)۔ جنت کی بی بیاں' ایام ماہواری بول و براز' آب بینی' اور آب دہن سے پاک ہونگی۔ یعنی یہ رطوبتیں اور نجاسات و گندگی ان کو لاحق نہ ہوگی۔ دنیا کی عورتوں کو یہ سب عوارض لاحق ہونے کے باوجود ان کی طرف مردوں کا میلان جس درجہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن جو ان تمام عذرات سے پاک ہوں ان کی طرف جس قدر میلان ہوگا اس کا اندازہ کر لیا جائے۔

ازواج جنت نسوانی جسمانی عوارض سے دور

حضرت ابن عباسؓ نے اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر میں فرمایا:۔ مِنَ الْقَذَرِ وَالْاَذٰی۔ (ابن جریرؒ ابن ابی حاتم، ابن المنذر) جنتی بی بیاں ہر پلیدی اور ایذا پہنچانے والی چیز سے پاک ہونگی"۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:۔ لَا یَحِضْنَ وَلَا یُحْدِثْنَ وَلَا یَتَنَخَّمْنَ۔ (ابن جریرؒ) جنتی بی بیوں کو ایام ماہواری نہ آئیں گے اور نہ ان کو حدث ہوگا اور نہ آب بینی ہوگا"۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ مِنَ الْحَیْضِ وَالْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْمُخَاطِ وَالنُّخَامَةِ وَالْبُزَاقِ وَالْمَنِیِّ وَالْوَلَدِ (وکیع، ہناد، عبد بن حمید، ابن جریرؒ) جنتی بی بیاں حیض، بول و براز، آب بینی (رقیق ہو یا گاڑھا) اور آب دہن، منی اور نفاس سے پاک ہونگی۔ یعنی یہ عوارض ان کو لاحق نہ ہوں گے جن سے طبیعت متنفر رہتی اور ایک قسم کی ناگواری ہوتی ہے۔ نیز حضرت عطاء، قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ان کی روایات وکیع، ہناد، عبدالرزاق، عبد بن حمید، اور ابن جریر کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

جنتیوں کے چہرے چاند کی طرح ہوں گے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُمْ عَلٰی صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَا یَبْصُقُوْنَ فِیْهَا

وَلَا يَمْتَخِطُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ آنِيَتُهُمْ وَأَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْأَلُوَّةِ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرَى مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ
الْحُسْنِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ
وَاحِدٍ يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔ (ابن ابی شیبہ امام احمد بخاری مسلم
ابن ماجہ بیہقی) سب سے پہلی جماعت جو داخل جنت ہوگی ان کی صورتیں چودھویں
رات کے چاند کی طرح نورانی درخشاں ہوں گی۔ نہ وہ جنت میں تھوکیں گے اور نہ
ناک صاف کریں گے اور نہ بول و براز کریں گے۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے
چاندی کی ہونگی اور ان کے عود دانوں میں اعلیٰ درجہ کا نایاب عود جلتا ہوگا۔ اور
ان میں سے ہر ایک کی دو دو بی بیاں ہونگی جن کی خوبصورتی اور نزاکت کی وجہ سے
ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے اندر سے دکھائی دیتا ہوگا۔ وہاں باہمی اختلاف
اور بغض نام کو نہ ہوگا۔ ان کے دل متحد و متفق ہوں گے۔ وہ صبح و شام اللہ سبحانہٗ
کی تسبیح میں لگے رہیں گے۔"

جنتی لوگ چاند تاروں کی طرح نورانی

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اَوَّلُ زُمْرَةٍ

تَدْخُلُ الْجَنَّةَ وُجُوهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالزُّمْرَةُ الثَّانِيَةُ اَحْسَنُ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهِنَّ مِنْ وَرَآءِ الْحُلَلِ۔ (امام احمد ترمذی) سب سے پہلا زمرہ جو داخل جنت ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے اور دوسرا زمرہ بہترین چمکدار ستارے کی طرح جو آسمان میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو دو بی بیاں ہوں گی۔ ہر زوجہ نئے جوڑے پہنے ہو گی۔ جن کے اندر سے پنڈلیوں کا مغز دکھائی دیتا ہو گا۔"

ادنیٰ جنتی کا حال حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً الَّذِيْ لَهٗ ثَمَانُوْنَ اَلْفَ خَادِمٍ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَةً وَيُنْصَبُ لَهٗ قُبَّةٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَيَاقُوْتٍ وَزَبَرْجَدٍ كَمَا بَيْنَ الْجَابِيَةِ وَصَنْعَاءَ (امام احمد ترمذی) یقین جانو کہ سب سے ادنیٰ درجہ کا جنتی وہ ہوگا جسکے اسی ہزار خادم اور بہتر بی بیاں ہوں گی۔ اور اس کے لئے موتیوں اور لعل سرخ اور زبرجد کا خیمہ تیار کیا جائے گا اتنا وسیع جتنی کہ جابیہ اور صنعاء (پایہ تخت یمن) کے درمیان وسعت و مسافت ہے۔"

جنت میں کوئی ان بیاہا نہ ہوگا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ اِنَّهُمْ تَذَاكَرُوا الرِّجَالُ اَكْثَرُ فِي الْجَنَّةِ اَمِ النِّسَاءُ فَقَالَ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِي الْجَنَّةِ اَحَدٌ اِلَّا لَهٗ زَوْجَتَانِ اِنَّهٗ لَيُرٰى مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَرَآءِ سَبْعِيْنَ حُلَّةً مَا فِيْهَا عَزَبٌ۔ (امام احمد، بخاری، مسلم، بیہقی) صحابۂ کرام نے باہم تبادلۂ خیال کیا کہ جنت میں مرد زیادہ ہوں گے یا عورتیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ارشاد نہیں فرمایا کہ جنت میں کوئی مرد ایسا نہ ہوگا کہ کم از کم اس کی دو بیبیاں نہ ہوں۔ جن کی پنڈلیوں کے اندر کا مغز ستر جوڑوں (ملبوسات) میں سے دکھائی دیتا ہوگا۔ اور جنت میں کوئی بھی ان بیاہا نہ ہوگا" مطلب یہ کہ سب کی شادیاں ہوں گی۔ اگرچہ وہ دنیا سے ان بیاہا رخصت ہوا ہو۔

ایک ایک جنتی کو سو سو کی قوت

حضرت انسؓ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا:۔ يُزَوَّجُ الْعَبْدُ فِي الْجَنَّةِ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُطِيْقُهَا قَالَ يُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةٍ۔ (ترمذی بروایت صحیح، بزار) جنت میں ایک ایک بندے کے ساتھ ستر ستر بیبیوں کو بیاہا جائے گا۔ اس پر عرض کیا گیا

یارسول اللہ! کیا ہم ان سے سر بر ہو سکیں گے؟ ارشاد ہوا ایک ایک کو سو سو کی قوت دی جائے گی۔" حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی فرماتے ہیں:۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُزَوَّجُ الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً سَبْعِيْنَ مِنْ نِسَآءِ الْاٰخِرَةِ وَثِنْتَيْنِ مِنْ نِسَآءِ الدُّنْيَا (ابن السکن، ابن عساکر) میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک ایک مومن کے ساتھ بہتر بہتر ۷۲ زوجات کا نکاح کرایا جائے گا۔ ان میں ستر زوجات آخرت کی عورتوں سے اور دو دنیا کی عورتوں سے ہوں گی۔"

ازواج جنت کی باہمی محبت

حضرت ابو امامہ باہلی رضی فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ مَا مِنْ اَحَدٍ يُّدْخِلُهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اِلَّا زَوَّجَهُ ثِنْتَيْنِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِنْ مِيْرَاثِ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ مَا مِنْهُنَّ وَاحِدَةٌ اِلَّا وَلَهَا قُبُلٌ شَهِيٌّ وَلَهُ ذَكَرٌ لَا يَنْثَنِيْ۔ (ابن ماجہ، ابن عدی، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ جن کو جنت میں داخل فرمائے گا ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کی دو بیبیاں بڑی آنکھوں والی حوروں سے اور ستر اہل جنت کی میراث سے بطور وراثت نہ ملی ہوں

پھر ان میں سے ہر ایک اپنا تن من دوسرے پر فدا کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہیگا۔"

اہل جنت کی وراثت

میراث اور وراثت اہل جنت سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جملہ بنی آدم کی تعداد کے لحاظ سے جنتیں تیار فرمائی ہیں تاکہ تمام اولاد آدم ایمان اور عمل صالح کی دولت سے مالامال ہو کر اپنی اپنی جنت اور نعیم جنت سے متمتع ہو سکیں۔ مگر ان میں سے جو لوگ شیطان کا اتباع کرکے دوزخ میں جا پڑیں گے ان کا حصہ بقیہ اہل جنت کو اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے مومنین صالحین کو علاوہ ان کے مختصہ حصہ کے بھی دے دیا جائے گا۔ اس اعتبار سے جسقدر ازواج ان بدنصیب افراد کے لئے مہیا کی گئی تھیں وہ بھی مومنین صالحین کو علاوہ ان کی ازدواج کے مل جائینگی۔ دنیا کی عورتوں سے دو تو آخرت کی عورتوں سے ستر بیبیاں ایک ایک جنتی کو ملیں گی جن میں بعض حور عین سے ہوں گی۔ دیگر احادیث شریفہ میں اس کی صراحت آئی ہے۔

ادنیٰ جنتی کی شان

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اِنَّ اَدْنیٰ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً مَنْ لَہٗ سَبْعُ دَرَجَاتٍ وَھُوَ عَلَی السَّادِسَۃِ وَفَوْقَہٗ السَّابِعَۃُ وَاِنَّ لَہٗ لَثَلَاثُ مِائَۃِ خَادِمٍ وَیُغْدٰی عَلَیْہِ کُلَّ یَوْمٍ وَیُرَاحُ بِثَلَاثِمِائَۃِ صَحْفَۃٍ

مِنْ ذَهَبٍ فِيْ كُلِّ صَحْفَةٍ لَوْنٌ لَيْسَ فِي الْأُخْرٰى وَإِنَّهُ لَيَلَذُّ أَوَّلَهُ كَمَا يَلَذُّ آخِرَهُ وَإِنَّهُ لَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَوْ أَذِنْتَ لِيْ لَأَطْعَمْتُ أَهْلَ الْجَنَّةِ وَسَقَيْتُهُمْ لَمْ يَنْقُصْ مِمَّا عِنْدِيْ شَيْءٌ وَإِنَّ لَهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ لَاثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً وَإِنَّ الْوَاحِدَةَ مِنْهُنَّ لَتَأْخُذُ مَقْعَدَهَا قَدْرَ مِيْلٍ مِنَ الْأَرْضِ۔ (امام احمد) یقین جانو کہ ادنیٰ جنتی کا قصر ہفت منزلہ ہوگا اور وہ چھٹے درجہ میں سکونت پذیر ہوگا جس کے اوپر ایک اور درجہ ساتواں رہیگا۔ اور اس کے تین سو خادم ہوں گے اور ہر دن صبح وشام تین سو طلائی طبق پیش ہوتے رہیں گے۔ ہر طبق میں ایک جدا قسم کی نعمتیں ہونگی اور وہ پہلے طبق سے جیسا لذت اندوز ہوگا۔ آخری طبق سے بھی اسی طرح لذت اندوز ہوگا۔ اور وہ ان لذتوں سے متمتع ہوکر عرض کرے گا۔ پروردگار من! اگر مجھے اجازت مرحمت ہو تو جملہ اہل جنت کو اس میں سے کھلاتا پلاتا رہوں گا۔ پھر بھی مجھے جو کچھ نصیب ہورہا ہے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور حور عین سے بہتر بیبیاں اسکے نکاح میں دیجائینگی اور ان میں سے ایک ایک کے بیٹھنے کے لئے اتنی جگہ دیجائیگی جو زمین کے ایک میل کے برابر ہوگی۔"

حوروں کا گانا	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی فرماتے ہیں کہ حضور سرور رسول برحق صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یُزَوَّجُ کُلُّ رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ بِاَرْبَعَۃِ آلَافِ بِکْرٍ وَ ثَمَانِیَۃِ آلَافِ اَیِّمٍ وَمِائَۃِ حَوْرَاءَ فَیَجْتَمِعْنَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ فَیَقُلْنَ بِاَصْوَاتٍ حِسَانٍ لَمْ یَسْمَعِ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِھِنَّ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِیْدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ وَنَحْنُ الرَّاضِیَاتُ فَلَا نَسْخَطُ وَ نَحْنُ الْمُقِیْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ طُوْبٰی لِمَنْ کَانَ لَنَا وَکُنَّا لَہٗ۔ (بیہقی) اہل جنت میں سے ایک ایک شخص کا ازدواج چار سو باکرہ اور آٹھ سو بیوگاں اور ایک سو حوروں سے عمل میں آئے گا۔ یہ سب ہر ہفتہ میں ایک دن جمع ہو کر ایسی خوش آوازی کے ساتھ یہ نغمہ گایا کریں گی کہ ایسی خوش آوازی کو خلائق نے کبھی سنا نہ ہو گا۔ وہ نغمہ یہ ہو گا۔ ہم ہمیشہ ہمیشہ ساتھ دینے والیاں ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہونگی ہم ایسی نرم و نازک اندام ہیں جو کبھی ناگواری کو پاس آنے نہ دیں گی اور ہم ہر حال میں خوشنود و رضامند رہنے والیاں ہیں جو کبھی غصہ نہ لائیں گی۔ اور ہم (اپنے شوہر کے پاس قیام کرنے والیاں ہیں جو کبھی (اسکو چھوڑ کر) کہیں سفر اختیار نہیں کرینگی مبارک ہے وہ جس کے لئے ہم پیدا کی گئی ہیں اور وہ بھی جو ہمارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔"

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے	دنیا کی بے حقیقتی

فرمایا:۔ غَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا
وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَلَوْ اَنَّ
امْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ
مَا بَیْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَیْنَهُمَا رِیْحًا وَّ لَنَصِیْفُهَا عَلٰی رَاْسِهَا یَعْنِی
الْخِمَارَ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا۔ (امام احمد بخاری) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی
راہ میں صبح دم یا شام کو چل نکلنا دنیا و ما فیہا سے کہیں بہتر ہے۔ اور جنت میں
کسی کو ایک کمان کی مقدار جگہ ملنا بھی دنیا و ما فیہا سے کہیں بہتر ہے۔ اور اگر
جنتی عورتوں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کی
درمیانی فضا روشن اور معطر ہو جائے اور اس کی آدھی اوڑھنی بھی دنیا و ما فیہا
سے کہیں بہتر ہو گی۔" امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوْ اطَّلَعَتْ
امْرَاَةٌ مِّنْ نِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَی الْاَرْضِ لَمَلَاَتِ الْاَرْضَ
رِیْحَ مِسْكٍ۔ (امام احمد) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے
سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت اگر زمین کی طرف
جھانک لے تو ساری زمین مشک کی خوشبو سے معطر ہو جائے۔"

جنتی عورتوں کی نورانیت

کعب احبار کا بیان ہے: لَوْاَنَّ امْرَأَۃً مِّنْ نِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ بَدَا مِعْصَمُهَا لَذَهَبَ بِضَوْءِ الشَّمْسِ (ابن ابی شیبہ، ہناد بن سری) اگر کسی جنتی عورت کی کلائی بھی ظاہر ہو جائے تو آفتاب کی ساری روشنی ماند پڑ جائے۔" حضرت ضحاک فرماتے ہیں:۔ لَوْاَنَّ امْرَأَۃً مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَطْلَعَتْ كَفَّهَا لَاَضَآءَ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (ابن ابی شیبہ) اگر کسی جنتی عورت کی ہتھیلی بھی دکھائی دے تو آسمان و زمین کی درمیانی فضا روشن اور منور ہو جائے۔" ان روایات سے جنتی عورتوں کے حسن و جمال اور صفائی و پاکیزگی اور نورانیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک یہودی کا سوال

حافظ حدیث ابن ابی حاتم ناقل ہیں:۔ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَآ اَبَا الْقَاسِمِ تَزْعُمُ اَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ لَيُؤْتٰى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ فِي الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالشَّهْوَةِ قَالَ فَاِنَّ الَّذِيْ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ يَكُوْنُ لَهُ الْحَاجَةُ وَالْجَنَّةُ طَاهِرَةٌ لَيْسَ فِيْهَا قَذَرٌ وَّلَا اَذًى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتُهُمْ عَرَقٌ يَفِيْضُ

مِثْلَ رِیْحِ مِسْکٍ فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ ضَمُرَ لَہٗ بَطْنُہٗ (ابن ابی شیبہ امام احمد ہناد بن سری نسائی عبد بن حمید ابن المنذر ابن ابی حاتم) اہل کتاب میں سے ایک یہودی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ ابو القاسم! آپ کا دعوی ہے کہ اہل جنت کھاتے پیتے رہیں گے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یقیناً ان میں سے ایک ایک شخص کو تم جیسے سو آدمیوں کی قوت کھانے پینے جماع اور اس کی خواہش کی دیجائے گی۔ اس نے عرض کیا پھر تو جو شخص کھاتا پیتا ہے اس کو حاجت (بول و براز) داعی ہوگی۔ اور جنت تو پاک مقام ہے جہاں کسی قسم کی پلیدی اور اذیت نہ ہوگی۔ اس پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کی حاجت پسینہ ہوگا جس سے مشک کی خوشبو ہوگی۔ جب اس کو پسینہ آجائے گا تو اس کا پیٹ لگ جائیگا۔"

جنتیوں کا نکاح حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں:۔ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ تَتَنَاکَحُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ فَقَالَ دِحَاماً دِحَاماً لَا مَنِیَّ وَلَا مَنِیَّۃَ۔ (ابو یعلیٰ طبرانی ابن عدی بیہقی) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا جنتی لوگ نکاح بھی کرتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا مسلسل بے کھٹکے (نکاح کرتے جائیں گے) وہاں

آب حیات نہ مرد کو ہوگا اور نہ عورت کو۔ اسی مضمون کی اور ایک حدیث شریف حضرت ابو امامہ باہلی رضؓ ہی سے ابن ابی حاتم اور طبرانی نے روایت کی ہے " حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں :۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَصِلُ اِلٰى نِسَآئِنَا فِى الْجَنَّةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَصِلُ فِى الْيَوْمِ اِلٰى مِائَةِ عَذْرَاءَ ۔ (بزار، طبرانی، خطیب بغدادی) عرض کیا گیا کہ اے خدا کے پیارے رسول ! کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں سے مل بھی سکیں گے ؟ اس پر ارشاد مبارک ہوا کہ ایک ایک شخص ہر روز سو سو کنواری باکرہ عورتوں سے ملتا رہے گا" حضرت ابن عباس رضؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس کو ابو یعلی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

جنتیوں کی مردمی

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں :۔ فِى الْجَنَّةِ جِمَاعٌ مَا شِئْتُمْ وَلَا وَلَدَ قَالَ فَيَلْتَفِتُ فَيَنْظُرُ النَّظْرَةَ فَتَنْشَأُ لَهُ الشَّهْوَةُ ثُمَّ يَنْظُرُ فَتَنْشَأُ لَهُ شَهْوَةٌ اُخْرٰى ۔ (وکیع، عبدالرزاق، ہناد، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید) جنت میں جماع ہوگا جب تک تم چاہو۔ اور اولاد نہ ہوگی۔ یہ بھی فرمایا کہ جنتی کسی طرف نظر التفات کرے گا تو اس کے نفس میں فوراً شہوت پیدا ہوگی۔ پھر اس سے فارغ ہو کر دوسری طرف) دیکھیگا تو پھر دوسری شہوت پیدا ہو جائے گی "

جنتی عورتیں ہمیشہ باکرہ رہیں گی

حضرت ابوہریرہ رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

روایت فرماتے ہیں:— اِنَّہٗ سُئِلَ اَنَطَأُ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ نَعَمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ دَحْمًا دَحْمًا فَاِذَا قَامَ عَنْھَا رَجَعَتْ مُطَھَّرَۃً بِکْرًا (ضیاء مقدسی) آپ سے سوال کیا گیا ہم جنت میں عورتوں سے لطف اندوز ہوتے رہینگے؟ ارشاد مبارک ہوا ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے کھٹکے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ پھر جب وہ اس عورت سے فارغ ہوگا تو وہ پہلے کی طرح پاک صاف باکرہ ہو جائے گی۔" حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— اَھْلُ الْجَنَّۃِ اِذَا جَامَعُوْا نِسَآءَھُمْ عَادُوْا اَبْکَارًا (بزار، طبرانی، ابوالشیخ) جنتی لوگ جب اپنی اپنی عورتوں سے لطف اندوز ہونگے تو عورتیں حسب سابق فوراً باکرہ ہو جائینگی۔" حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:— اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَرَادَ زَوْجَتَہٗ وَجَدَھَا بِکْرًا (عبداللہ بن احمد، ابن المنذر) مومن جب اپنی بی بی کے پاس آنے کا ارادہ کرلے گا تو اُس کو دوشیزہ پائے گا۔"

موذی عورت سے حورِ عین کا خطاب

حضرت معاذ بن جبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:— لَا تُؤْذِیْ امْرَأَۃٌ زَوْجَھَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ لَا تُؤْذِیْہِ قَاتَلَکِ اللّٰہُ فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَکِ دَخِیْلٌ یُوْشِکُ اَنْ یُّفَارِقَکِ اِلَیْنَا (امام احمد ترمذی بروایت حسن)

ابن ماجہ، ابن ابی داود) دنیا میں کوئی عورت اپنے شوہر کو جب کبھی کچھ دکھ دیتی ہے تو حور عین میں سے اسکی جو زوجہ ہے کہتی ہے کہ خدا تجھے ہلاک کرے وہ تو صرف تیرے پاس چند روزہ مہمان ہے وہ دن دور نہیں کہ وہ تجھ سے جدا ہوکر ہم سے آملے گا"

خالدون کی تفسیر

وَهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ۔ اور وہ اہل جنت اس میں ہمیشہ رہیں گے" یعنی اہل جنت جب داخل جنت ہونگے تو وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔ اُن کو کبھی موت نہ آئیگی اور نہ اُن کو جنت سے نکلنے کیلئے کہیگا۔ نیز اسمیں جو نعمتیں مہیا کی گئی ہیں وہ کبھی ختم نہ ہونگی۔ وہاں کے انہار و اشجار اور اُن سے جو میوے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ہمیشہ قائم و برقرار رہینگے۔ غرض جنت ایسا پائیدار مقام ہے کہ اسمیں کسی قسم کا تغیر و زوال نہ ہوگا۔ اہل جنت اس میں ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہینگے۔

آخرت کا عذاب و ثواب کبھی منقطع نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ وَهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ اَىْ خَالِدُوْنَ اَبَدًا يُخْبِرُهُمْ اَنَّ الثَّوَابَ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ مُقِيْمٌ عَلٰى اَهْلِهِ لَا انْقِطَاعَ لَهٗ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم)

ارشاد باری تعالیٰ وَھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ (جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے بارے میں ہوا ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساکنین اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے ان کو جو دیجا رہی ہے کہ بدلہ اور جزا خیر کی ہو یا شر کی جو ان کو دیجا رہی ہے وہ ان کے ساکنین پر ہمیشہ قائم و برقرار رہیگی اس کے منقطع ہونے کی کبھی نوبت ہی نہ آئیگی " امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد مبارک فرمایا یَدْخُلُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْمُ مُؤَذِّنٌ بَیْنَھُمْ یَا اَھْلَ النَّارِ لَامَوْتَ وَیَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ لَامَوْتَ کُلٌّ خَالِدٌ فِیْمَا ھُوَ فِیْہِ۔ (عبد بن حمید بخاری مسلم ابن مردویہ) اہل جنت جنت میں چلے جائینگے اور دوزخ والے دوزخ میں جا گرینگے۔ پھر ان میں ایک منادی کھڑا ہو کر اعلان عام کرے گا کہ اے دوزخ والو! تمہارے لیئے کبھی موت نہیں۔ اور اے اہل جنت! تمہارے لیئے بھی کبھی موت نہیں۔ ہر فریق جو جس جگہ جس حال میں ہے وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیگا " حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یُقَالُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ خُلُوْدٌ وَلَامَوْتَ وَیُقَالُ لِاَھْلِ النَّارِ خُلُوْدٌ وَلَامَوْتَ (بخاری) جنتیوں سے کہا جائے گا کہ

یہاں ہمیشہ رہنا ہے یہاں موت کا نام نہیں۔ اور دوزخیوں سے بھی کہا جائیگا کہ ہمیشہ رہنا ہے یہاں بھی موت کا نام نہیں"

موت کو ذبح کردیا جائیگا

حضرت ابو ہریرہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور رسول انور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یُؤتیٰ بِالْمَوْتِ فِیْ ھَیْئَةِ کَبْشٍ اَمْلَحَ فَیُوْقَفُ عَلَی الصِّرَاطِ فَیُقَالُ یَا اَھْلَ الْجَنَّةِ فَیَطَّلِعُوْنَ خَائِفِیْنَ وَجِلِیْنَ مَخَافَةَ اَنْ یُّخْرَجُوْا مِمَّا ھُمْ فِیْهِ فَیُقَالُ تَعْرِفُوْنَ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ ھٰذَا الْمَوْتُ فَیُقَالُ یَا اَھْلَ النَّارِ فَیَطَّلِعُوْنَ مُسْتَبْشِرِیْنَ فَرِحِیْنَ اَنْ یُّخْرَجُوْا مِمَّا ھُمْ فِیْهِ فَیُقَالُ اَتَعْرِفُوْنَ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ ھٰذَا الْمَوْتُ فَیُؤْمَرُ بِهٖ فَیُذْبَحُ عَلَی الصِّرَاطِ فَیُقَالُ لِلْفَرِیْقَیْنِ خُلُوْدٌ فِیْمَا تَجِدُوْنَ لَا مَوْتَ فِیْھَا اَبَدًا۔ (عبد بن حمید، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) موت کو چکنے فربہ دنبے کی شکل میں لا کر پل صراط پر کھڑا کیا جائیگا۔ پھر کہا جائیگا اے جنت والو! (یہ سنتے ہی وہ) سر اُٹھا کر دیکھنا شروع کرینگے خائف و ترساں ہو کر اس اندیشہ سے کہ وہ جس لطف میں ہیں کیا اس سے نکالے تو نہ جائینگے۔ پھر اُن سے کہا جائے گا۔ کیا اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے، ہاں یہ موت ہے۔ پھر اہل دوزخ سے خطاب ہوگا۔ اے دوزخیو! وہ بھی سر اُٹھا کر دیکھنا شروع کرینگے خوش و خرم ہو کر کہ وہ جس عذاب

میں گرفتار ہیں شاید اس سے نکالے جائینگے۔ پھر اس دنبے کی طرف اشارہ کرکے کہا جائے گا کیا تم اسکو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے۔ پھر حکم الٰہی سے اسکو پل صراط پر ذبح کر دیا جائیگا۔ پھر ہر دو فریق کے آگے اعلان کیا جائے گا کہ تم لوگ جس حالت میں خود کو پاتے ہو اسی حال میں ہمیشہ رہو گے یہاں پھر کبھی موت نہ آئیگی۔"

دار آخرت کا قیام دائمی ہے

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں:۔ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمْ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ أَنَّ الْمَرَدَّ إِلَى اللّٰهِ إِلَى جَنَّةٍ أَوْ نَارٍ خُلُودٌ بِلَا مَوْتٍ وَإِقَامَةٌ بِلَا ظَعْنٍ فِي أَجْسَادٍ لَا تَمُوتُ (طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ)

حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم مقرر کرکے روانہ فرمایا یہ جب ان کے ہاں پہنچے تو انھوں نے یہ خطبہ دیا۔ لوگو! میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ ہوں۔ سب کو اللہ سبحانہ کی طرف لوٹ جانا ہے یا تو جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں موت نہیں ہے۔ اور وہاں مقیم رہنا ہے سفر کوچ نہیں ہے۔ ایسے اجسام ہیں جو کبھی نہیں مرینگے۔"

آخرت کی ایک تمثیل حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- لَوْ قِيْلَ لِاَهْلِ النَّارِ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ فِى النَّارِ عَدَدَ كُلِّ حَصَاةٍ فِى الدُّنْيَا لَفَرِحُوْا بِهَا وَلَوْ قِيْلَ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ عَدَدَ كُلِّ حَصَاةٍ لَحَزِنُوْا وَلٰكِنْ جُعِلَ لَهُمُ الْاَبَدُ۔ (طبرانی ابن مردویہ، ابونعیم) اگر دوزخیوں سے کہا جائے کہ تم کو دنیا کی ہر کنکری کے بدلے ایک ایک سال دوزخ میں پڑے رہنا پڑے گا تو وہ اس سے خوش ہو جائیں گے اور اگر جنتیوں سے کہا جائے کہ تم کو جنت میں دنیا کی ایک ایک کنکری کے برابر ایک ایک سال یہاں ٹھہرنا ہوگا تو وہ اس پر غمگین ہو جائیں گے لیکن فریقین کو اپنی اپنی جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا 2-26
فَوْقَهَا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ
وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ
يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ
الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ 2-27
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ

أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

بے شک اللہ کو عار نہیں کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر
ہو یا اس سے بڑھکر بس وہ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ حق ہے انکے رب
کے پاس سے آیا ہے۔ رہے کافر وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثال سے اللہ کا کیا مقصود ہے؟
اللہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور وہ گمراہ اُن
ہی کو کرتا ہے جو بے حکم ہیں جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کے پکا ہونیکے
بعد، اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جسکو جوڑنے کا حکم دیا، اور فساد پھیلاتے ہیں
زمین میں، وہی گھاٹے میں ہیں۔

کلام پاک سے کفار کا استہزا

کفار و منکرین کو اس کا بھی انکار تھا کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ سابق میں اس کا جواب
دیا گیا کہ اگر تم کو قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے میں کسی قسم کا تردد یا شک
ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت چھوٹی بڑی بنا لاؤ۔ جب یہ ان سے نہ ہو سکا
اور تا قیامت نہیں ہو سکتا تو کفار یوں کہنے لگے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات
نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ لہٰذا اسکے کلام میں بھی ارفع و اعلیٰ چیزوں کا
کا بیان ہونا چاہیئے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن جسکو کلام اللہ کہا جاتا ہے

اس میں ادنی اور خسیس چیزوں کا بیان بھی موجود ہے یہاں تک کہ مکھی اور مکڑی کا ذکر تک فرمایا گیا ہے۔ جس کلام میں مکھی اور مکڑی وغیرہ ادنی اور خسیس چیزوں کا ذکر ہو وہ کلام الٰہی کیوں ہونے چلا؟ چنانچہ مکھی کے باب میں آیا ہے:۔۔۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسکو کان دھر کر سنو۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کو پکار رہے ہو وہ کبھی ایک مکھی بھی نہ بنا سکیں اگرچہ سب مل کر سر جوڑ کر بنانا چاہیں۔ اور اگر مکھی انکی کوئی چیز چھین کر لیجائے تو سب مل کر اس سے چھڑا نہ سکیں طالب بھی ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف۔ اور مکڑی کا بیان اس طرح آیا ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے گھر بنا رکھا ہے۔ حالانکہ تمام گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔ کاش یہ لوگ اس حقیقت

کو جانتے ہیں۔

شانِ نزول چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ اِنَّ اللّٰہَ ذَکَرَ آلِھَۃَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَالَ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ وَذَکَرَ کَیْدَ الْاٰلِھَۃِ فَجَعَلَہٗ کَبَیْتِ الْعَنْکَبُوْتِ فَقَالُوْا اَرَاَیْتَ حَیْثُ ذَکَرَ اللّٰہُ الذُّبَابَ وَالْعَنْکَبُوْتَ فِیْمَا اَنْزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَیَّ شَیْءٍ کَانَ یَصْنَعُ بِھٰذَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا الْاٰیَۃ (عبد الغنی ثقفی واحدی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودان باطل کے ذکر کے سلسلہ میں یہ فرمایا کہ اگر مکھی بھی انکی کوئی چیز چھین کر لیجائے تو یہ اس سے چھڑا نہ سکیں گے۔ اور اُن کے معبودان باطل کی چال بازیوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ وہ مکڑی کے گھر کی طرح ہیں جو تمام گھروں سے کمزور تر گھر ہے۔ مشرکین نے کہا آپ کا کیا خیال ہے جہاں اللہ پاک نے مکھی اور مکڑی جیسی حقیر و خسیس چیزوں کا ذکر محمد پر نازل کیئے ہوئے قرآن کے اندر فرمایا ہے ان چیزوں سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ اسکے جواب میں حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں کہ اللہ سبحانہ کو اس سے عار نہیں کہ مچھر کی مثال بیان فرمائے یا اس سے بڑی کسی چیز کی۔" اسی مضمون کی روایت حضرت قتادہ، حسن بصری، سے بھی مروی ہیں، جنکو عبد الرزاق

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے اپنی کتب احادیث شریفہ
میں تحریر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ کا بیان
مقصود نہیں بلکہ انکا ذکر بطور تمثیل آیا ہے۔ اگر بیان عظیم الجثہ چیزوں کا
ہو رہا ہے تو مثال بھی بڑی چیزوں کی دی جائیگی اور اگر کسی حقیر و خسیس چیزوں
کا ہو رہا ہے تو مثال بھی حقیر و خسیس کی دیجائیگی۔ دیکھنا یہ ہے کہ مثال اور ممثل لہ
میں مناسبت ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: لَمْ يُرِدِ الْبَعُوضَةَ
اِنَّمَآ اَرَادَ الْمَثَلَ۔ یہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مچھر کے بیان کا ارادہ نہیں فرمایا
صرف مثال بیان کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔"

ان اللہ لا یستحیی کی تفسیر

کفار و مشرکین بت پرستی میں لگے ہوئے تھے تو ان کی
فہمایش کے لیے اللہ سبحانہ نے بتوں کی بے بسی کا حال
اس طرح بیان فرمایا کہ تم جن چیزوں کو خدا جان کر ان کی پرستش کر رہے ہو ان کا
یہ حال ہے کہ وہ تمام اکٹھے ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے۔ اور اگر مکھی انکی کوئی
چیز اڑا لے جائے تو اپنی چیز اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ پھر مکھی جو کچھ لے جاتی ہے
وہ اتنی حقیر و ذلیل ہے کہ کسی کو نہ تو نظر آتی ہے اور نہ کسی کے ہاتھ لگ سکتی ہے
ایسی حقیر و ذلیل شے پر بتوں کو قابو نہیں تو ان کی ذلت و حقارت کا اندازہ اسی

جا سکتا ہے۔ ایسے ذلیل و حقیر بت خدا کے برابر کس طرح قرار پا سکتے ہیں اور کیونکر ان کی عبادت کی جا سکتی ہے؟ محل غور و تامل ہے۔ اسی طرح کفار کا خیال تھا کہ یہ بت اللہ سبحانہ کے پاس ان کی پرستش کرنے والوں کی سفارش کریں گے اور ان کو اللہ کا مقرب بنائیں گے۔ ان کا یہ خیال تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ ایسا کمزور عقیدہ وقت پر ان کے کیا کام آئے گا؟ دنیا ہی میں وہ کسی کے نفع و ضرر کے مالک نہ تھے تو آخرت میں وہ کیا نفع دے سکیں گے اور وہاں کی کونسی مصیبت کو ٹال سکیں گے۔ کفار کو اس کا جواب تو بن نہ پڑا۔ اُلٹا اعتراض کرنے لگے کہ مکھی اور مکڑی جیسی حقیر و ذلیل چیزوں کا نام کس طرح لیا گیا۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مکھی اور مکڑی تو بڑی چیزیں ہیں۔ موقع اور محل کے اعتبار سے مچھر کا نام لینے میں بھی کوئی عار نہیں جو مکھی اور مکڑی سے بھی بہت چھوٹا اور حقیر و ذلیل تر ہے۔ مچھر ہو یا اس سے بڑی کوئی چیز مثلاً مکھی اور مکڑی ان کا نام تمثیلاً لیا گیا ہے۔ خاص ان کا بیان مقصود نہیں۔ ان تمام باتوں کو سمجھنے کے لیئے علم و عقل کی ضرورت ہے۔ اور کفار کا یہ حال ہے کہ نہ تو وہ عقل رکھتے ہیں اور نہ علم و ہنر سے کوئی سروکار ہے وہ نرے بے وقوف اور جاہل محض ہیں۔

اہل ایمان کی شان چنانچہ آگے ارشاد ہو رہا ہے:۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ بہرحال وہ لوگ جو یقین لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم' اللہ کا سچا کلام۔ ہے جو اُنکے پروردگار کے پاس سے آیا ہے ۔ یعنی جیسا جیسا قرآن کریم کا ایک ایک سورہ' یا رکوع' یا آیت یا حکم' نازل ہوتا جاتا ہے ۔ اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی ہوتی جاتی اور اُن کے سابقہ یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے ان کا دل شگفتہ اور نور معرفت سے منور ہوتا جاتا ہے اور علم و عرفان کا ایک نیا باب ان پر کھلتا رہتا ہے ۔ ان کی مسرت و شادمانی بڑھتی جاتی ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ لَا تَغْتَرُّوْا بِاللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَوْ کَانَ مُغْفِلًا شَیْئًا لَاَغْفَلَ الْبَعُوْضَةَ وَالذَّرَّةَ وَالْخَرْدَلَةَ (ابن ابی حاتم' ابوالشیخ' دیلمی) لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف سے دھوکہ میں نہ آنا ۔ (ہر چیز چھوٹی بڑی اسکے مشاہدے میں ہے) فرض کرو کہ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی چھوٹی سی چھوٹی چیز سے) غفلت برتتا تو مچھر اور ذرہ اور رائی کے دانے سے غفلت برتی ہوتی ۔'' مگر حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں مچھر کا بھی بیان فرمایا اور ذرہ کا ذکر بھی فرمایا

اور رائی کے دانے تک کو نہیں چھوڑا۔ مچھر کے بارے میں تو یہی آیۂ کریمہ سامنے ہے۔ اور ذرہ کا بیان سورہ زلزال میں گزرا۔ وَفَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی نامۂ اعمال میں اسکو لکھا ہوا دیکھ لیگا۔ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی اس کو بھی وہ اپنے اعمال نامے میں لکھا دیکھ لیگا۔" اور خردلہ (یعنی رائی کے دانے کا ذکر) سورۂ لقمان میں موجود ہے:۔ يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ۔ اے جانِ پدر! اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر بھی کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں ہو تو اللہ سبحانہ اس کو بھی نکال لائیگا۔" یعنی وہ چھپ نہ سکیگا اللہ پاک جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی باخبر ہے تو بڑی چیزوں کا ذکر ہی کیا؟ بہر حال اہل ایمان کی یہ شان ہے۔

ماذا اراد اللّٰہ کی تفسیر

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا ۔ اور رہے کافر، وہ تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ فرمایا؟" کافروں کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں اور نہ وہ قرآن کریم کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کلام باور کرتے ہیں۔ جب وہ کوئی آیت کریمہ سنتے ہیں تو یہی کہا کرتے ہیں کہ اللہ کا مقصد اس تمثیل سے کیا ہے؟ مومن اور کافر کا فرق یہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی تمثیل دونوں کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ مومن تو اس پر سر دھننے اور وجد کرنے لگا کہ کیسی مناسب اور موزوں مثال ہے جو ممثل لہٗ پر پوری پوری منطبق ہو رہی ہے اس سے بہتر تو کیا اس کے مماثل بھی کوئی اور واضح تمثیل نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف ہے کہ وہ مثال کی خوبی اپنے جہل اور بے عقلی کے باعث دریافت نہ کر سکا۔ البتہ اپنے کفر و عناد کی وجہ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اس تمثیل کا مقصد کیا ہے؟ جبھی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مومن کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّھِمۡ ۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے پروردگار نے جو تمثیل دی ہے وہ حقیقت واقعہ اور نفس الامری بات ہے اور کافر کے باب میں ارشاد ہو رہا ہے فَیَقُوۡلُوۡنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا وہ کہتے ہیں اس مثال سے اللہ کا مقصد کیا ہے۔ یَعۡلَمُوۡنَ اور یَقُوۡلُوۡنَ میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے ارشادِ الٰہی ہو رہا ہے:

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا کی تفسیر

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا اس ایک قرآنی تمثیل ہی کے ذریعہ اللہ سبحانہ بہتوں کو گمراہ اور بہتیرے لوگوں کی ہدایت کا سامان فرماتا جاتا ہے۔ اس سے گمراہوں کی گمراہی میں اور ہدایت یافتہ اصحاب کی ہدایت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست / در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

حضرت مجاہدؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ یُؤْمِنُ بِہٖ الْمُؤْمِنُوْنَ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ وَیَھْدِیْھِمُ اللّٰہُ بِہٖ وَیَعْرِفُہُ الْفَاسِقُوْنَ فَیَکْفُرُوْنَ بِہٖ (عبد بن حمید، ابن جریر) اہل ایمان تو اس پر ایمان لاتے اور جانتے ہیں کہ یہی حق ہے جو ان کے پروردگار کے پاس سے آیا ہے۔ اللہ ان کو راہِ راست کی ہدایت فرماتا ہے اور کافر بھی اسکو پہچانتے ہوئے اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

قرآن کریم مومنین کے لئے ہدایت اور کفار کے لئے ضلالت ہے

یاد رہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ جو راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں وہ اہل ایمان نہیں ہو سکتے بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حکم الٰہی سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ گمراہی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَمَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ اور نہیں بھٹکتے اس سے مگر وہی جو طاعت الٰہی سے نکلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اسکی تفسیر میں مروی ہے:۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا يَعْنِي الْمُنَافِقِيْنَ وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا يَعْنِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ قَالَ هُمُ الْمُنَافِقُوْنَ وَفِيْ قَوْلِهٖ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ قَالَ هُوَ مَا عَهِدَ اِلَيْهِمْ فَاَقَرُّوْا بِهٖ ثُمَّ كَفَرُوْا فَنَقَضُوْهُ (ابن جریر) گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو یعنی منافقین کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتروں کو یعنی مومنین کو۔ اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر فاسقوں کو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ منافقین ہی ہیں۔ اور الذین ینقضون عہد اللہ کی تفسیر میں فرمایا اس سے وہی عہد مراد ہے جو ان سے کیا گیا تو انھوں نے اس کا اقرار کیا پھر منکر ہو گئے اور اس عہد کو توڑ دیا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:۔ اَلْحَرُوْرِيَّةُ هُمُ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔ قَالَ اِيَّاكُمْ وَنَقْضَ هٰذَا الْمِيْثَاقِ وَكَانَ يُسَمِّيْهِمُ الْفَاسِقِيْنَ۔ (بخاری، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) "حروریہ" ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد کو اسکے پختہ ہونے کے بعد توڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ عہد شکنی سے بچتے رہو۔ عہد شکنی کرنے والوں کو وہ فاسقین کے نام سے یاد کرتے تھے۔ حضرت قتادہ ویَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ اِيَّاكُمْ وَنَقْضَ هٰذَا الْمِيْثَاقِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَرِهَ نَقْضَهٗ وَاَوْعَدَ فِيْهِ وَقَدَّمَ فِيْهِ فِيْ آيٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ تَقْدِمَةً وَنَصِيْحَةً وَمَوْعِظَةً وَحُجَّةً مَا نَعْلَمُ اللّٰهَ اَوْعَدَ فِيْ ذَنْبٍ مَا اَوْعَدَ فِيْ نَقْضِ هٰذَا الْمِيْثَاقِ فَمَنْ اَعْطٰى عَهْدَ اللّٰهِ وَمِيْثَاقَهٗ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهٖ فَلْيُوْفِ بِهٖ

(عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ) اس عہد کے توڑ ڈالنے سے بچتے رہو کیونکہ اللہ سبحانہ نے عہد شکنی کو بدترین جرم قرار دیا ہے اور قبیل از قبیل بہ طور نصیحت اور وعظ اور حجت کے قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں اتنی وعیدیں سنائی ہیں جو دوسرے گناہ کے باب میں اتنی وعیدیں نہیں سنائیں لہذا جس کسی نے اللہ سبحانہ کا واسطہ دے کر کوئی عہد و میثاق کیا ہو تو اسکو چاہیے کہ لازمی طور پر پورا کرے۔"

عہد کی پابندی کی اہمیت

حضرت انس رض فرماتے ہیں۔ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ (امام احمد، بزار، ابن حبان، طبرانی، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اسمیں منجملہ اور امور کے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ یاد رکھو اس کا ایمان کامل نہیں جسمیں امانت داری نہ ہو اور نہ اس کا دین کامل ہے جو اپنے دیئے ہوئے عہد کا پابند نہ ہو۔ حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابو امامہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور رسول انور و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (تاریخ بخاری، حاکم بہ روایت صحیحہ) عہد پر اچھی طرح قائم رہنا بھی ایمان میں داخل ہے۔"

صلہ رحمی کا حکم

وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ۔

اور اللہ سبحانہ نے جس چیز کو ملائے رکھنے کا حکم دیا ہے یہ اسکو قطع کرتے یعنی کاٹ دیتے ہیں " اس کی تفسیر میں حضرت قتادہ فرماتے ہیں:- الرَّحِمُ وَالْقَرَابَةُ (عبد بن حمید ابن جریر) رشتہ و قرابت مراد ہے " یعنی کسی کا اپنے سے کوئی رشتہ ناطہ ہو یا کسی طرح کی قرابت ہو تو اللہ پاک کا حکم ہے کہ اس کا پاس و لحاظ رکھیں اور اپنے رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اسکو صلۂ رحمی کہتے ہیں۔ مقدس دینِ اسلام میں صلۂ رحمی کے باب میں بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جو لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں ان کو اس آیہ کریمہ میں فاسقین یعنی اللہ کے حکم سے نکلے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ لہذا اس سے بچنا اور دور رہنا چاہیئے۔ اول خویش بعد درویش اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جملہ قبائل عرب سے نسبی رشتہ تھا۔ جب کفار عرب نے آپ کے ساتھ دشمنی شروع کی اور درپئے آزار ہو گئے تو آپ فرمانے لگے اگر تم دین حق کو قبول کرنا نہیں چاہتے تو تم پر جبر نہیں لیکن میری قرابت اور رشتہ کا تو لحاظ کرو ایذائیں کیوں پہنچاتے ہو؟

یفسدون کی تفسیر وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں " حضرت سُدی اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں = ———

يَعْمَلُونَ فِيهَا بِالْمَعْصِيَةِ۔ (ابن ابی حاتم) زمین میں (طاعت و عبادت کی جگہ)

معصیت اور نافرمانی کے کام کرتے ہیں، ارشاد باری ہے:۔۔۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اور نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر اس مقصد کے لیئے کہ وہ میری بندگی کرتے رہیں، مگران میں ایسے بھی ہیں جو طاعت وعبادت چھوڑ کر اسکی نافرمانی اور خلاف ورزی میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ سبحانہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرکے انعام پانے کے عوض اسکی ناراضی اور غضب کو مول لے رہے ہیں۔ ان کا انجام کیا ہے وہ آگے بیان فرمایا جارہا ہے۔

خاسرون کی تفسیر

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ یہی لوگ گھاٹا پانے والے اور نقصان اٹھانے والے ہیں، یعنی اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے قرآن کریم کے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا:۔۔۔

كُلُّ شَيْءٍ نَسَبَهُ اللّٰهُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ مِنِ اسْمٍ مِثْلِ خَاسِرٍ وَّمُسْرِفٍ وَّظَالِمٍ وَّمُجْرِمٍ وَّفَاسِقٍ فَاِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ الْكُفْرَ وَمَا نَسَبَهُ اِلٰى اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَاِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ الذَّنْبَ۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم) ہر وہ نام یا وصف جسکو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (قرآن کریم میں) غیر اہل اسلام کی طرف منسوب فرمایا ہو مثلاً خاسر (نقصان اٹھانے والا) مسرف (حد سے بڑھنے والا) ظالم (ظلم کرنیوالا) مجرم (گناہ گار) فاسق (حکم سے باہر ہونیوالا)

اس سے کفر مراد ہے۔ اور یہی اسماء و صفات (اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں)
اہل اسلام کی طرف منسوب فرما گئے ہوں تو اس سے گناہ مراد ہے۔ کفر مراد نہیں

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ 2-28
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

کیونکر منکر ہوتے ہو تم اللہ سے حالانکہ تم بے جان (بے حس و حرکت تھے) پھر اس نے تم کو زندہ جیتا جاگتا بنایا پھر تم کو (وقت مقرر پر) ماریگا پھر تم کو (قیامت کے دن) زندہ کریگا پھر تم (حساب دینے کے لیئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کیف تکفرون باللہ کی تفسیر

جو لوگ وجود باری تعالیٰ ہی کے منکر ہیں ان کو مخاطب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کی تمہارے لیئے گنجائش ہی کہاں ہے تمہارا حال تو یہ ہے کہ ایک مدت زمانہ تک تمہارا وجود ہی نہ تھا اور نہ کہیں تمہارا ذکر مذکور اور نہ نام و نشان تک نہ تھا جیسے کسی مرے ہوئے پر زمانۂ دراز گزر جاتا ہے تو اُس کا ذکر مذکور اور نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے اور تمہارا وجود عناصر اربعہ (خاک و آب و ہوا اور نار) میں منتشر تھا۔ ان ہی عناصر اربعہ سے تمہارے باپ کی صلب میں ہمارے حکم سے آب حیات (نطفہ) پیدا ہوا اور رحم مادر

میں جائے گیر ہوا۔ پھر اس نطفہ سے خون، خون لستہ، مضغہ، گوشت پوست ہڈی وغیرہ بنی۔ تمہاری صورت گری کی گئی۔ اعضاء تراشے گئے، پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ اب تم میں حرکت پیدا ہوئی اور حیات بخشی گئی۔ اس طرح نو مہینے گزرنے پر بطنِ مادر سے باہر لائے گئے۔ تمہاری نشوونما ہونے لگی۔ بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھے ہوئے۔ جب اجل مسمیٰ (مقررہ مدت) کی تکمیل ہوئی تو حیات سلب کر کے موت طاری کی گئی۔ پھر جب یوم موعود (وہ دن جس کا وعدہ دیا گیا ہے) آن پہنچا تو تم کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا تاکہ دنیا میں تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا حساب لیا جائے اور تمہارے کیئے ہوئے اعمال کی جزا دی جائے۔ اس کے لئے ایک دن تم کو ہمارے آگے پیش ہونا اور دنیوی زندگی کس طرح گزاری اس کی جوابدہی کرنی پڑیگی۔ جب یہ تمام مراحل پیش ہیں اور یقیناً درپیش ہیں پھر ان مراحل میں سے ایک مرحلہ بھی ایسا نہیں جسکو اللہ سبحانہ کے سوا دنیا کی کوی ہستی طے کرا سکے تو لا محالہ تم کو تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ سارے انقلابات خود بہ خود نہیں آسکتے۔ ایک فاعل مختار ایسا ہے جسکے حکم سے یہ انقلابات لائے جاتے ہیں تو وہی فاعل مختار علیم و خبیر، سمیع و بصیر اور علیٰ کل شئی قدیر

ہی اللہ ہے۔ جس کا انکار نہ عقلاً ہو سکتا ہے اور نہ شرعاً نہ عرفاً نہ علماً نہ تجربۃً یہ ایسی واضح روشن اور کھلی دلیل ہے کہ اُس پر مزید کسی دلیل و برہان کی حاجت ہی نہیں۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے عقلاء اور حکماء نے وجود باری تعالیٰ کے مسئلے کو اعرف المعارف اور اجلی البدیہیات قرار دیا ہے۔ کتب سماویہ میں یہ مسئلہ مذکور اور انبیاء و رسل علی نبینا علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات و ہدایات بھی اس سے مملو ہیں

اقوالِ سلف الصالحین

حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ لَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا فَخَلَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ابن جریر)

تم کوئی چیز نہ تھے (کہ تمھارا نام لیا جائے یا کسی کو تمھاری خبر ہو سکے) پھر اس نے تم کو پیدا کیا، پھر وہی تم کو ماریگا، پھر قیامت کے دن تم سب کو جِلائیگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

اَمْوَاتًا فِي اَصْلَابِ آبَائِكُمْ ثُمَّ لَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا حَتّٰى خَلَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ مَوْتَةَ الْحَقِّ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ حَيَاةَ الْحَقِّ حِيْنَ يَبْعَثُكُمْ۔

(ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) تم اپنے باپ دادا کی صلب میں بے جان تھے۔ پھر کوئی چیز نہ تھے (کہ کسی کے علم و اطلاع میں لائے جا سکو) تا آنکہ اس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو سچی موت دیگا، پھر تم کو سچی حیات بخشیگا جب کہ تم کو زندہ کر کے قبر سے اٹھا کھڑا کرے گا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ کَانُوْا اَمْوَاتًا فِیْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ فَاَحْيَاهُمُ اللّٰهُ فَاَخْرَجَهُمْ ثُمَّ اَمَاتَهُمُ الْمَوْتَةَ الَّتِیْ لَا بُدَّ مِنْهَا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ لِلْبَعْثِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهُمَا حَيَاتَانِ وَمَوْتَتَانِ (عبد بن حمید، ابن جریر) سب لوگ اپنے باپ دادا کی صلب میں بے جان تھے۔ پھر اللہ سبحانہ تعالےٰ نے انکو زندہ کرکے (رحم مادر سے) نکالا۔ پھر اُن پر موت طاری کی جس سے کوئی مفر نہیں۔ پھر اُن کو قیامت کے دن قبروں سے زندہ کرکے اٹھائے گا۔ اس طرح ہر ایک کیلئے دو موت اور دو زندگیاں ہوئیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ لَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا حَتّٰى خَلَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ مَوْتَةَ الْحَقِّ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ وَقَوْلُهٗ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ مِثْلُهَا (ابن جریر) تمہارے پیدا ہونے تک تم کوئی چیز نہ تھے پھر تم کو واقعی موت دے گا۔ پھر تم کو زندہ کریگا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ بھی اسی طرح ہے۔ یعنی قیامت میں سب عرض کریں گے اے خدا تو نے ہم کو دو موتیں اور دو زندگیاں بخشیں۔

2-29 هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ع

وہی ہے جس نے پیدا کیں تمہارے لیئے وہ تمام چیزیں جو زمین میں ہیں۔ پھر قصد کیا آسمان کی طرف پھر سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

آفرینش عالم

اس آیہ کریمہ میں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے نہ صرف تم کو

پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لائے بلکہ تمہاری بقائے شخصی و نوعی کے لیئے زمین میں ہر
طرح کی ضروری اور کارآمد چیزیں بہ کثرت پیدا کیں کھانے پینے پہننے اور برتنے
کیلئے سامان و آلات پیدا کیئے۔ جو بجائے خود ہر چیز ایک نعمت ہے۔ جمادات
نباتات، حیوانات تو سطح زمین پر ہیں۔ زمین کے اندر کانیں اور معادن ہیں
جن کو کھود کھود کر نکالا جاتا اور ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اسکے علاوہ زمین
کے اوپر سات طبق آسمان ہیں ان سے بھی تمہارے بہت سارے کام وابستہ ہیں

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند / تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار / شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

کس دن کیا پیدا ہوا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ اَخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ بِیَدِیْ فَقَالَ خَلَقَ اللّٰہُ التُّرْبَۃَ یَوْمَ
السَّبْتِ وَخَلَقَ فِیْھَا الْجِبَالَ یَوْمَ الْاَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ یَوْمَ
الْاِثْنَیْنِ وَخَلَقَ الْمَکْرُوْہَ یَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَخَلَقَ النُّوْرَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ
وَبَثَّ فِیْھَا الدَّوَابَّ یَوْمَ الْخَمِیْسِ وَخَلَقَ اٰدَمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔
(امام احمد، تاریخ بخاری، مسلم، نسائی، ابن المنذر، ابوالشیخ، ابن مردویہ، بیہقی) حضور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سنیچر کے

دن مٹی پیدا کی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور منگل کے دن مکروہات اور ناپسندیدہ چیزیں بنائیں اور چہارشنبہ کے دن نور پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں جانور پیدا کر کے ہر طرف پھیلا دیئے اور جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا۔

زمینوں اور آسمانوں کی درمیانی مسافت

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں۔ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ كَمْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَمِنْ مَسِيْرَةِ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَكِثَفُ كُلِّ سَمَآءٍ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ وَفَوْقَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ اَوْعَالٍ بَيْنَ وَرِكِهِنَّ وَاَظْلَافِهِنَّ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ الْعَرْشُ بَيْنَ اَعْلَاهُ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عِلْمُهٗ فَوْقَ ذٰلِكَ وَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ اَعْمَالِ بَنِيْ اٰدَمَ شَيْءٌ۔

(امام احمد، ابوداود، ترمذی بروایت حسن، ابن ماجہ، دارمی، ابن ابی الدنیا، ابن ابی عاصم، ابویعلیٰ، ابن خزیمہ، ابن ابی حاتم، ابواحمد حاکم بروایت صحیحہ، طبرانی، ابوالشیخ، لالکائی، بیہقی)

ہم حضور نبی اعظم و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا تمھیں کچھ معلوم ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان پانسو سال کی راہ ہے۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی پانسو سال کی مسافت ہے۔ اور ہر آسمان کا ثخن (موٹاپا) پانسو سال کی مسافت کے برابر ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر سمندر ہے جسکی گہرائی پانسو سال کے برابر ہے جیسی کہ آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ پھر اسکے اوپر آٹھ بلندیاں ہیں۔ ان سب کی اتنی ہی مسافت ہے جتنی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پھر اسکے اوپر عرش اعظم ہے۔ اسکے اسفل اور اعلیٰ کے درمیان بھی اتنی ہی مسافت ہے جتنی آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم اسکے اوپر ہے۔ بنی آدم کے اعمال سے کچھ بھی اس پر مخفی نہیں ؎

علم الٰہی تمام کائنات پر محیط ہے

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ مَسِیْرَۃُ خَمْسِمِائَۃِ عَامٍ کَذٰلِکَ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ وَالْاَرَضُوْنَ مِثْلُ ذٰلِکَ وَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ اِلَی الْعَرْشِ مِثْلُ جَمِیْعِ ذٰلِکَ وَلَوْ حَفَرْتُمْ لِصَاحِبِکُمْ ثُمَّ دَلَّیْتُمُوْہُ لَوَجَدَ اللّٰہَ ثَمَّہٗ یَعْنِیْ عِلْمَہٗ۔

(اسحاق بن راھویہ' ابوالشیخ' ابن مردویہ' بیہقی) آسمان اور زمین کے درمیان پانسو سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے تیسرے ساتویں آسمان تک اور زمینوں کا بھی یہی حال ہے کہ ایک زمین سے دوسری تیسری ساتویں زمین تک اسی قدر مسافت ہے اور ساتویں آسمان سے عرش اعظم تک ان تمام مسافتوں کے مثل مسافت ہے۔ اور فرض کرو کہ اپنے ساتھی کو سمجھانے کے لیئے اگر زمین کو کھودتے جاؤ گے پھر ایک رسی لٹکاؤ گے تو وہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے علم کو محیط پاؤ گے۔"

آسمان فضائی موجیں ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ السَّمَآءُ قَالَ ھٰذِہٖ مَوْجٌ مَّکْفُوْفٌ عَنْکُمْ۔ (ابن ابی حاتم' ابوالشیخ' ابن مردویہ) ایک شخص نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! اس آسمان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ ارشاد مبارک ہوا کہ موج ہے جسکو تم لوگوں سے روک دیا گیا ہے۔" بہ ظاہر اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک سیال چیز ہے۔ اور باوجود سیال ہونے کے کسی پر گرتا نہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ آسمانوں کو روکے ہوئے ہے کہ کہیں زمین پر گر پڑے۔" اور ملائکہ کرام کی نسبت ارشاد باری ہے۔ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ ہر ایک جماعت ملائکہ اپنے اپنے فلک میں تیرتی رہتی ہے۔" ان آیات کریمہ سے مذکور الصدر حدیث شریف کی تائید ہوتی ہے۔

ذات الٰہی میں تفکر کی ممانعت

حضرت ابن عباس نے فرمایا:۔ تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ فَاِنَّ بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلٰى كُرْسِيِّهٖ سَبْعَةَ آلَافِ نُوْرٍ وَهُوَ فَوْقَ ذٰلِكَ ۔

(ابوالشیخ، بیہقی) ہر چیز میں غور وفکر کرتے رہو۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کبھی غور وفکر نہ کرنا کیونکہ ساتویں آسمان سے اُسکی کرسی تک نور کے سات ہزار پردے ہیں اور ذات الٰہی اس سے بھی بلند وبرتر ہے "جس کا ادراک طاقت بشری سے بالاتر ہے حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ؎

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم — کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم

تواں در بلاغت بہ سحباں رسید — نہ در کنہ بیچوں سبحاں رسید

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً 2-30
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور جب فرمایا (اے نبی کریم!) آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب تو کہا (فرشتوں نے) کیا قائم کرتے ہیں زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہاتا رہے؟ حالانکہ ہم پڑھتے رہتے ہیں آپ کی خوبیاں اور یاد کرتے ہیں

آپ کی پاک ذات۔ فرمایا بے شک مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے“

آدم کی زمین پر خلافت

یہاں ایک تیسری عظیم الشان نعمت کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ (اے نبی کریم!) وہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جبکہ آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) مقرر کرنے والا ہوں۔ یہ سنتے ہی فرشتے سمجھ گئے کہ آدم جنکی تخلیق عناصر اربعہ (خاک، آب، ہوا اور آگ) سے ہوئی ہے جو باہم دیگر ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ ان سے جو چیز بنی ہے اس میں فساد اور خون ریزی ضرور ہوگی۔ عرض کیا کیا آپ زمین میں ایسی ہستی کو اپنا نائب گردانا چاہتے ہیں جسکی سرشت میں فساد اور خون ریزی ہے۔ نیابۃ اللہ کا اہم فریضہ آدم خاکی سے کس طرح انجام پاسکیگا اور ہم تو نور سے بنائے گئے ہیں۔ آپ کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور آپ کی یاد میں مستغرق رہتے ہیں۔ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ ہمارا وصف ہے۔ جو حکم ہم کو ہوتا ہے اس کو بجالاتے ہیں اور کسی حکم کی خلاف ورزی ہماری سرشت ہی میں نہیں لہذا یہ نیابت ہم کو سرفراز ہونی چاہیئے۔ اس پر ارشاد باری ہوا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ آدم کی وہ صفت ہم جانتے ہیں جسکو تم نہیں جانتے جسکی وجہ سے آدم ہی مستحق خلافت و نیابت قرار پاتا ہے۔ تم اس کا استحقاق نہیں رکھتے۔ تمھارے پیش نظر اسکی صرف فساد و خون ریزی کی صفت ہے۔ اور ہمارے پیش نظر اسکے دوسرے صفات

بھی ہیں جن کے مد نظر آدم ہی مستحق خلافت و نیابت قرار پاتے ہیں۔ ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است ازفرشتہ سرشتہ و زحیوان

گر کند میل ایں شود بد ازیں ور کند میل آں شود بہ ازاں

بنی آدم سے پیشتر زمین پر بنی جان کی حکومت تھی

جاننا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش سے پیشتر زمین پر بنی جان کی حکومت تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَقَدْ كَانَ فِیْهَا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ بِاَلْفَیْ عَامٍ الْجِنُّ بَنُوْا الْجَانِّ فَسَدُوْا فِی الْاَرْضِ وَسَفَكُوْا الدِّمَآءَ فَلَمَّآ اَفْسَدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعَثَ عَلَیْهِمْ جُنُوْدًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فَضَرَبُوْهُمْ حَتّٰی اَلْحَقُوْهُمْ بِجَزَائِرِ الْبُحُوْرِ فَلَمَّا قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ كَمَا فَعَلَ اُولٰٓئِكَ الْجَانُّ فَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(حاکم بروایت صحیح) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا ہوں۔ تو انھوں نے (بطور استفادہ نہ کہ بطریق اعتراض) عرض کیا کیا آپ ایسے کو مقرر کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے اور خون ریزی کرے۔ واقعہ یوں تھا کہ

آدم علیہ السلام کی آفرینش سے دو ہزار سال پیشتر سے زمین پر بنی جان یعنی جنات کی حکومت تھی۔ انھوں نے زمین میں فساد پھیلایا اور خون ریزیاں کرنے لگے تو اللہ پاک نے اُن کے مقابلہ کے لیئے فرشتوں کی فوجیں روانہ فرمائیں۔ یہ اُن کو مار مار کر سمندروں کے جزائر کی طرف بھگا دیا اور زمین کو اُن کے وجود سے پاک کر دیا۔ اس کے بعد جب ارشاد الٰہی ہوا کہ میں ایک نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں تو ملائکہ نے عرض کیا۔ کیا آپ ایسے کو خلیفہ مقرر فرمانا چاہتے ہیں جو بنی جان کی طرح زمین میں فساد برپا کرے اور خون ریزی کرتا رہے؟ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ اسکی حکمت ہم جانتے ہیں تم کو معلوم نہیں۔"

ربّ کی تفسیر

بات یہ ہے کہ پروردگار عالم کی شان ہی یہ ہے کہ جس چیز کو جس مقصد کے پیش نظر بناتے ہیں اس میں وہ تمام کمالات اور ملکات پیدا کر دیتے ہیں جو اس کے مقصد تخلیق کی تکمیل کے لیئے درکار ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے:-

رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا۔ فَمَنۡ رَّبُّکُمَا یٰمُوۡسٰی۔ آپ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) کا رب کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کے ذریعہ جواب دیا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال صلاحیتیں بخشی پھر ان سے کام لینے کی راہ بتلائی۔" اسی طرح اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کے لیئے

پیدا کیا تو ان کی ذات میں وہ تمام صلاحیتیں ودیعت فرمائیں جو خلافت ارضی کی انجام دہی
کے لیئے ضروری تھیں۔ چنانچہ آگے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا 2-31
ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
اور سکھلا دیئے (اللہ نے) آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان تمام چیزوں کو
فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھکو نام ان کے اگر تم سچے ہو"

آدم اور ملائکہ کا امتحانی مقابلہ

یعنی خلافت ارضی کے لیئے آدم کے مقابلہ میں تم خود کو زیادہ مستحق تصور کرتے ہو تو ان چیزوں کے نام تو بتلا دو۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کی تخلیق خلافت کے لیئے نہیں فرمائی گئی تھی۔ اس لیئے اس کے لوازم سے یہ جماعت نا آشنا تھی۔ فرشتوں کا مقصد تخلیق عبادت اور تعمیل احکام کی حد تک تھا۔ اس میں وہ خوب ماہر تھے۔ خلافت کا مسئلہ ہی جداگانہ نوعیت کا تھا۔ اس کے لیئے علم کی ضرورت تھی۔ اگر فرشتوں کو کچھ علم حاصل بھی تھا تو معمولی درجہ کا علم جو خلافت کے لیئے کافی نہ تھا۔ بہ خلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ ان کی آفرینش خلافت کے لیئے تھی تو سارے کمالات علمیہ ان کی ذات میں ودیعت فرمائے گئے تھے۔ جب امتحان ٹھہرا تو فرشتوں کو اقرار کرنا پڑا اور انھوں نے صاف طور پر مان لیا جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:۔

2-32

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

بولے آپ کی ذات پاک ہے۔ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا آپ نے سکھلایا۔بے شک آپ ہی اصل جاننے والے حکمت والے ہیں ؛

آدمؑ کو تمام فرشتوں پر فضیلت

حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

لَمَّا اَخَذَ اللّٰهُ فِیْ خَلْقِ آدَمَ هَمَسَتِ الْمَلَائِكَةُ فِيْمَا بَيْنَهَا فَقَالُوْا لَنْ يَّخْلُقَ اللّٰهُ خَلْقًا اِلَّا كُنَّا اَعْلَمَ مِنْهُ وَاَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْهُ فَلَمَّا خَلَقَهٗ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْجُدُوْا لَهٗ لِمَا قَالُوْا فَفَضَّلَهٗ عَلَيْهِمْ فَعَلِمُوْا اَنَّهُمْ لَيْسُوْا بِخَيْرٍ مِّنْهُ فَقَالُوْا اِنْ لَّمْ نَكُنْ خَيْرًا مِّنْهُ فَنَحْنُ اَعْلَمُ مِنْهُ لِاَنَّا كُنَّا قَبْلَهٗ فَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا فَعَلَّمَ اسْمَ كُلِّ شَيْءٍ جَعَلَ يُسَمِّيْ كُلَّ شَيْءٍ بِاسْمِهٖ وَعَرَضُوْا عَلَيْهِ اُمَّةً اُمَّةً ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَفَزِعُوْا اِلَى التَّوْبَةِ فَقَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا الْاٰيَةَ۔

(ابن جریر) جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا تو فرشتوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جو کوئی مخلوق بھی پیدا کریگا ہم اس سے زیادہ علم رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے زیادہ باعزت ہونگے جب خدائے عزوجل نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسکے آگے جھک جائیں

اور سربسجود ہوں یہ حکم اس لیئے ہوا کہ انھوں نے اپنی برتری کا خیال کیا تھا۔ آدم کو تمام فرشتوں پر فضیلت بخشی اب وہ جان گئے کہ وہ ان سے بہتر نہیں ہیں۔ اسکے بعد اب فرشتے کہنے لگے کہ ہم آدم سے اگرچہ بہتر نہیں لیکن علم میں ان سے زیادہ ہیں کیونکہ ہم اُن کے وجود میں آنے کے پیشتر سے ہیں۔ ادھر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام سکھا دیئے تھے۔ چنانچہ وہ ہر چیز کو اس کے نام سے بلانے لگے اور ہر مخلوق آپ کے بلانے پر قطار در قطار آپ کے سامنے پیش ہونے لگی پھر ان مخلوقات کو فرشتوں کے پاس پیش کر کے حکم دیا گیا کہ تم بھی اُن کے اسماء بتاؤ اگر تم اپنے بیان میں سچے ہو۔ اس پر وہ گھبرا کر توبہ کرنے لگے کہ آپ کی ذات پاک ہے ہم کو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے سرفراز فرمایا بے شک اصل علم و حکمت آپ ہی کی ذات میں تمام و کمال جمع ہے۔" جیسا کے ارشاد ہو رہا ہے

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ 2-33
اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ آدم! تم بتا دو ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے

نام" پھر جب انھوں نے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔"

امتحان مقابلہ میں آدم کی کامیابی | یعنی اشیاء کے نام بتانے سے جب ملائکہ نے اپنا عجز ظاہر کر دیا

تو حق تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب فرمایا کہ تم کائنات کی تمام چیزوں کے نام فرشتوں کو بتادو تو آپ نے تمام چیزوں کے نام جو بحیثیت سے جانتے تھے صاف صاف بتادے جس سے تمام حاضر الوقت دنگ رہ گئے اور آدم علیہ السلام کی وسعت علمی پر عش عش کرنے لگے۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کیوں ہم نے پہلے ہی کہا نہ تھا کہ ہم آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور خود تم جن چیزوں کو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اُن کو بھی خوب جانتے ہیں؟ ہم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی سب پر ہمارا علم ذاتی محیط ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۔ یقیناً اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہر چیز کا احاطہ کیئے ہوے ہے"۔ اب فرشتوں کو بھی آدمؑ کے استحقاق خلافت کا اقرار کرنا پڑا۔

آدمؑ اور فرشتوں کا باہمی فرق

ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اس لیئے کہ فرشتے عبادت کے لیئے پیدا ہوے تھے۔ عبادت ہی اُن کا کمال تھا۔ اُن کے معصوم ہونیکی وجہ سے ایک لمحہ بھی وہ اس سے غافل نہیں رہ سکتے تھے۔ عبادت اُن کی زندگی ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اُن کو جس امر کا بھی حکم دے وہ اُسکی نافرمانی نہیں کرسکتے اور جس چیز کا بھی اُن کو حکم دیا جاے وہ اُس کو بجا لاتے رہینگے۔ مگر یہ یاد رہے کہ عبادت

تمام مخلوقات کا خاصہ ہے عبادت صفت الٰہی نہیں ہے۔ البتہ علم صفت الٰہی ہے خلافت کے لیئے ایسی صفت کی ضرورت ہے جو مستخلف عنہ کی صفت ہو۔ فرشتے اگرچہ معصوم ہونیکی فضیلت رکھتے ہیں مگر علم جو خلیفہ کا طرۂ امتیاز ہے اس سے عاری ہیں۔ تھوڑا بہت علم اگر حاصل بھی ہو تو وہ علم جزدی ہے علم جزوی خلافت کے اہم فریضہ کی انجام دہی کے لیئے کافی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کو عبادت پر بھی فضیلت حاصل ہے کیونکہ عبادت مخلوق کا وصف ہے اور علم وصف خالق ہے عبادت اور علم میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ مخلوق اور خالق میں ہے۔ یہ خوب سمجھنے کی بات ہے۔ ارشاد باری ہے۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ کیا جو لوگ جانتے اور علم رکھتے ہیں اور جو نہیں جانتے اور نہ علم رکھتے ہیں یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جاننے والے اور علم رکھنے والے ہی افضل و اعلیٰ ہیں۔

ما تبدون و ما تکتمون کی تفسیر

حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ سے مراد ملائکہ کرام کا وہ قول ہے جو انھوں نے آدم کے باب میں کہا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۔ کیا آپ ایسے کو زمین پر خلیفہ مقرر

فرماتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزی کرتا رہے؟" اور وَمَا
اَنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اور جو تم چھپاتے ہو" سے مراد ملائکہ کا یہ قول ہے:۔
لَنْ يَّخْلُقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کبھی ایسی کوئی مخلوق پیدا
نہیں کریگا جو اس کے نزدیک ہم سے زیادہ باعزت ہو" اس امتحان مقابلہ سے
فرشتوں کی ایک بات بھی صحیح نہ نکلی۔ انسان جہاں فساد پھیلا سکتا ہے۔ فساد کو رفع بھی
کر سکتا ہے اور خون ریزی اگر کرتا ہے تو خون ریزی کا انسداد بھی کر سکتا ہے۔ تمام
انسانوں کو ایک ہی درجہ میں رکھنا درست نہیں۔ انسان جب فساد اور خون ریزی کا
انسداد کر سکتا ہے تو فساد اور خون ریزی محض اسکے انسان ہونیکی وجہ سے نہ ہوی
بلکہ اس کا سبب کوی اور ہے یعنی اسکا جہل وغیرہ فساد اور خون ریزی کا سبب
ہے نہ کہ اس کا انسان ہونا۔

ابلیس کی آدم سے دشمنی

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ اِنَّ اِبْلِيْسَ مَرَّ
عَلٰى جَسَدِ اٰدَمَ وَهُوَ مُلْقًى بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ
لَا رُوْحَ فِيْهِ فَقَالَ لِاَمْرٍ مَّا خُلِقَ هٰذَا ثُمَّ دَخَلَ مِنْ فِيْهِ وَخَرَجَ
مِنْ دُبُرِهٖ وَقَالَ اِنَّهٗ خَلْقٌ لَا يَتَمَاسَكُ لِاَنَّهٗ اَجْوَفُ ثُمَّ قَالَ
لِلْمَلٰٓئِكَةِ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اِنْ فُضِّلَ عَلَيْكُمْ وَاُمِرْتُمْ بِطَاعَتِهٖ

مَاذَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا نُطِیْعُ مَا اَمَرَنَا رَبَّنَا۔ فَقَالَ اِبْلِیْسُ فِیْ نَفْسِهٖ وَاللّٰهِ لَئِنْ سُلِّطْتُ عَلَیْهِ لَاُهْلِکَنَّهٗ وَلَئِنْ سُلِّطَ عَلَیَّ لَاَعْصِیَنَّهٗ۔ (بغوی)

ابلیس کا گزر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد مبارک کے پاس سے ہوا جب کہ وہ مکہ اور طائف کے درمیان پڑا ہوا تھا ابھی اس میں جان نہیں پڑی تھی۔ یہ دیکھکر ابلیس اپنے آپ میں کہنے لگا یہ کس مقصد کے لیئے پیدا کیا جا رہا ہے۔ پھر منہ کی طرف سے گھس کر پیچھے کی سمت سے نکلا اور کہنے لگا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے اندر کسی چیز کو روک کر نہیں رکھ سکتی کیونکہ اس کا اندرونی حصہ (ٹھوس نہیں بلکہ) کھوکھلا ہے۔ پھر جو فرشتے اسکے ساتھ تھے ان سے کہنے لگا کہ اگر تم کو اس پر برتری دی جائے اور تم کو اسکی اطاعت کا حکم دیا جائے تو تم کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہم اپنے پروردگار کے حکم کو بجا لائینگے۔ یہ سن کر ابلیس نے اپنے جی میں کہا اگر مجھے اس پر قابو دیا جائے تو میں اس کو ہلاک کر کے چھوڑوں گا۔ اور اس کو مجھ پر مسلط کر دیا جائے تو میں کبھی اسکی بات نہ مانونگا۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ سے یہ مراد ہے

فقیر عرض کرتا ہے کہ دونوں اقوال بجائے خود صحیح ہو سکتے ہیں انمیں باہم تضاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۝ 2-34

اور جب فرمایا ہم نے فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے آگے تو وہ جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا اور بڑائی جتائی اور وہ تھا منکرین ہی سے ۔

فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کا حکم

یعنی امتحان مقابلہ میں جب فرشتے ہار گئے تو ہم نے کہا فرشتوں سے کہ آدم کے آگے جھک جاؤ چنانچہ وہ سب جھک گئے مگر ابلیس جو فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اس نے آدم کے آگے جھک جانے سے انکار کیا ۔ اور آدم کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتائی اور تکبر کیا ۔ وہ تو پیشتر ہی سے آدم کی فضیلت اور برتری کا منکر تھا ۔ وہ کہتا تھا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۔ میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو گیلی مٹی سے پیدا فرمایا ۔ مٹی کے مقابلہ میں آگ اشرف ہے ۔ اشرف ادنیٰ کے آگے کیونکر جھک سکتا ہے ؟

حضرت آدم کی آفرینش

حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش کا واقعہ حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابۂ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس طرح مروی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ زمین پر جا کر مٹھی بھر مٹی اٹھا لائیں ۔ جبرئیل جب زمین پر اترے تو زمین نے کہا ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ اَنْ تَنْقُصَ مِنِّيْ ۔ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں ، خدا را مجھے نقصان نہ پہنچائیے ۔ حضرت جبرئیل کو زمین نے اللہ کا واسطہ دیا تو وہ بغیر کچھ لیے واپس ہو گئے اور عرض کیا کہ

بار الٰہا! زمین نے آپ کا واسطہ دیا اور آپ کی پناہ ڈھونڈی۔ اس کے بعد میری ہمت
نہ ہوئی کہ اس کا کوئی حصہ جدا کرکے لاؤں۔ ان کے بعد حضرت اسرافیل و میکائیل
یکے بعد دیگرے اسی طرح بھیجے گئے ان کو بھی زمین نے یہی جواب دیا اور وہ پچھلے پاؤں
لوٹ گئے اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام
کو بھیجا۔ زمین نے اُن کو بھی وہی جواب دیا جو اُن سے پیشتر جبرئیل میکائیل اور اسرافیل
علیہم السلام کو دیا تھا۔ مگر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا:۔ وَ اَنَا
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَرْجِعَ وَلَمْ اُنْفِذْ اَمْرَہٗ ۔ اور میں بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی پناہ
ڈھونڈتا ہوں کہ حکم الٰہی کو جاری و نافذ کیئے بغیر واپس ہو جاؤں " یہ کہکر انہوں
نے روئے زمین سے ایک مٹھی خاک اُٹھالی۔ اور بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر مٹی بھی
پیش کر دی اور سارا قصہ عرض کر دیا۔ اس پر ارشادِ الٰہی ہوا کہ تم مٹی اٹھا لائے
ہو تو تم ہی اس قابل ہو کہ اس مٹی سے جو مخلوق پیدا ہو گی اُسکی جان نکالا کرو
حضرت عزرائیل علیہ السلام نے چونکہ تمام روئے زمین پر ہاتھ مار کر ہر حصۂ زمین
سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی تھی اس لیئے بنی آدم بھی مختلف رنگ کے سرخ، سیاہ،
زرد، اچھے برے سبھی قسم کے پیدا ہوئے۔ یہ تراب یعنی خشک مٹی تھی۔ پھر اُسکو
جنت کے پانی سے تر کیا گیا اور عرصہ تک اس کو بھگویا گیا تو اس کی شکل طین یعنی

گیلی مٹی کی ہوگی پھر اس کو دست قدرت سے گوندوا کر طِیۡنٍ لَّازِبٍ لیس دار مٹی بنایا گیا پھر اسکو حمأ مسنون گلی ہوی مٹی بنا کر خاک کا پتلا تیار کیا گیا۔ پھر اس کو خشک کیا گیا تو صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ سوکھ کر کھنکھناتا ہوا ظرف تیار ہوا پھر اسمیں جان ڈالی گئی تو گوشت پوست، رگ پٹھے، ناخن بال، ہڈی، مغز والا انسان بنا۔ جان ڈالنے سے پہلے جب کبھی ابلیس کا گزر کالبد آدم کے پاس سے ہوتا ہے تو وہ اسکو بجا بجا کر دیکھتا اور اس سے کھنکھناتی آواز آتی۔ ابلیس کہتا کہ آدم کھوکھلی مخلوق ہے۔ اس میں کچھ نہیں۔ اسی وقت سے ابلیس خود کو آدم سے اشرف و اعلیٰ سمجھنے لگا۔ جب اس نے سجدۂ آدم سے انکار کیا تو مردود و ملعون ٹھہرا یہ تمام تفصیل تفسیر ابن جریر، بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات اور تاریخ ابن عساکر میں حضرت ابن مسعود اور دیگر اصحاب کرام سے مروی ہے۔ اور دوسری تفاسیر اور کتب احادیث شریفہ میں بھی مذکور ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

سجدۂ ملائکہ کی نیت

رہا یہ امر کہ ملائکہ کا سجدہ کیسا تھا اسکی نسبت حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ کَانَتِ السَّجۡدَۃُ لِاٰدَمَ وَالطَّاعَۃُ لِلّٰہِ (ابن ابی حاتم) سجدہ تو بظاہر آدم کے سامنے تھا اور حقیقت میں عبادت

فرمانبرداری اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْجُدُوْا فَسَجَدُوْا وَالْكَرَامَةُ مِنَ اللّٰهِ اَكْرَمَ بِهَا آدَمَ۔ (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ اُن کے آگے سربسجود ہو گئے۔ یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے آدم کا اعزاز تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت ہوا۔ حضرت ابراہیم مُزنی فرماتے ہیں:۔ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ آدَمَ كَالْكَعْبَةِ۔ (ابن عساکر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی طرح قرار دیا۔ کہ تمام سجدے کعبۃ اللہ شریف کی طرف رخ کر کے ادا کیے جاتے ہیں لیکن کعبہ کو سجدہ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ سجدہ حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کی صرف جہت قرار دیا گیا تھا۔ سجدہ بظاہر اُن کی طرف رخ کر کے ادا کیا گیا لیکن سجدہ اللہ سبحانہ کو کیا گیا۔

سجود کے معنی لغوی و شرعی

ان ہی روایات کی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:۔ وَالسُّجُوْدُ فِي الْاَصْلِ التَّذَلُّلُ وَفِي الشَّرْعِ وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ عَلٰى قَصْدِ الْعِبَادَةِ وَالْمَاْمُوْرُ بِهٖ اِمَّا الْمَعْنَى الشَّرْعِيُّ فَالْمَسْجُوْدُ لَهٗ يَكُوْنُ بِالْحَقِيْقَةِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجُعِلَ آدَمُ قِبْلَةً تَفْخِيْمًا لِشَاْنِهٖ وَاعْتِرَافًا لِمَا اَنْكَرُوْا اَوَّلًا مِنْ فَضْلِهٖ

(مظہری) لغت میں اظہار ذلت کو سجدہ کہتے ہیں اور شرع شریف میں پیشانی کو زمین پر بہ قصد عبادت رکھدینے کا نام سجدہ ہے۔ رہا یہ کہ حکم الٰہی کیا تھا؟ اظہار تذلیل یا وضع جبہہ اگر معنی شرعی کے مطابق سجدہ کا حکم ہوا تھا تو حقیقت میں ملائکہ کرام کا سجدہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیئے تھا اور آدم علیہ السلام کو صرف قبلہ گردانا گیا تھا انکے اعزاز کیلئے اور انکی شان بڑھانے کے لیئے نیز انکی فضیلت کا جو انکار ابتداً میں کیا گیا تھا اب انکی فضیلت کا اعتراف کرنے کے لیئے یہ اس خیال کی تائید حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي وَيَقُولُ يَا وَيْلَهُ أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔ (امام احمد، مسلم) ابن آدم جب آیت سجدہ کی تلاوت کرکے سجدہ کرتا ہے تو شیطان وہاں سے روتا ہوا ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس کہ ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا تو اس نے فوراً سجدہ کرلیا جسکے باعث وہ جنت کا مستحق ٹھہرا۔ اور مجھے بھی سجدے کا حکم دیا گیا تھا مگر میں نے نافرمانی کی تو اسکی پاداش میں مجھے دوزخ نصیب ہوئی یہ یہاں سجدۂ تلاوت سجدۂ شرعی ہے۔ جو شرع شریف کے حکم کی بناء پر واجب ہوتا ہے۔ اور یہ بطور عبادت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیئے کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے لیئے یہ سجدہ نہیں ہے۔ اس صورت میں لِآدَمَ

کا لام بمعنی اِلیٰ ہوگا اور اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اُسْجُدُوْا اِلیٰ آدَمَ کے معنی میں ہوگا۔ یعنی آدم کی طرف رخ کرکے سجدہ کرو۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لِاٰدَمَ کا لام سببیہ ہو۔ یہ اس لیئے کہ فرشتوں نے حضرت آدم کی فضیلت میں کلام کیا تھا اور جب اُن کی فضیلت امتحان مقابلہ میں ثابت ہوگئی تو فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تھا تاکہ اس سبب سے فرشتوں کے حق میں صورت توبہ پیدا ہوجائے اور آدم کی فضیلت میں فرشتوں کو کوئی کلام نہ رہے۔ کلام عربی میں لام سببیہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ میں لِدُلُوْکِ کا پہلا لام سببیہ ہے اور یہ حکم ہے کہ غروب آفتاب کے سبب سے نماز قائم کرو۔ غروب آفتاب نماز مغرب کی ادائی کا سبب ہے۔

سجود ملائکہ سجدہ لغوی تھا

اگر سجدہ آدم سے سجدہ لغوی مراد لیا جائے جس کے معنی صرف اظہار تذلیل کے ہیں جیسا کہ اوپر بتلایا گیا تو یہاں اسکی بھی گنجائش ہے۔ یعنی فرشتوں کو سجدے کا جو حکم ہوا تھا وہ سجدۂ شرعی نہیں بلکہ سجدۂ لغوی کا مطالبہ فرمایا گیا تھا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں۔ ھٰذَا الْقَوْلُ اَصَحُّ قَالَ وَلَمْ یَکُنْ وَضْعُ الْوَجْہِ عَلَی الْاَرْضِ اِنَّمَا کَانَ الْاِنْحِنَآءَ

فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ اَبْطَلَ ذٰلِكَ بِالسَّلَامِ ـــــ

یہی قول صحیح تر ہے۔ سجود ملائکہ زمین پر پیشانی رکھنا نہ تھا صرف آدم کے آگے جھک جانا تھا جب اسلام آیا تو تحیت کے موقع پر السلام علیکم کہدینا کافی قرار دیا گیا اور کسی کے آگے جھک جانے کو بھی باطل قرار دیا گیا۔ سابقہ شریعتوں میں تحیت جائز تھا۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے اُن کے بھائیوں اور والدین نے سجدۂ تحیت کیا تھا یعنی اُن کے آگے یہ حضرات جھک گئے تھے۔ اب شرع شریف کی رو سے یہ بھی جائز نہیں صرف السلام علیکم کہنا چاہئے۔ اسی وجہ سے ہم نے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کا ترجمہ آدمؑ کے آگے جھک جانے کا کیا ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

ابلیس کا تکبر اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ۔ "مگر ابلیس نے (سجدہ سے) انکار کیا اور تکبر کیا۔"

ابلیس کا آغاز و انجام حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کَانَ اِبْلِیْسُ مِنْ اَشْرَفِ الْمَلَآئِکَةِ مِنْ اَکْبَرِهِمْ قَبِیْلَةً وَکَانَ خَازِنَ الْجِنَانِ وَکَانَ لَهٗ سُلْطَانُ سَمَآءِ الدُّنْیَا وَسُلْطَانُ الْاَرْضِ فَرَاٰی اَنَّ لِذٰلِکَ عَظَمَةً وَسُلْطَانًا عَلٰی اَهْلِ السَّمٰوٰتِ فَاَضْمَرَ فِیْ قَلْبِهٖ مِنْ ذٰلِکَ کِبْرًا لَّمْ یَعْلَمْهُ اِلَّا اللّٰهُ فَلَمَّا اَمَرَ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ خَرَجَ کِبْرُهُ الَّذِیْ کَانَ یُسِرُّ۔ (ابن المنذر) "ابلیس تمام فرشتوں سے اشرف اور اس کا قبیلہ بھی فرشتوں کے قبائل سے بہت بڑا تھا۔ وہ جنتوں کا خزانچی تھا اور آسمان دنیا اور زمین کی بادشاہت بھی اس کو حاصل تھی۔ اس نے سمجھا کہ اس وجہ سے اس کو برتری اور تمام آسمان والوں پر اس کو بادشاہت حاصل ہے۔ اس بنا پر اپنے دل میں وہ خود کو سب سے بڑا سمجھا ہوا تھا۔ اس کے دل کی یہ بات اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی پھر جب اللہ نے فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو اس کے دل میں جو تکبر چھپا ہوا تھا وہ ظاہر ہو گیا۔" چنانچہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

کرنے سے انکار کردیا" اس سے معلوم ہوا کہ تکبر ایسی بُری بلا ہے جس کی شامت سے سارے کمالات اور محاسن پر پانی پھر جاتا ہے اور تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔

تکبر عزازیل را خوار کرد — بزندان لعنت گرفتار کرد

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ کَانَ اِبْلِیْسُ اسْمُہٗ عَزَازِیْلَ وَ کَانَ مِنْ اَشْرَفِ الْمَلٰٓئِکَۃِ مِنْ ذَوِی الْاَجْنِحَۃِ الْاَرْبَعَۃِ ثُمَّ اُبْلِسَ بَعْدُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتمؒ، ابن الانباری، بیہقی) ابلیس کا نام (اسمائے ملائکہ سے ملتا ہوا) عزازیل تھا باعزت و شرف ملائکہ میں اس کا شمار تھا اس کے بھی چار پر تھے پھر اس کا نام ابلیس قرار پایا" حضرت موصوف نے یہ بھی فرمایا:۔ کَانَ اِبْلِیْسُ قَبْلَ اَنْ یَّرْکَبَ الْمَعْصِیَۃَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ کَانَ اسْمُہٗ عَزَازِیْلَ وَکَانَ مِنْ سُکَّانِ الْاَرْضِ وَکَانَ مِنْ اَشَدِّ الْمَلٰٓئِکَۃِ اجْتِہَادًا وَّاَکْثَرِہِمْ عِلْمًا فَذٰلِکَ دَعَاہُ اِلَی الْکِبْرِ وَکَانَ مِنْ حَیٍّ یُّسَمُّوْنَ جِنًّا۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن الانباری) معصیت کا مرتکب ہونے سے پہلے ابلیس ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا نام عزازیل تھا۔ اور زمین پر اس کی بود و باش تھی۔ تمام فرشتوں سے زیادہ طاعت و عبادت میں اس کا حصہ تھا اور علمی اعتبار سے بھی یہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ بس

یہی چیز اس کے تکبر کا باعث ہوئی۔ اس کا جنسی تعلق ایک قبیلہ سے تھا جس کو جن کے نام سے پکارا جاتا تھا" اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیۂ کریمہ سے ہوتی ہے:۔ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ یقیناً وہ ابلیس قوم جن سے تھا جس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی" یہاں مفسرین کرام کے اور بھی اقوال ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم لحقیقۃ الحال۔

سجدۂ ملائکہ کی تفسیر حضرت قتادہ آیہ کریمہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ کَانَتِ السَّجْدَۃُ لِاٰدَمَ وَالطَّاعَۃُ لِلّٰہِ وَحَسَدَ عَدُوُّ اللّٰہِ اِبْلِیْسُ اٰدَمَ عَلٰی مَآ اَعْطَاہُ اللّٰہُ مِنَ الْکَرَامَۃِ فَقَالَ اَنَا نَارِیٌّ وَھٰذَا طِیْنِیٌّ فَکَانَ بَدْءُ الذُّنُوْبِ الْکِبْرَ اِسْتَکْبَرَ عَدُوُّ اللّٰہِ اَنْ یَّسْجُدَ لِاٰدَمَ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) سجدہ بظاہر آدمؑ کی طرف تھا مگر طاعت و عبادت درحقیقت اللہ سبحانہ کی تھی۔ دشمن خدا ابلیس نے آدم علیہ السلام کے ساتھ حسد کیا اس بزرگی کی بنا پر جو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔ کہنے لگا کہ میں ناری ہوں جو آگ سے پیدا ہوا اور یہ مٹی کیچڑ سے بنایا ہوا ہے۔ اس طرح گناہوں کی ابتدا تکبر سے ہوئی۔ دشمن خدا نے آدم کو سجدہ کرنے کے بارے میں اپنی بڑائی جتائی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ اِنَّمَا سُمِّیَ اِبْلِیْسُ لِاَنَّ اللّٰہَ اَبْلَسَہٗ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّہٖ آیَسَہٗ مِنْہُ ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری)

شیطان کا نام "ابلیس" اس لئے رکھا گیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کو ہر ادم خیر سے دور رکھا اور خیر کے کرنے سے اس کو مایوس و ناامید قرار دیا۔ "اُبْلِسَ" کے معنی ہیں ناامید کیا ہوا۔

کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ کی تفسیر

وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ۔ اور وہ (ابلیس) تھا ہی منکرین میں سے ۔" یعنی علم الٰہی میں ازل ہی سے کافر تھا۔ اوروں کو یہ بات معلوم نہ تھی اس کی ساری ریاضت و طاعت ریا و فریب تھی۔ پھر جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ کافر ہے۔ اس کا کفر صرف یہی نہیں کہ اس نے سجدے سے انکار کیا بلکہ ان وجوہ سے بھی کہ اس نے حکم الٰہی کو خلاف حکمت و مصلحت اور اپنے لئے موجب ننگ و عار خیال کیا۔ اور آدم کے مقابلے میں خود کو بلند و برتر سمجھا۔

علم کی فضیلت

مذکورالصدر پوری روداد سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حضرت انسان یا آدم علیہ السلام کو ملائکہ کرام پر جو فضیلت حاصل ہوئی وہ علم ہی کی بدولت ہے۔ ملائکہ کرام عبادت کے لئے پیدا ہوئے تھے عبادت کے اعتبار سے بنی آدم

فرشتوں پر سبقت نہیں لے جا سکتے۔ علم ایسی فضیلت ہے کہ تمام عمر کی عبادت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی وجہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى اَدْنَاكُمْ۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمھارے ادنیٰ شخص پر ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ عابد اپنی عمر بھر کی ریاضت و عبادت سے صرف اپنی نجات کا سامان کرتا ہے لیکن عالم کا یہ حال ہے کہ اس کی بدولت بہت ساری مخلوق اپنی نجات کا سامان کرتی اور نجات پاتی ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا:۔

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ بشکست عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود تا اختیار کردی ازاں ایں فریق را
گفت او گلیم خویش بروں مے برد ز موج ویں جہد مے کند کہ بگیرد غریق را

2-35 وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور کہا ہم نے اے آدم! رہا کرو تم اور تمھاری بی بی
جنت میں اور کھاتے رہو اس میں سے جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو جی بھر؛
اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو جاؤ گے تم ظالموں سے"

زَوجُكَ کی تفسیر | حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نیز متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے:۔ لَمَّا سَكَنَ آدَمُ الْجَنَّةَ كَانَ يَمْشِي فِيهَا وَحْشًا لَيْسَ لَهُ زَوْجٌ يَسْكُنُ إِلَيْهَا فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا عِنْدَ رَأْسِهِ امْرَأَةٌ خَلَقَهَا اللّٰهُ مِنْ ضِلْعِهِ فَسَأَلَهَا مَا أَنْتِ قَالَتِ امْرَأَةٌ قَالَ وَلِمَ خُلِقْتِ قَالَتْ لِتَسْكُنَ إِلَيَّ قَالَتْ لَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَنْظُرُونَ مَا يَبْلُغُ عِلْمُهُ مَا اسْمُهَا يَا آدَمُ قَالَ حَوَّآءُ قَالُوا لِمَ سُمِّيَتْ حَوَّآءَ قَالَ لِأَنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ حَيٍّ فَقَالَ اللّٰهُ يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی، ابن عساکر) آدم علیہ السلام جب جنت میں رہنے لگے تو وحشت زدہ ہوکر پریشان پھرتے رہے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے سکون حاصل کریں اتفاق سے وہ سو رہے۔ ایک نیند لیکر جاگ اٹھے تو ایک عورت کو اپنے سر کے پاس بیٹھی ہوی پایا جن کو اللہ سبحانہ نے آپ کی بائیں پسلی سے پیدا کیا تھا۔ پوچھا تم کیا چیز ہو۔ انھوں نے کہا میں ایک عورت ہوں۔ فرمایا کہ تم کیوں پیدا کی گئی ہو۔ جواب دیا تاکہ آپ میرے پاس سکون خاطر حاصل کریں۔ فرشتوں نے آپ کا مبلغ علم دیکھنے کے لئے پوچھا۔ آدم! ان کا نام کیا ہے؟ جواب دیا

حوا ہے۔ پھر دریافت کیا ان کا نام حوا کیوں رکھا گیا؟ فرمایا اس لئے کہ وہ ایک زندہ شخص سے پیدا کی گئی ہیں۔ پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔ اے آدم! تم اور تمہاری بی بی دونوں جنت میں رہو۔"

حضرت حواؑ کی لطافت حضرت اشعث حدانی فرماتے ہیں:۔ كَانَتْ حَوَّآءُ مِنْ نِسَآءِ الْجَنَّةِ وَكَانَ الْوَلَدُ يُرٰى فِىْ بَطْنِهَا إِذَا حَمَلَتْ ذَكَرًا أَوْ أُنْثٰى مِنْ صَفَآئِهَا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت حواء علیہ السلام خواتین جنت سے تھیں ان کی لطافت و پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ حاملہ ہوئیں تو بچہ ان کے پیٹ میں سے دکھائی دیتا اور لڑکا ہے یا لڑکی پہچان لیا جا سکتا تھا۔"

رَغَدًا کی تفسیر وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا۔ اور تم دونوں کھاتے رہو نعیم جنت سے جی بھر۔" حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رَغَدًا کی تفسیر میں مروی ہے:۔ الْهَنِيُّ۔ خوشگوار۔ رچتا پچتا۔" یعنی جنت کی ہر نعمت خوشگوار طبع ہوگی۔ اس کو دیکھتے، لیتے اور کھانے کو جی چاہتا ہوگا۔ پھر کھانے کے بعد اس میں کسی قسم کی ناگواری یا ثقل کو دخل نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ رَغَدًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ اَلرَّغَدُ سَعَةُ الْمَعِيْشَةِ

(ابن جریر، ابن ابی حاتم) رَغَدًا کے معنی گزر بسر کی وسعت کے ہیں "یعنی ہر چیز افراط کے ساتھ ہو گی۔ جتنا جی چاہے اپنے استعمال میں لاؤ۔ یہاں کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ یہاں خوشگواری اور افراط دونوں اوصاف مراد لئے جا سکتے ہیں۔

حَیۡثُ شِئۡتُمَا کی تفسیر

حَیۡثُ شِئۡتُمَا۔ تم دونوں جہاں چاہو "رہو اور جو چیز جتنی چاہو لو۔ حضرت مجاہد نے اس کی تفسیر میں فرمایا:— لَا حِسَابَ عَلَیۡکُمۡ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) تم سے کسی امر کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ جنت میں کسی امر کی کوئی پابندی اور قید و بند نہیں ہے۔ اور نہ تم پر کسی چیز کی ذمہ داری ہے۔

لا تقربا هذه الشجرة کی تفسیر

وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ۔ اور پاس نہ جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے ظالموں سے "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— اَلشَّجَرَةُ الَّتِيۡ نَهَى اللّٰهُ عَنۡهَا آدَمَ السُّنۡبُلَةُ وَفِيۡ لَفۡظٍ اَلۡبُرُّ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، ابن عساکر) جس درخت کے پاس جانے سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آدمؑ کو منع فرمایا وہ خوشہ دار درخت تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ گیہوں کا پودا تھا۔"

حضرت وہب بن منبہؒ کی روایت بھی یہی ہے۔ اس میں مزید صراحت یوں ہے:—

اَلشَّجَرَۃُ الَّتِیْ نَھَی اللّٰہُ عَنْھَا آدَمَ اَلْبُرُّ وَلٰکِنَّ الْحَبَّۃَ مِنْھَا فِی الْجَنَّۃِ کَکُلَی الْبَقَرِ اَلْیَنُ مِنَ الزُّبْدِ وَاَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) "جس درخت کے پاس جانے سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو منع فرمایا تھا وہ گیہوں کا پودا تھا لیکن جنت میں اس کا ایک ایک دانہ گائے کے گردے کے برابر مسکہ سے نرم تر اور شہد سے شیریں تر۔" دوسری روایات میں انگور، انجیر، بادام، خرما، ترنج وغیرہ بھی وارد ہے۔ واللہ اعلم۔

اس ممانعت کا راز اس ممانعت میں حکمت کیا تھی؟ اس کی نسبت حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں:— کَانَتِ الشَّجَرَۃُ مَنْ اَکَلَ مِنْھَا اَحْدَثَ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَکُوْنَ فِی الْجَنَّۃِ حَدَثٌ۔ (ابن ابی حاتم، ابو الشیخ) "شجرِ ممنوعہ سے ممانعت اس بنا پر تھی کہ جو کوئی اس کو استعمال کرے گا اس کو حدث ہوگا اور جنت محلِ حدث نہیں۔" یعنی بول و براز کی جگہ نہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: اِبْتَلَی اللّٰہُ آدَمَ کَمَا ابْتَلَی الْمَلَائِکَۃَ قَبْلَہٗ وَکُلُّ شَیْءٍ خَلَقَ مُبْتَلًی وَلَمْ یَدَعِ اللّٰہُ شَیْئًا مِنْ خَلْقِہٖ اِلَّا ابْتَلَاہُ بِالطَّاعَۃِ فَمَا زَالَ الْبَلَاءُ بِآدَمَ حَتّٰی وَقَعَ فِیْمَا نَھَاہُ عَنْہُ۔ (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا (اس ممانعت کے ذریعہ) امتحان لیا جیسا کہ اس سے پیشتر فرشتوں کا

امتحان فرمایا اور ہر چیز جو پیدا کی گئی اس کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی کسی مخلوق کو اپنی طاعت و فرماں برداری کا امتحان لئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان ہوتا رہا تا آنکہ آپ ممنوعہ شئی کے امتحان میں مبتلا ہو گئے ‘‘ حضرت قتادہ کا ایک قول یہاں یہ بھی ہے : ۔ فَبَدَتْ لَهٗ سَوْأَتُهٗ ذٰلِكَ وَكَانَ لَا يَرَاهَا فَاُهْبِطَ مِنَ الْجَنَّةِ۔ (عبد بن حمید)

اور ممنوع کی خلاف ورزی ہوئی تھی کہ آپ کی شرمگاہ آپ پر ظاہر ہو گئی جس کو آپ نہیں دیکھا کرتے تھے۔ پھر آپ جنت سے باہر کر دیے گئے ‘‘ جیسا کہ آگے صراحت آ رہی ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا 2-36
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ
اِلٰى حِيْنٍ ۝ پھر پھسلا دیا اُن کو شیطان نے وہاں سے پھر نکالا اُن کو اُس (عزت و راحت) سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم (آپس میں) ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اُٹھانا ہے ایک وقت تک

آیۂ کریمہ مندرجۂ صدر کی تفسیر	یعنی شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے جنت سے دور کر دیا

اور وہ جس لطف و راحت میں تھے اس سے ان کو نکال دیا۔ پھر ہمارا حکم ہوا کہ آدمؑ حواء، ابلیس اور سانپ جنت سے آسمانوں پر اور آسمانوں سے زمین پر اتار دئے جائیں ایسی حالت میں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ اور وقت مقررہ یعنی موت یا قیامت تک زمین ہی ان کا ٹھکانا بنی رہے۔ اور زمین کی پیداوار سے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہیں۔

ایک سوال کا جواب | یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس کو تو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا تھا پھر وہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں کس طرح آنے پایا؟ اس کے متعلق علامہ بغوی فرماتے ہیں : ـــ

اِنَّ اِبْلِیْسَ اَرَادَ اَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ لِیُوَسْوِسَ آدَمَ وَحَوَّآءَ فَمَنَعَتْہُ الْخَزَنَۃُ فَاَتَتْہُ الْحَیَّۃُ وَکَانَتْ صَدِیْقَۃً لِاِبْلِیْسَ وَکَانَتْ مِنْ اَحْسَنِ الدَّوَابِّ لَھَا اَرْبَعُ قَوَائِمَ کَقَوَائِمِ الْبَعِیْرِ وَکَانَتْ مِنْ خُزَّانِ الْجَنَّۃِ فَسَأَلَھَا اِبْلِیْسُ اَنْ تُدْخِلَہٗ فِیْ فَمِھَا فَاَدْخَلَتْہُ فَمَرَّتْ بِہٖ عَلَی الْخَزَنَۃِ وَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ فَاَدْخَلَتْہُ الْجَنَّۃَ۔ (مظہری) ابلیس نے چاہا کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے لئے داخلِ جنت ہو مگر محافظین نے اس کو روک دیا۔ اتنے میں سانپ آیا جس کی ابلیس سے دوستی تھی۔

اس عہد میں سانپ خوبصورت جانور تھا جس کے اونٹ کی طرح چار پاؤں تھے
یہ بھی جنت کا نگران کار تھا۔ ابلیس نے اس سے درخواست کی کہ اپنے منہ میں
بٹھا کر جنت میں چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ اس کو اسی طرح نگران کاروں کے پاس لے گیا
ان کو اس طرح آنے کا علم نہ تھا۔ سانپ نے اس طرح ابلیس کو جنت میں لاکر چھوڑ
دیا" اس مضمون کی علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابوالعالیہ
وہب بن منبہ اور محمد بن قیس سے روایت کی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:
اِنَّمَا رَآهُمَا عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ لِاَنَّهُمَا كَانَا يَخْرُجَانِ مِنْهَا (مظہری) حضرت
آدم و حوا علیہما السلام کو ابلیس نے جنت کے دروازے پر دیکھ لیا تھا۔ (وہیں سے
اس نے وسوسہ ڈالا) کیونکہ یہ دونوں حضرات جنت سے باہر بھی آیا کرتے تھے"

اغوائے شیطان کی وضاحت

علامہ بغوی نے یہ بھی فرمایا:۔ وَقَدْ كَانَ آدَمُ لَمَّا
دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ لَوْ اَنَّ خُلْدًا۔ فَلَمَّا دَخَلَ
الشَّيْطَانُ الْجَنَّةَ وَقَفَ بَيْنَ آدَمَ وَحَوَّاءَ وَهُمَا لَا يَعْلَمَانِ اَنَّهُ
اِبْلِيْسُ فَبَكٰى وَنَاحَ نِيَاحَةً اَحْزَنَتْهُمَا وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ نَاحَ۔ فَقَالَا
مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اَبْكِيْ عَلَيْكُمَا تَمُوْتَانِ فَتُفَارِقَانِ مَا اَنْتُمَا فِيْهِ مِنَ
النِّعْمَةِ فَوَقَعَ ذٰلِكَ فِيْ اَنْفُسِهِمَا وَاغْتَمَّا فَقَالَ اِبْلِيْسُ هَلْ اَدُلُّكَ

عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ فَاَبٰی اَنْ یَقْبَلَ مِنْہُ فَقَاسَمَھُمَا بِاللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النَّاصِحِیْنَ۔ فَاغْتَرَّا وَمَا ظَنَّا اَنَّ اَحَدًا یَحْلِفُ بِاللّٰہِ کَاذِبًا۔ فَبَادَرَتْ حَوَّاءُ اِلٰی اَکْلِ الشَّجَرَۃِ ثُمَّ نَاوَلَتْ آدَمَ حَتّٰی اَکَلَھَا۔

(مظہری) حضرت آدم علیہ السلام جب داخل جنت ہوئے تو فرمایا کاش یہاں ہمیشہ رہنا ہوتا۔ پھر جب شیطان بھی جنت میں آن پہنچا تو حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے درمیان ٹھہر گیا اور یہ دونوں حضرات جانتے تک نہ تھے کہ یہ ابلیس لعین ہے۔ اور نوحہ کرکر کے اتنا رویا کہ یہ دونوں حضرات بھی اس سے متاثر ہو گئے۔ (خوبیاں بیان کرکر کے رونا ابلیس ہی کی ایجاد ہے) اسی نے سب سے پہلے نوحہ کیا۔ ان حضرات نے اس سے دریافت کیا کہ کیوں اتنا رو رہا ہے؟ اس نے کہا میں آپ دونوں کے لئے ہی رو رہا ہوں۔ تم دونوں مر جائیں گے تو اس وقت جن نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو یہ سب جاتا رہے گا۔ یہ بات ان کے ذہن نشین ہو گئی اور اس پر مغموم رہے۔ (یہ دیکھ کر کہ داؤ چل گیا) ابلیس نے کہا کیا آپ کو وہ درخت بتا دوں جس کے کھانے سے قیام و دوام حاصل رہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی بات ماننے سے انکار فرما دیا۔ اس پر اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا۔ بخدا! میں آپ دونوں کا سچا بہی خواہ ہوں۔ اس پر ان دونوں حضرات کو دھوکہ ہو گیا ان کو گمان تک نہ گزرا کہ

کوئی اللہ پاک کا نام لے کر جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت حوا علیہا السلام نے سبقت کر کے اس شجرہ ممنوعہ کو کھا لیا، پھر اپنے ہاتھ سے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی دیا، چنانچہ آپ نے بھی تناول فرما لیا۔"

مضمون بالا کی تائید اس کی تائید روایت ذیل سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے: لَمَّا قَالَ اللّٰهُ لِآدَمَ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اَرَادَ اِبْلِيْسُ اَنْ يَّدْخُلَ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ فَاَتَى الْحَيَّةَ وَهِيَ دَابَّةٌ لَهَا اَرْبَعُ قَوَائِمَ كَاَنَّهَا الْبَعِيْرُ وَهِيَ كَاَحْسَنِ الدَّوَابِّ فَكَلَّمَهَا اَنْ تُدْخِلَهٗ فِيْ فَمِهَا حَتّٰى تَدْخُلَ بِهٖ اِلٰى آدَمَ فَاَدْخَلَتْهُ فِيْ فَمِهَا فَمَرَّتِ الْحَيَّةُ عَلَى الْخَزَنَةِ فَدَخَلَتْ وَلَا يَعْلَمُوْنَ لِمَا اَرَادَ اللّٰهُ مِنَ الْاَمْرِ فَكَلَّمَهٗ مِنْ فَمِهَا فَلَمْ يُبَالِ بِكَلَامِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا آدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى وَحَلَفَ لَهُمَا بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَاَبٰى آدَمُ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا فَقَعَدَتْ حَوَّآءُ فَاَكَلَتْ ثُمَّ قَالَتْ يَا آدَمُ كُلْ فَاِنِّيْ قَدْ اَكَلْتُ فَلَمْ يَضُرَّنِيْ فَلَمَّا اَكَلَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جب

آدم علیہ السلام سے ارشاد الٰہی ہوا کہ تم اور تمھاری بی بی دونوں جنت میں رہا کرو تو ابلیس نے چاہا کہ جنت میں ان دونوں کے پاس آئے۔ پھر (اس نے تدبیر یہ کی کہ) سانپ کے پاس آیا وہ اس وقت اونٹ کی طرح چار پاؤں والا نہایت خوبصورت جانور تھا۔ ابلیس اس سے ہم کلام ہوا کہ اپنے منہ میں ابلیس کو بٹھا کر آدم علیہ السلام کے پاس لے جائے۔ اس نے اس بات کو مان لیا۔ چنانچہ جب سانپ اس کو لے کر گزرا تو جنت کے خازنوں کو معلوم تک نہ تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا منشائے اقدس اس امر میں کیا تھا؟ پھر ابلیس نے سانپ کے منہ میں بیٹھے بیٹھے وہیں سے حضرت آدم علیہ السلام سے ہم کلام ہونا چاہا مگر آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ پھر وہ اس کے منہ سے باہر نکل آیا اور کہا آدم! کیا میں آپ کو شجرۂ خلد بتاؤں جس کے کھانے سے آپ کو دوام حاصل ہو اور بوسیدہ نہ ہونیوالا ملک نصیب ہو۔ اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے سامنے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں آپ دونوں کا یقیناً خیر خواہ ہوں۔ اس پر بھی حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت کے کھانے سے انکار ہی فرمایا۔ مگر حضرت حوا علیہا السلام بہک گئیں اور اس درخت کو چکھ لیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں کہ آپ بھی کھا لیجئے۔ کیونکہ اس سے مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا (ان کے کہنے پر) جب آپ نے تناول فرمایا تو (دونوں کا جنتی لباس سلب ہو گیا اور) ہر ایک کی شرمگاہ (جو اب تک مستور تھی) ظاہر ہو گئی۔

اور دونوں (مارے شرم کے) اشجارِ جنت کے پتوں سے خود کو ڈھانکنے لگے۔"

حضرت آدم کا جنت سے بلا حجاب الگ کر دیا جانا

حضرت اُبی بن کعبؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا:—

إِنَّ آدَمَ كَانَ رَجُلًا طُوَالًا كَأَنَّهُ نَخْلَةٌ سَحُوقٌ سِتِّينَ ذِرَاعًا كَثِيرَ شَعْرِ الرَّأْسِ فَلَمَّا رَكِبَ الْخَطِيئَةَ بَدَتْ لَهُ عَوْرَتُهُ وَكَانَ لَا يَرَاهَا قَبْلَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا فِي الْجَنَّةِ فَتَعَلَّقَتْ بِهِ شَجَرَةٌ فَأَخَذَتْ بِنَاصِيَتِهِ فَقَالَ لَهَا أَرْسِلِينِي قَالَتْ لَسْتُ بِمُرْسِلَتِكَ وَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا آدَمُ أَمِنِّي تَفِرُّ قَالَ يَا رَبِّ اسْتَحْيَيْتُكَ قَالَ يَا آدَمُ اخْرُجْ مِنْ جِوَارِي فَبِعِزَّتِي لَا أُسَاكِنُ مَنْ عَصَانِي وَلَوْ خَلَقْتُ مِلْءَ الْأَرْضِ مِثْلَكَ خَلْقًا ثُمَّ عَصَوْنِي لَأَسْكَنْتُهُمْ دَارَ الْعَاصِينَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ أَنَا تُبْتُ وَرَجَعْتُ أَتَتُوبُ عَلَيَّ قَالَ نَعَمْ يَا آدَمُ۔

(ابن اسحاق، ابن سعد، امام احمد، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت شخص تھے گویا کہ وہ کھجور کی پیڑ ہیں۔ ساٹھ ہاتھ لانبے۔ سر کے بال گھنے۔ جب وہ ایک غلطی کے مرتکب ہوئے تو ان کی شرمگاہ جو پہلے سے دکھائی نہ دیتی تھی۔ دکھائی دینے لگی۔ اب آپ جنت میں (ادھر اُدھر)

بھاگنے لگے تنے ہی آپ جنت کے ایک درخت سے اُلجھ گئے۔ اس نے آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لئے۔ آپ نے درخت سے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا نہیں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ ایسے میں رب العزت جل جلالہ نے ندا فرمائی کہ آدم! کیا مجھ سے بھاگ جانا چاہتے ہو؟ عرض کیا بار الہٰا! مجھے آپ سے شرم دامنگیر ہے۔ ارشاد ہوا آدم! ہمارے پڑوس سے نکل جاؤ ہماری عزت وجلال کی قسم ہے کہ ہم کو اپنے نافرمان کے ساتھ رہنا پسند نہیں۔ فرض کرو اگر ہم آپ کی طرح زمین بھر مخلوق بھی پیدا کرتے اور وہ ہماری نافرمانی کرتی تو ہم ان کو نافرمانوں کے گھر میں ہی رکھتے

حضرت آدم نے عرض کیا۔ بتائیے اگر میں توبہ کر لوں اور اپنی خطا سے رجوع کر جاؤں تو کیا آپ میری توبہ قبول فرمائیں گے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں اے آدم! (ضرور تمھاری توبہ قبول کر لیں گے" بلکہ ہر تائب کی توبہ قبول کرتے تیار ہیں)"

حضرت آدم کی غلطی ایک بھول تھی

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام شجرہ ممنوعہ کے پاس جاتے کبھی تیار نہ تھے جب ابلیس لعین نے خدا کی قسم کھا کر کہا تو آپ کو خیال گزرا کہ اللہ کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دیکر کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اس طرح آپ اس کے فریب میں آگئے۔ ادھر حضرت حوا علیہا السلام نے شجرۂ ممنوعہ کو کھا کر یہ کہا كُلْ يَا آدَمُ فَإِنِّي قَدْ أَكَلْتُ فَلَمْ يَضُرَّنِي آدم!

آپ بھی کھا لیجیے۔ چنانچہ میں نے بھی کھا لیا ہے اور اس سے مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا
تو آپ مروت میں آگئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد باری ہوا ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ
نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ آدم اس ممانعت کو بھول گئے ہم نے ان میں (غلطی کے ارتکاب کا)
عزم بالجزم نہیں پایا۔"

اهبطو کی تفسیر وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ اور ہم نے کہا کہ تم
سب (جنت کے بلند و برتر مقام سے نیچے کی جانب اتر جاؤ درحالیکہ تمہارے بعض بعض
کے دشمن ہوں گے۔" مفسرین کرام اهبطوا صیغۂ جمع کی تفسیر میں (فرماتے ہیں کہ
یہ حکم صرف آدم و حوا علیہما السلام کو نہیں ہوا بلکہ ان دو حضرات کے ساتھ ابلیس لعین
اور سانپ کو بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے
ہیں:۔ آدَمُ وَحَوَّاءُ وَإِبْلِيسُ وَالْحَيَّةُ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر،
ابن ابی حاتم) آدم و حوا اور ابلیس و سانپ۔" ان چاروں کو جنت سے نکل جانے کا
حکم ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے:۔ إِنَّ أَوَّلَ مَا أَهْبَطَ اللهُ
آدَمَ إِلَى أَرْضِ الْهِنْدِ وَفِي لَفْظٍ بِدَجْنَاءَ أَرْضِ بِالْهِنْدِ۔ (ابن جریر، ابن
ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے
زمین کے جس حصہ پر اتارا وہ سرزمین ہند تھی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ ہندستان ہی کی

دجناء نامی زمین پر اتارا۔" حضرت ابن عباسؓ ہی کی ایک روایت میں یہ تفصیل ہے:-

اُهْبِطَ آدَمُ بِالْهِنْدِ وَحَوَّآءُ بِجُدَّةَ فَجَآءَ فِي طَلَبِهَا حَتّٰى اَتٰى جَمْعًا فَازْدَلَفَتْ اِلَيْهِ حَوَّآءُ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتِ الْمُزْدَلِفَةُ وَاجْتَمَعَا بِجَمْعٍ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ جَمْعًا۔ (ابن سعد، ابن عساکر) حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اور حضرت حواء علیہا السلام جدہ میں اتارے گئے۔ پھر حضرت آدم حضرت حواء کی تلاش میں نکلے تا آنکہ مقام جمع میں تشریف لائے تو حضرت حواء علیہا السلام آپ کے قریب آگئیں اسی وجہ سے اس مقام کا نام ہی مزدلفہ پڑ گیا اور مقام جمع میں دونوں کا اجتماع ہوا اور اسی وجہ سے اس جگہ کو جمع کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔" اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس سے پہلے جبل عرفات کے پاس انھوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی وجہ سے اس مقام کو عرفات کہتے ہیں۔ حجاج بیت اللہ شریف جدہ سے مکہ مکرمہ کو آتے ہیں تو ہر سال آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کو آتے اور ۹ ذی الحجہ کو آفتاب بلند ہونے کے بعد عرفات کی طرف کوچ کرتے اور دن بھر وہاں ٹھہر کر مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشا ادا کرتے اور مقام جمع پر رات گزارتے پھر صبحدم یہاں سے بعد نماز فجر نکل کر منیٰ واپس آتے ہیں۔

ابلیس اور بی بی بچوں کی دشمنی | حضرت آدم و حواء ایک دوسرے کے

دشمن ہونا سورۂ تغابن کی اس آیۂ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ۔ اے ایمان والو! یقین جانو کہ تمھاری بعض بیبیاں اور تمھاری اولاد ہی تمھاری دشمن ہے لہٰذا تم ان سے پرہیز رہو۔"

اسی طرح شیطان کی نسبت ارشاد ہے:۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ یقین جانو کہ شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔" یہ بھی ارشاد ہے:۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔ یقیناً شیطان تمھارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اس کو دشمن بنائے رکھو۔"

سانپ کا دشمنِ انساں ہونا اسی طرح سانپ کا انسان کے حق میں دشمن ہونا بھی بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ جبھی تو ہر شخص اس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ الْحَیَّاتِ فَقَالَ خُلِقَتْ ھِیَ وَالْاِنْسَانُ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا عَدُوٌّ لِصَاحِبِہٖ اِنْ رَآھَا اَفْزَعَتْہُ وَاِنْ لَدَغَتْہُ اَوْجَعَتْہُ فَاقْتُلْھَا حَیْثُ وَجَدْتَّھَا۔ (ابن جریرؒ) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سانپوں کو مار ڈالنے کا سبب دریافت کیا گیا۔ فرمایا کہ سانپ بھی انسان کے ساتھ اس طرح پیدا

کیا گیا ہے کہ ہر ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ اگر انسان اس کو دیکھ لے تو وہ اس کو گھبرا دیتا اور پریشان کر دیتا ہے اور اگر سانپ نے انسان کو ڈس لیا تو اس کو درد مند کر دیتا ہے (اور بسا اوقات اس کو مار ڈالتا ہے) لہٰذا تم بھی اسکو جہاں پاؤ مار ڈالا کرو۔"

عورتوں کے باب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات حسب ذیل ہیں:—

عورتوں کو نیکی کی ترغیب دیجایا کرے

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ مِنَ الضِّلَعِ رَأْسُہٗ وَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ وَاِنْ تَرَکْتَہٗ تَرَکْتَہٗ وَفِیْہِ عِوَجٌ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا۔ (بخاری، مسلم) عورتوں کو بھلائی کرنے کی تاکید کرتے رہو کیونکہ عورت (ٹیڑھی) پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ حصہ جو ٹیڑھا ہے وہ اس کا سرا ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو اس کو توڑ دو گے۔ اور اگر اس کو (اسی حالت میں ٹیڑھا) چھوڑ دو گے تو اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ ہی گزارا ہوگا۔ لہٰذا عورتوں کو بھلائی کی تاکید کرتے رہو۔"

حضرت حواء اور خدیجہ کا فرق

حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں :۔ اِنَّ آدَمَ ذَکَرَ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا فُضِّلَ بِہٖ عَلَیَّ ابْنِیْ صَاحِبُ الْبَعِیْرِ اِنَّ زَوْجَتَہٗ کَانَتْ عَوْنًا لَّہٗ عَلٰی دِیْنِہٖ وَکَانَتْ زَوْجَتِیْ عَوْنًا لِّیْ عَلَی الْخَطِیْئَۃِ ۔ (ابن عساکر) حضرت آدم علیہ السلام نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح ذکر خیر فرمایا کہ مجھ پر سب سے زیادہ فضیلت جن کو عطا ہوئی وہ میرے ایک فرزند ہیں شتر سوار۔ ان کی بی بی دین کے بارے میں ان کی مددگار بنی رہیں۔ اور میری زوجہ غلطی کرنے میں میری مددگار ثابت ہوئیں " یہ حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اشارہ ہے۔

امہات المومنین اور حضرت حواء کا امتیاز

حضرت ابن عمرؓ کی ایک مرفوع روایت اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ فُضِّلْتُ عَلٰی آدَمَ بِخَصْلَتَیْنِ کَانَ شَیْطَانِیْ کَافِرًا فَاَعَانَنِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ حَتّٰی اَسْلَمَ وَکُنَّ اَزْوَاجِیْ عَوْنًا لِّیْ وَکَانَ شَیْطَانُ آدَمَ کَافِرًا وَزَوْجَتُہٗ عَوْنًا لَّہٗ عَلٰی عَلٰی خَطِیْئَتِہٖ ۔ (بیہقی، خطیب، دیلمی، ابن عساکر) مجھے دو خصوصیات کے ذریعہ آدم علیہ السلام پر فضیلت دی گئی۔ ایک یہ کہ میرا شیطان (ہمزاد) کافر تھا پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ

اس کے مقابلے میں میری مدد فرماتا رہا تا آنکہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (اور میرا تابع فرمان بنا رہا) اور میری تمام بی بیاں میری مددگار بنی رہیں۔ اور آدم علیہ السلام کا شیطان کافر تھا۔ (یعنی وہ کافر ہی بنا رہا) اور آدم علیہ السلام کی بی بی غلطی میں ان کی مددگار ثابت ہوئیں۔" اس سے تمام امہات المومنین مراد ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مباحثہ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسٰى فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى فَقَالَ مُوسٰى اَنْتَ آدَمُ الَّذِیْ اَغْوَیْتَ النَّاسَ وَاَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ فَقَالَ لَهٗ آدَمُ اَنْتَ مُوسٰى الَّذِیْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ كُلَّ شَیْءٍ وَاصْطَفَاهُ بِرِسَالَتِهٖ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَلُوْمُنِیْ عَلٰی اَمْرٍ قُدِّرَ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، آجری، بیہقی) حضرت آدم و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام میں باہم مباحثہ ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام بحث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ہی آدم ہیں جو لوگوں کے اغوا کا باعث ہو کر ان کو جنت سے باہر نکال لائے؟ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا۔ آپ ہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ہر چیز عطا فرمائی اور جن کو اپنی رسالت سے سرافراز فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اقرار کیا کہ ہاں میں وہی ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا پھر آپ کیا مجھے ایسی بات پر قابل ملامت قرار دیتے ہیں جو میری آفرینش سے پیشتر میری تقدیر میں لکھی جا چکی تھی۔"

اسی مضمون کی احادیث شریفہ حضرات ابوسعید خدری، امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب، جندب بجلی، ابوموسیٰ اشعری، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے باختلاف الفاظ مروی ہیں جو عبد بن حمید، ابن مردویہ، ابوداؤد، آجری، نسائی، ابویعلیٰ، طبرانی، ابوبکر شافعی، ابن النجار کی کتب احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

ولکم فی الارض مستقر کی تفسیر

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ۔ اور تمہارے لئے زمین میں قرارگاہ اور ایک وقت مقرر تک (وہاں کی چیزوں کو) برتنا اور ان سے نفع اٹھانا ہے۔" حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش ہی خلافت ارضی کے لئے عمل میں آئی تھی۔ گویا آپ کو خلیفۃ اللہ بنا کر ان کے دارالخلافہ پر بھیج دیا گیا۔ اور ابلیس لعین مردود و مطرود ہوکر زمین پر پٹک دیا گیا۔ حضرت رجاء بن ابی سلمہ فرماتے ہیں: اُهْبِطَ آدَمُ يَدَاهُ عَلَىٰ رُكْبَتَيْهِ مُطَأْطِئًا رَأْسَهُ وَأُهْبِطَ إِبْلِيسُ مُشَبِّكًا بَيْنَ أَصَابِعِهِ رَافِعًا رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو آپ کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ہوئے اور (کمال تواضع و انکسار کے ساتھ) اپنا سر جھکائے ہوئے تھے (قریب قریب بحالت

رکوع تشریف لائے) اور ابلیس اس حالت میں پٹک دیا گیا کہ وہ اپنی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا ہوا تھا (جیسے انگلیاں چٹخانے کے وقت ڈالی جاتی ہیں) اور اپنا سر (تکبر و غرور کے ساتھ) آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت حمید بن ہلال فرماتے ہیں:۔ اِنَّمَا کُرِہَ التَّخَصُّرُ فِی الصَّلٰوۃِ لِاَنَّ اِبْلِیْسَ اُھْبِطَ مُتَخَصِّرًا۔ (ابن ابی شیبہ) نماز میں کمر پر ہاتھ دھر کر کھڑے ہونا اسی لئے مکروہ قرار دیا گیا کہ ابلیس کمر پر ہاتھ دھرا ہوا اتارا گیا۔ (جو تکبر اور غرور کی علامت ہے اور احادیث شریفہ میں اس کو دوزخیوں کا قیام بتلایا گیا ہے)۔ آسمان سے زمین تک مسافت زیادہ ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ابلیس کبھی انگلیاں چٹخانے کی ہیئت میں اور کبھی کمر پر ہاتھ دھرا زمین پر آیا ہو۔

دنیا کے میوے اور جنتی میووں میں فرق

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا اَخْرَجَ اٰدَمَ مِنَ الْجَنَّۃِ زَوَّدَہٗ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَعَلَّمَہٗ صَنْعَۃَ کُلِّ شَیْءٍ فَثِمَارُکُمْ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ غَیْرَ اَنَّ ھٰذِہٖ تَتَغَیَّرُ وَتِلْکَ لَا تَتَغَیَّرُ (بزار، ابن ابی حاتم، طبرانی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا تو جنت کے کچھ پھل اور میوے توشہ کے طور پر ساتھ کر دیئے۔ اور ان کو ہر قسم کی صنعت

کاریگری کی تعلیم دی۔ اب تمہارے یہ پھل اور میوے جنت ہی سے آئے ہوئے ہیں۔ فرق اس قدر ہے کہ ان میں تغیر آتا ہے یعنی ان کا رنگ و بو اور ذائقہ بدلتا ہے اور وہاں کے میوے متغیر نہیں ہونے پاتے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اُھبِطَ آدَمُ بِثَلَاثِیْنَ صِنْفًا مِنْ فَاکِھَۃِ الْجَنَّۃِ مِنْھَا یُؤْکَلُ دَاخِلُہٗ وَخَارِجُہٗ وَمِنْھَا مَا یُؤْکَلُ خَارِجُہٗ وَیُطْرَحُ دَاخِلُہٗ وَمِنْھَا مَا یُؤْکَلُ دَاخِلُہٗ وَیُطْرَحُ خَارِجُہٗ۔ (ابن ابی حاتم) حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کے تیس قسم کے میوے اتارے گئے (غالباً اس لئے کہ روزانہ ایک ایک میوہ تناول فرماتے رہیں تو ایک مہینہ گزر جائے اور کوئی تکلیف بھوک و پیاس نہ پہنچے۔) بعض تو وہ ہیں جن کا اندرونی اور بیرونی ہر ایک حصہ کھایا جاتا ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کا اندرونی حصہ کھانے میں آتا ہے اور بیرونی پوست پھینک دیا جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا بیرونی حصہ کھایا جاتا اور اندرونی گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔"

حضرت آدم و حواء کی تن پوشی

حضرت آدم و حواء علیہما السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو آپ سینکڑوں ہزاروں کام کرتے ہوئے مختلف النوع تمام صنعتیں سیکھتی پڑیں جیسا کہ اوپر گزرا حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ھَبَطَ آدَمُ وَحَوَّاءُ عُرَاۃً یَانَیْنِ جَمِیْعًا عَلَیْھِمَا وَرَقُ الْجَنَّۃِ فَاَصَابَہُ الْحَرُّ حَتّٰی قَعَدَ یَبْکِیْ وَ

يَقُوْلُ لَهَا يَا حَوَّاءُ قَدْ آذَانِي الْحَرُّ فَجَاءَ جِبْرِيْلُ بِقُطْنٍ وَأَمَرَهَا أَنْ تَغْزِلَ وَعَلَّمَهَا وَعَلَّمَ آدَمَ وَأَمَرَ آدَمَ بِالْحِيَاكَةِ وَعَلَّمَهُ ۔ (ابن عساکر)

آدم و حوا علیہما السلام دونوں جنت سے برہنہ تن اترے ان پر جنت کے پتے (لپٹے ہوئے) تھے ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو گرمی لگ گئی جس سے وہ روتے ہوئے بیٹھ گئے اور اپنی بی بی سے فرمایا حوا! مجھے گرمی نے تکلیف پہنچائی ۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام روئی لے کر آئے ۔ اور حضرت حوا علیہا السلام سے فرمائش کی کہ اس کو کات کر تاگہ بنائیں ۔ اور ان کو کاتنے کی تعلیم دی ۔ آدم علیہ السلام سے بھی بننے کی فرمائش کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو کپڑا بُننے کے لئے کہا اور اس کی تعلیم دی" حضرت ابن جریج فرماتے ہیں: لَمَّا أَهْبَطَ اللّٰهُ آدَمَ أَهْبَطَ بِأَشْيَاءَ ثَمَانِيَةِ أَزْوَاجٍ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالضَّأْنِ وَالْمَعْزِ ۔ (ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب (زمین پر) اتار دیا تو ان کے ساتھ آٹھ جوڑے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری کے اتار دیئے (تاکہ نسل بڑھے اور ان کے دودھ، گوشت، صوف اور کھال سے آدم علیہ السلام اور آپ کی نسل مستفید ہوتی رہے) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: فَلَمَّا رَأَى اللّٰهُ عُرْيَ آدَمَ وَحَوَّاءَ أَمَرَهُ أَنْ يَذْبَحَ كَبْشًا مِنَ الضَّأْنِ مِنَ الثَّمَانِيَةِ الْأَزْوَاجِ الَّتِيْ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْجَنَّةِ فَأَخَذَ آدَمُ كَبْشًا وَذَبَحَهُ ثُمَّ

اَخَذَ صُوْفَۃً فَغَزَلَتْہُ حَوَّآءُ وَنَسَجَہٗ ھُوَ فَنَسَجَ آدَمُ جُبَّۃً لِنَفْسِہٖ وَجَعَلَ لِحَوَّآءَ دِرْعاً وَخِمَاراً فَلَبِسَاہُ ۔ (ابن سعد) جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی برہنگی ملاحظہ فرمائی تو ان کو ایک دنبہ ذبح کرنے کا حکم دیا' ان آٹھ جوڑوں میں سے جو جنت سے اتارے گئے تھے ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک دنبہ لے کر اس کو ذبح کر دیا پھر اس کا صوف لیا تو حضرت حوا علیہا السلام نے اس کو کاتا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو بُنا اور اس سے اپنے لئے ایک جُبّہ اور اور حضرت حوا علیہا السلام کے لئے ایک کرتا اور اوڑھنی تیار کی پھر اس کو ان دونوں نے پہن لیا' جس سے ان کی تن پوشی ہوئی اور برہنگی دفع ہوئی ۔

حضرت انبیاء علیہم السلام کا ذریعہ معاش

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا :۔ کَانَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَرَّاثاً وَکَانَ اِدْرِیْسُ خَیَّاطاً وَکَانَ نُوْحٌ نَجَّاراً وَکَانَ ھُوْدُ تَاجِراً وَکَانَ اِبْرَاھِیْمُ رَاعِیاً وَکَانَ دَاوٗدُ زَرَّاداً وَکَانَ سُلَیْمَانُ خَوَّاصاً وَکَانَ مُوْسٰی اَجِیْراً وَکَانَ عِیْسٰی سَیَّاحاً وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شُجَاعاً جُعِلَ رِزْقُہٗ تَحْتَ رُمْحِہٖ ۔ (ابن عساکر) حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (بکریاں) چراتے تھے

اور حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہونے کے باوجود (لوہے کی) زرہیں تیار کرتے تھے (جنگی لباس جو لڑائیوں کے موقع پر پہنا جاتا ہے) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (روئے زمین کے شہنشاہ اعظم ہونے کے باوجود) ٹوکریاں بناتے (اور ان کو فروخت کرکے اپنے اذوقہ کا انتظام فرماتے تھے بیت المال سے کچھ نہ لیتے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مزدوری کیا کرتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیاحت فرمایا کرتے' اور حضور اقدس محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہادر سپاہی تھے جن کا اذوقہ آپ کے نیزے کے سایہ میں رکھا گیا تھا۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذریعہ معاش

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریشی صحابہ کرام کی ایک جماعت کو تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ اس سے خوش ہو کر ارشاد ہوا: اِرْمُوْا یَابَنِیْٓ اِسْمَاعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا۔ اے فرزندان اسماعیل! تیر چلائے جاؤ کیونکہ تمہارے باپ (حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تیر انداز تھے۔" نشانہ اندازی تیر و کمان کے ذریعہ ہو یا بندوق وغیرہ کے ذریعہ اس کو بھی ضرور سیکھنا چاہیئے تاکہ شکار وغیرہ کے سلسلہ میں کام آئے۔ شکار بھی ذریعہ معاش ہو سکتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذریعہ معاش شکار تھا۔ یہ تمام انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام نبوت و رسالت کے جلیل القدر عہدوں

اور مناصب عالیہ پر فائز رہنے کے باوصف مذکورہ پیشوں کو اختیار کر کے اپنی اور اپنے متعلقین کی معیشت کا انتظام فرماتے اور نبوت و رسالت کے اہم ترین فرائض خالصاً لوجہ اللہ انجام دیا کرتے اور صاف و صریح طور پر اپنی قوم میں اعلان فرماتے۔ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور میں تم سے کوئی صلہ یا معاوضہ (تبلیغ دین و احکام الٰہی کی اشاعت کا) نہیں مانگتا۔ میرا اجر کسی کے ذمہ نہیں صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جو تمام عالمین کا پالن ہار ہے"

قوم سے خطاب آج تمام مسلمان فکر معیشت میں لگے ہوئے ہیں۔ روز و شب روزگار کی فکر دامنگیر ہے لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں کو کوئی نہ کوئی پیشہ زراعت ہو یا تجارت، صنعت و حرفت ہو یا سپہ گری اختیار کرنی چاہئے۔ کوئی پیشہ ذلیل نہیں۔ حضرات انبیاء و رسل علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پاک زندگیوں سے سبق حاصل کیا جاسکتا اور ان کی حیات طیبہ کو مشعل راہ بنا کر حلال طریقہ سے باعزت روزی حاصل کی جاسکتی ہے جن کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ فَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ پر عمل کیا جائے یعنی رزق تقسیم شدہ ہے لہٰذا جمیل طریقہ سے اس کو طلب کرنا چاہئے۔ جس قدر مقسوم میں ہے مل کر رہے گا۔ اکتساب رزق سنت انبیاء ہے ان کی مبارک سنتوں میں سے کسی ایک سنت پر عمل کیا جائے تو رزق بھی حاصل ہو گا اور اتباع

سنت کا اجر بھی ملے گا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار   بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

حضرت آدم کے لئے آلات صنعت

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا۔ ثُمَّ اُنْزِلَ عَلَیْہِ بَعْدُ السَّنْدَانُ وَالْکَلْبَتَۃُ وَالْمِطْرَقَتَانِ فَنَظَرَ آدَمُ حِیْنَ اُھْبِطَ عَلَی الْجَبَلِ اِلٰی قَضِیْبٍ مِّنْ حَدِیْدٍ نَابِتٍ عَلَی الْجَبَلِ فَقَالَ ھٰذَا مِنْ ھٰذَا فَجَعَلَ یَکْسِرُ اَشْجَارًا قَدْ عَتَقَتْ وَیَبِسَتْ بِالْمِطْرَقَۃِ ثُمَّ اَوْقَدَ عَلٰی ذٰلِکَ الْقَضِیْبِ حَتّٰی ذَابَ فَکَانَ اَوَّلُ شَیْءٍ ضَرَبَ مِنْہُ مُدْیَۃً فَکَانَ یَعْمَلُ بِھَا۔ (ابن سعد) پھر حضرت آدم علیہ السلام پر اس کے بعد اہرن، پلیٹ اور اکوڑی اور دو ہتوڑیاں اتاری گئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام جب وقت پہاڑ پر اتارے گئے تو آپ نے پہاڑ پر لوہے کی ایک سلاخ اُگی ہوئی دیکھی اور فرمایا کہ یہ بھی اسی پہاڑ کی جنس سے ہے۔ پھر آپ پرانے سوکھے درختوں کو ہتوڑی سے توڑنے لگے پھر لکڑیوں میں اس آہنی سلاخ کو رکھ کر آگ سلگانا شروع کی یہاں تک کہ وہ سلاخ پگھل گئی۔ پھر آپ نے اس سے ایک چھری تیار کرکے اس سے کام لینے لگے۔"

آلات زراعت کی فراہمی

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں: لَمَّا اَھْبَطَ اللّٰہُ آدَمَ اَھْبَطَہٗ بِاَشْیَاءَ ثَمَانِیَۃِ اَزْوَاجٍ مِّنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ

وَالضَّأْنِ وَالْمَعْزِ وَاَهْبَطَهُ بِبَاسِنَةٍ فِيْهِمَا بَذْرٌ وَ تَعْرِيْشَةُ عِنَبَةٍ وَرِيْحَانَةٍ وَالْبَاسِنَةُ قِيْلَ اٰنَّهُ اٰلَاتُ الصُّنَّاعِ وَقِيْلَ هِيَ سِكَّةُ الْحَرْثِ وَلَيْسَ بِعَرَبِيٍّ مَحْضٍ۔ (ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو اتارا تو آپ کے ساتھ کئی چیزیں اتاریں۔ آٹھ مویشی نر و مادہ اونٹ، بیل، دنبے اور بھیڑ اتارے۔ اور آپ کے ساتھ باسن اتارا جس میں (ہر قسم کے) بیج تھے اور انگور کا ڈھیلا اور ریحان کا پودا اتارا۔ ”باسن“ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ صنعت و کاریگری کے آلات مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ سامان زراعت ہے۔ یہ لفظ خالص عربی زبان کا نہیں ہے۔“